

سمن پوش
ناہید سلطانہ اختر

ازلی ابدی کشمکش کی کہانی

انسانی فطرت ایک ایسا معمہ ہے جسے شاید نفسیات کے ماہرین بھی ابھی تک سمجھ نہیں پائے۔ یہ نہ سمجھ میں آنے والا گورکھ دھندہ ہے۔ دنیا میں آتا ہے تو گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے آس پاس کا ماحول اسے گناہوں سے آلودہ کر دیتا ہے۔

انسان نیکی کرنے پر آجائے تو فرشتوں کو بھی مات دے دیتا ہے اور یہی انسان جب بدی پر اُتر آئے تو ذلت کی ایسی گہرائیوں میں گر جاتا ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں۔

"سمن پوش" کی کہانی انسانی فطرت کی ایسی ہی نیرنگیوں سے تعلق رکھتی ہے۔ نیکی اور بدی کا ازلی تصادم ایک نئی کشمکش کے ساتھ نظر آتا ہے۔

محترمہ ناہید سلطانہ اختر ایک منجھی ہوئی قلمکار ہیں۔ انہوں نے بڑی مہارت سے اس کہانی کا تانا بانا بُنا ہے۔ شروع سے آخر تک کہانی پر ان کی مضبوط گرفت فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

"سمن پوش" کی کہانی کا تعلق پاکستان کے خطۂ لطیف سندھ کی سر زمین سے ہے جو ہزاروں کہی ان کہی کہانیوں کا منبع ہے۔ جہاں وڈیروں کا حکم چلتا ہے' لوگ رسم و رواج اور اندھی عقیدت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

وڈیروں اور سرداروں کی اپنی ایک الگ دنیا ہے .... ایک طلسم ہوشربا ہے جس میں کچھ اسرار ہیں' کچھ بھید ہیں' کچھ راز ہیں۔ اندرون خانہ ہونے والی سازشیں اور لغزشیں ہیں۔

کہانی اگرچہ افسانوی انداز لئے ہوئے ہے لیکن اس پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ کردار اور واقعات ہماری حقیقی زندگی کے قریب ترین ہیں۔

تمام کردار عام انسانوں جیسے ہیں اور ان کے مسائل بھی ایسے ہی ہیں جو کسی بھی انسان کو پیش آسکتے ہیں۔ یعنی ہیرو کے پاس کوئی ماورائی قوت نہیں اور نہ ہی اس کا واسطہ کسی غیرانسانی مخلوق سے پڑتا ہے جیسا کہ عام طور پر کہانیوں میں ہوتا آرہا ہے۔ اس کہانی کی سادگی میں ہی اس کا حسن پوشیدہ ہے۔

کہانی اپنے متنوع کرداروں اور واقعات کے لحاظ سے اتنی دلچسپ ہے کہ قاری غیرمحسوس انداز میں خود کو اسی ماحول میں پاتا ہے جو کہانی میں پیش کیا گیا ہے۔ کہانی کا سحر شروع سے آخر تک قاری کو جکڑے رکھتا ہے۔

یقیناً یہ ان کہانیوں میں سے ایک کہانی ہے جو خاصے عرصے تک پڑھنے والوں کے ذہنوں پر اپنا تاثر قائم رکھے گی۔

عارف محمود
ایڈیٹر "حکایت"

سرفراز کو فروغ شیر اصفہانی کے ہاں سے اٹھتے اٹھتے ساڑھے بارہ بج گئے۔ فروغ سے اس کی دوستی کچھ زیادہ پرانی تو نہ تھی مگر بعض اوقات دم بھر کی رفاقت صدیوں کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ فروغ کے سلسلہ میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ فروغ سے اس کی پہلی ملاقات قطعاً حادثاتی تھی۔

کراچی سے سرفراز کی بڑی پرانی آشنائی تھی۔ والدین مدت ہوئی فوت ہو چکے تھے۔ دو سگی بہنیں اور ایک بھائی بھارت میں مقیم تھے۔ بھائی کی جلاد طبیعت سے تنگ آکر ایک روز وہ بھاگ نکلا اور کراچی آکر ہی دم لیا۔ ان دنوں وہ چھریرے بدن کا سیدھا سادا سا لڑکا ہوا کرتا تھا۔ اجنبی شہر نے شروع شروع میں بڑی سرد مہری دکھائی' پھر دھیرے دھیرے کراچی اس سے اور وہ کراچی سے مانوس ہوتا گیا۔ پیدائشی فنکاروں کی طرح نامساعد حالات کے باوجود اس کی مخروطی انگلیاں اور فنکارانہ ذہن باہم مل کر سازشیں کرتے رہے اور اسے مستقل مضطرب رکھا۔ یہاں تک کہ وہ سجاد صاحب کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنے پر مجبور ہوگیا۔ سجاد صاحب پائے کے مصور تھے۔ پورٹریٹ کے میدان میں اُن کا طوطی بولتا تھا۔ وہ جتنے بڑے فنکار تھے اس سے کہیں بڑے انسان تھے۔ شہر سے دور انہوں نے ایک کٹیا نما اسٹوڈیو بنا رکھا تھا۔ فن کے قدرداں انہیں تلاش کرتے وہاں بھی پہنچ جایا کرتے تھے۔ سرفراز ان تک پہنچا تو انہی کا ہو رہا۔ وہ اسٹوڈیو میں دن بھر سجاد صاحب کا ہاتھ بٹاتا ان کی انگلیوں کی مشاقی اور ذہن کی صناعی اور رنگ آمیزی کا کمال دیکھتا اور آنکھوں کے راستے تخلیق کا حسین عمل اپنے ذہن میں سمو لیتا۔ سجاد صاحب کو اس کی سعادت مندی اور خدمت گزاری یوں بھائی کہ وہ بڑی خاموشی سے ان کا چہیتا اور دلارا شاگرد بن بیٹھا۔

میٹرک تو وہ بدایوں ہی سے کر کے آیا تھا۔ اب سجاد صاحب کی باقاعدہ شاگردی کے ساتھ اپنے طور پر پڑھائی بھی شروع کر دی۔ سجاد صاحب کے سایۂ عاطفت میں آنے کے بعد روٹی کپڑے کا مسئلہ تو حل ہو ہی چکا تھا۔ منقطع تعلیمی سلسلہ دوبارہ جاری ہوا تو گریجویشن کے بعد ہی رہوار ٹھہرا۔ تب تک وہ سجاد صاحب کے طفیل جو ایک آرٹ اسکول سے بھی وابستہ تھے مستند فنکار ہونے کی سند بھی حاصل کر چکا تھا۔ جب تک سجاد صاحب حیات رہے وہ انہی کے قدموں میں رہا اور سجاد صاحب کے بعد وہی ان کے اسٹوڈیو اور ان کے فن کا جائز جانشین قرار پایا تھا۔ یوں بھی ان کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ وہ تمام عمر مجرد رہے تھے۔

سجاد صاحب کے بعد سرفراز شہر سے دور ویرانے میں واقع اسٹوڈیو میں تصویریں بنایا کرتا پورٹریٹ میں اسے اس قدر مہارت حاصل تھی کہ نہ صرف کراچی بلکہ کراچی سے باہر کے اکثر امراء اور رؤسا بھی اس سے اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے پورٹریٹ بنوانے آیا کرتے تھے۔ اس کے بنائے ہوئے متعدد پورٹریٹ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں بھی آویزاں تھے۔ اپنے قومی رہنماؤں کا ایک عظیم الشان سیٹ تیار کرنے پر اسے ایک بڑا ایوارڈ بھی مل چکا تھا لیکن ان تمام کامیابیوں کے باوجود طبعاً وہ انتہائی منکسرالمزاج آدمی رہا۔

مصوری کے علاوہ اس کا دوسرا بڑا مشغلہ سیر و تفریح تھا۔ جب کبھی اسے فرصت میسر آتی وہ قلندرانہ شان کے ساتھ گھومنے پھرنے نکل جاتا۔ ساحل سمندر اس کی پسندیدہ جگہ تھی اس کی فارغ شامیں زیادہ تر ساحلِ سمندر پر گزرتیں۔ ایسی ہی ایک شام جب وہ ساحل پر کھڑا بار بار امڈ کر آنے اور پاؤں چھو کر پلٹ جانے والی لہروں اور افق پر ڈوبتے سورج کے حسن سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کچھ دوسرے لوگ بھی لہروں کے کھیل سے لطف اندوز ہونے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بڑی لہر آئی اور سرفراز سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ایک نوجوان کو چاروں شانے چت ڈھا گئی۔ دوسری لہر بپھر کر آگے بڑھی۔ فضا میں ایک شور سا حلول کر گیا۔ لوگ سہم کر رہ گئے لیکن اس سے قبل کہ دوسری لہر آ کر بے سدھ پڑے نوجوان کو اپنے ساتھ کھینچ لے جاتی سرفراز لپکا اس نے

چت پڑے نوجوان کی کلائی تھامی اور پوری قوت سے اسے لہروں کی پہنچ سے باہر گھسیٹ لایا۔

یہ فروغ شیر اصفہانی سے اس کی شناسائی کا آغاز تھا۔

یہ آغاز فروغ کے لئے اس قدر اہم تھا کہ وہ سرفراز کا اسیر ہو گیا۔

پہلی ملاقات سرفراز کے فروغ کو اس کے اپارٹمنٹ تک پہنچانے' اسے گرم گرم چائے پلانے اور مکمل آرام کا مشورہ دینے پر منتج ہوئی۔ اگلی ملاقات میں سرفراز کو فروغ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ایرانی نژاد تھا اور ثقافت ایران' نامی ایک ادارے سے وابستگی کے علاوہ شام کے وقت شہر کے ایک مشہور صنعت کار سیٹھ رزاق کی بیٹی کو فارسی سکھایا کرتا تھا۔ جس فلیٹ میں وہ رہائش پذیر تھا اس کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ اس میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہ رہا تھا اس سے زیادہ نہ اس نے کچھ بتایا نہ سرفراز نے جاننے کی کوشش کی۔

اگلی چند ملاقاتوں میں جب وہ ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے تو اس نے سرفراز کو بتایا کہ وہ چند سیاسی وجوہات کی بنا پر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا۔ چند ہی ملاقاتوں میں سرفراز کو اندازہ ہو گیا کہ وہ خاصا با رسوخ نوجوان تھا۔ بیک وقت اردو' انگریزی' فارسی' سندھی اور پشتو زبانوں پر عبور حاصل ہونے کے باعث اس کی رسائی بڑی بڑی جگہوں تک تھی۔ فروغ ہی کے توسط سے اس نے سیٹھ رزاق اور ان کے والد کے پورٹریٹ بھی بنائے۔ جن کا معاوضہ اسے اس کی توقعات سے زیادہ ملا اور اسی کے توسط سے سرفراز کو سندھ کے ایک جاگیردار گھرانے کی جانب سے ایک شاندار قسم کی پیشکش بھی موصول ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ سجاد صاحب کے لائق و فائق شاگرد کی حیثیت سے اس نے عوامی حلقوں میں اپنی پہچان کروانے کے ساتھ خواص تک بھی رسائی حاصل کر لی تھی لیکن برسوں سے ایک ہی ڈگر پر زندگی گزارتے گزارتے وہ اوب چلا تھا اور اب کسی خوشگوار تبدیلی کا خواہاں تھا۔

ماہتاب سیٹھ رزاق کی بیٹی کی سہیلی تھی اس کا تعلق سندھ کے ایک رئیس گھرانے

سے تھا وہ اپنے مرحوم باپ سردار مصطفیٰ چانڈیو کی بہت بڑی جائیداد کی اکلوتی وارث تھی اور فنون لطیفہ کی قدرداں' مصوری اس کا مشغلہ تھا لیکن اس نے اب تک باقاعدہ طور پر مصوری سیکھی نہیں تھی البتہ سیکھنے کی خواہاں تھی۔ اس کی بڑی بہن خوش بخت ہر معاملے میں اس کی مشیر اور راہنما تھی۔ ماہتاب نے کئی بار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ مصوری کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے اس سلسلے میں خوش بخت نے اسے یہی مشورہ دیا تھا کہ کسی اونگے بونگے استاد کے ہتھے چڑھنے کے بجائے کسی اچھے استاد کی تلاش کی جانی چاہئے۔ اس سلسلے میں دو مرتبہ اخبارات میں اشتہار بھی دیا گیا لیکن کوئی ایسا استاد نہ ملا جو واقعی آرٹسٹ ہو لیکن سیٹھ رزاق کی بیٹی کی سالگرہ کے موقع پر جب دونوں بہنیں کراچی آئیں تو کوٹھی میں آویزاں سیٹھ رزاق اور ان کے والد کے پورٹریٹ دیکھ کر بے حد متاثر ہوئیں۔ خود ماہتاب کا یہ حال تھا کہ وہ کتنی ہی دیر ٹکٹکی باندھے ان تصویروں کو دیکھتی رہی یوں لگتا تھا جیسے دونوں ابھی بول اٹھیں گے۔ ماہتاب نے اسی وقت طے کر لیا کہ اسی آرٹسٹ سے اپنی مرحومہ ماں اور مرحوم باپ کی تصاویر بنوائے گی۔ خوش بخت کا خیال تھا کہ اس آرٹسٹ سے ایک معاہدہ کر لیا جائے جس کے تحت وہ قصر چانڈیو کے وسیع ہال میں آویزاں چانڈیو خاندان کے آبا و اجداد کی تمام تصاویر کی از سر نو تزئین کرے اور ساتھ ہی ماہتاب کو مصوری کی تعلیم بھی دے' ماہتاب کو اس کی یہ بات دل و جان سے پسند آئی دونوں نے اپنی میزبان سے اس خواہش کا اظہار کیا اور ان کی میزبان نے اپنے استاد فروغ اصفہانی کے ذریعے چانڈیو خاندان کی واحد وارث کی جانب سے ایک پرکشش پیش کش سرفراز کو بھجوا دی۔ فوری طور پر سرفراز کو تردد ہوا' اس لئے کہ پیش کش کے تحت اسے کراچی سے باہر جانا پڑتا۔ کراچی سے اسے ذاتی انس تھا وہ انس جو ایک وفادار' تابعدار اور اطاعت شعار بیٹے کو ماں سے ہوتا ہے۔ عروس البلاد کراچی نے اگر اسے زمانے کے سرد و گرم سے آشنا کیا تھا تو انتہائی آزمائشی لمحوں میں اپنی آغوش میں سمیٹ کر تھپکا بھی تھا' دلاسے بھی دیئے تھے۔ تاہم فروغ نے اسے کسی نہ کسی طرح یہ پیشکش قبول کرنے پر آمادہ کر ہی لیا۔

روانگی سے قبل دو تین شامیں اس نے فروغ کے ہمراہ گزاریں۔ آخری دن وہ خاصی دیر تک اس کے ساتھ رہا۔ فروغ نے اسے لذیذ سینڈوچز کھلائے اور گرم گرم قہوے سے اس کی تواضع کی۔ پھر دونوں بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے اور دھیمی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ سرفراز کئی بار جانے کو اٹھا مگر اس نے ہر بار اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور قدرے افسردگی سے بولا۔ "جانم! آج تو جانے کی جلدی مت کرو' کون جانے جب تم واپس آؤ تو ہم کہاں ہوں؟"

"کیوں کیا کہیں جا رہے ہو تم؟" سرفراز نے پوچھا۔

"نہیں' لیکن ہیں تو ہم پردیسی۔"

"میرے دوست! اوّل تو میں کون سا ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ بمشکل تین چار گھنٹے کا سفر ہے۔ میں کراچی سے لطیف آباد ہی جا رہا ہوں امریکہ تو نہیں۔"

"جانِ من! فاصلہ تو فاصلہ ہی ہوتا ہے خواہ بالشت بھر ہی کا کیوں نہ ہو۔ بہرحال میں جہاں بھی رہوں گا اور جب تک جیوں گا تمہارا ممنون رہوں گا۔ اگر اس شام تم مجھے سمندر کی بے رحم موجوں سے نہ بچاتے تو خونخوار مچھلیاں مجھے ادھیڑ ڈالتیں۔" فروغ نے جذبات سے بوجھل لہجہ میں کہا۔

"یہ سب خدا کا کرم ہے' جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔" سرفراز نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

باتوں ہی باتوں میں فروغ کے ہاں سے اٹھتے اٹھتے بارہ بج گئے۔ فروغ نے چاہا کہ اسے اپنی موٹر سائیکل پر چھوڑ آئے لیکن اس نے بڑی اپنائیت سے منع کر دیا۔

تقریباً دو فرلانگ کا راستہ طے کر کے وہ بڑی سڑک تک پہنچا تو اسے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ اس وقت اس سڑک پر کسی سواری کا ملنا ناممکن ہی ہے اس نے سواری کے انتظار میں ایک جگہ رکنے کے بجائے کارساز سے پولیس چوکی کی طرف جانے والے راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ پولیس چوکی سے پھر بھی کسی سواری کے ملنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ سگریٹ کے کش پہ کش لیتا وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن آگے بڑھتا گیا۔ سڑک پر وقفے

وقفے سے اکا دکا نجی گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ اس کے ذہن میں آنے والی کل سے متعلق بے شمار خدشے اور تصورات تھے۔ ان تصورات اور خدشات میں گم وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے عقب میں گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔

"سنئے!" ایک نسوانی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ مڑا اور دم بھر کو جیسے پتھر کا سا بن گیا۔ اس کے روبرو چند قدم کے فاصلے پر ایک نسوانی سراپا روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔ لیمپ پوسٹ کی ملگجی روشنی میں اس کا چہرہ مدقوق نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی مگر اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد واضح حلقے موجود تھے۔ اس کا قد لانبا اور بدن چھریرا تھا۔ چہرے سے پریشانی مترشح تھی اور آنکھوں میں خوف و ہراس کی پرچھائیاں۔ وہ سرتاپا سفید لباس میں ملبوس تھی اور اس کے لبوں کے گوشے دھیرے دھیرے تھرک رہے تھے۔

سرفراز نے سر جھٹک کر' پلکیں جھپکا جھپکا کر یہ یقین کرنے کی کوشش کی کہ جو کچھ اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں' وہم تھا لیکن جلد ہی اسے یقین ہو گیا کہ وہ سب کچھ حقیقت تھی۔ اس سے قبل کہ سرفراز اپنی قوت گویائی کو استعمال میں لانے کی جسارت کرتا' وہ بولی۔

"آپ بتا سکتے ہو یہ راستہ کدھر جاتا ہے؟"

وہ باوجود کوشش کے قوت گویائی کو استعمال نہ کر پایا وہ تو مسحور سا ٹکٹکی باندھے اسے گھورے جا رہا تھا۔

"بابا! میرے کو بتا سکتے ہو یہ سڑک کدھر جاتی ہے؟" اس بار اس نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ .... یہ راستہ .... تو پولیس چوکی تک جاتا ہے .... تمہیں .... کہاں جانا ہے؟" سرفراز نے اٹکتے ہوئے جواب دیا۔

"میرے کو ٹھٹھہ جانا ہے .... آپ کو معلوم ہے ٹھٹھہ والی گاڑی کدھر سے ملتی ہے؟"

سرفراز نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔ "بڑی عجیب بات ہے ابھی کچھ دیر پہلے میں نے پلٹ کر دیکھا تو یہ سڑک بالکل ویران تھی۔ دور دور تک کسی آدم زاد کا پتہ نہ تھا لیکن تم پلک جھپکتے یوں آ موجود ہوئی ہو جیسے آکاش سے زمین پر اُتر آئی ہو۔"

"میں .... میں .... اس طرف سے آئی ہوں بابا۔" لڑکی نے طویل سڑک کے پہلو سے نکل کر فوراً ہی خم کھا جانے والے اس راستہ کی جانب اشارہ کیا جس کے دونوں اطراف کئی کئی ہزار مربع گز پر پھیلی ہوئی عالیشان کوٹھیاں تھیں۔ پھر بڑی عجلت سے اور گھبراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ٹھٹھہ والی گاڑی کدھر سے ملتی ہے؟"

"میری سمجھ نہیں آتا رات گئے تم تنہا کیوں نکلی ہو؟" سرفراز نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

"خدا کے واسطے میرے سے کچھ مت پوچھو' میں بہت پریشان ہوں راستہ بتا سکتے ہو تو بتا دو' ورنہ .... میں کسی اور سے پوچھ لوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ اس کی رفتار سے سرفراز کو یہ اندازہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ وہ بے حد عجلت میں تھی۔ چند ثانیے سرفراز اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر اس کے پیچھے لپکا اور اس کے نزدیک پہنچ کر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا آخر تم اتنی رات کو گھر سے کیوں نکلی ہو اگر تم کچھ پریشان ہو تو بتاؤ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔"

وہ لمحہ بھر کو رکی اور پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی۔ "میری مدد کرنا چاہتے ہو تو بس اتنا کرو کہ مجھے ٹھٹھہ کی گاڑی میں سوار کرا دو۔"

"تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟"

"مجھ سے کوئی سوال مت کرو' تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"عجیب بات ہے.........." سرفراز نے تذبذب کے عالم میں کہا پھر بولا۔ "آؤ میں

تمہیں اسٹاپ تک پہنچا دوں' لگتا ہے تم ان راستوں سے آشنا نہیں ہو۔"

"ہاں سائیں' میرے کو ادھر کراچی کے راستوں کا زیادہ پتہ نہیں ہے۔ آپ میرے کو راستہ بتاؤ گے نا سائیں؟"

سرفراز نے زبان سے کوئی جواب دیئے بغیر اس کے ہمراہ قدم آگے بڑھا دیئے لیکن رات گئے ایک نوجوان لڑکی کے ہمراہ چلتے ہوئے وہ گھبرا بھی رہا تھا۔ خصوصاً ایسی صورتِ حال میں جب کہ ان کا رخ پولیس چوکی کی طرف تھا۔ بڑے شہروں میں آئے دن عجیب و غریب واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ لڑکیاں طرح طرح سے شریف لوگوں کو بلیک میل کرتی ہیں۔

چلتے چلتے اس نے اچانک پوچھا۔ "آپ رہتے کہاں ہو سائیں؟"

"میمن گوٹھ کے نزدیک۔"

"یہ کدھر ہے؟"

"اب کیا بتاؤں کدھر ہے' یوں سمجھو .... یہاں سے کافی دور ہے۔"

"کیا تم کراچی میں بہت سے لوگوں کو جانتے ہو؟" اس نے تیز تیز چلتے ہوئے کہا۔

"کس قسم کے لوگ؟" سرفراز نے اس کے معنی خیز سوال پر متعجب ہوتے ہوئے کہا۔

"بڑے لوگ .... میرا مطلب ہے رئیس لوگ .... جن کے بڑے بڑے گھر ہوں۔"

"ہاں' ایسے چند لوگوں سے واقف ہوں۔"

"بابا! آپ بھی رئیس آدمی ہو؟" اس نے چلتے چلتے اچانک ہی رک کر کہا۔

"نہیں! میں تو مزدور آدمی ہوں' تصویریں بناتا ہوں اور پیٹ پالتا ہوں۔"

"پھر آپ امیر لوگوں کو کیسے جانتے ہو؟"

"ان کی تصویریں جو بناتا رہا ہوں۔"

"اوہ! یہ بات ہے .... خدا کا شکر ہے میں تم پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔" اس نے

ایک لمبی سانس لے کر کہا اور پھر چلنے لگی۔

"تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی؟"

"نہیں .... میں کچھ نہیں بتا سکتی' دیکھو بابا اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو میرے کو گاڑی میں سوار کرا دو' تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔ مگر میرے سے کوئی سوال مت کرو' میں ساری زندگی تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"تنہا سفر کرتے ہوئے تمہیں ڈر نہیں لگے گا؟" سرفراز نے سوال کیا۔

"میرے کو مرنے سے ڈر نہیں لگتا سائیں' تمہارے کو لگتا ہے؟"

لڑکی نے بڑا عجیب سوال کر ڈالا۔

سرفراز اس کے سوال کا جواب دینے ہی کو تھا کہ مخالف سمت سے ایک کار پوری رفتار آتی نظر آئی۔ وہ سمٹ کر اس کے بالکل نزدیک ہو گئی اور اس نے مضبوطی سے سرفراز کا بازو دبوچ لیا۔ گاڑی کے قریب آنے پر اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور جب گاڑی زَن سے ان کے نزدیک سے گزر گئی تو اس نے یوں سانس لی جیسے بہت اطمینان محسوس کیا ہو۔

اب وہ پولیس چوکی کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ سرفراز ذہنی طور پر ہر قسم کی افتاد کے لئے تیار تھا۔ اس کی نظریں لڑکی کی حرکات و سکنات پر تھیں۔ موڑ پر پہنچنے کے بعد لڑکی نے ایک بار پھر اس کا بازو تھامتے ہوئے گھٹی گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"ادھر روشنی ہے سائیں .... میرے کو ڈر لگتا ہے۔ اندھیرے میں چلو۔"

سرفراز سمجھ گیا وہ پولیس چوکی کی طرف جانے سے کترا رہی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ اس لمحہ وہ اسے خاصی مشتبہ اور پُراسرار نظر آئی۔ لمحہ بھر کو اس کا جی چاہا اسے زبردستی پولیس چوکی تک لے جائے اور وہ سب کچھ اگلوا لے جو وہ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن اگلے ہی لمحہ اس خدشے نے الٹا اسی کو ڈرا دیا کہ اگر وہ خود گرفتارِ بلا ہو گیا تو پھر کیا ہو گا۔ چنانچہ وہ بائیں جانب ہو گیا۔ تیز تیز چلتے وہ کاشانۂ اطفال تک پہنچے پھر اس نے لڑکی کا ہاتھ تھام کر سڑک عبور کی اور دوسری طرف

آنے کے بعد سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا۔

"سائیں! ادھر کیوں رُک گئے؟"

"گاڑی یہیں آئے گی۔"

"ٹھٹھہ والی؟"

"ہاں .... ویسے مجھے اچھی طرح معلوم نہیں کہ اس وقت بھی یہ گاڑیاں چلتی ہیں یا نہیں؟"

"تو کیا میں نہیں جاسکوں گی؟" وہ گھبرا کر بولی۔

"تھوڑی دیر انتظار کرلو اگر بس آ گئی تو ٹھیک ہے ورنہ مجبوری ہو گی۔"

"بابا! تم میرے کو اکیلا چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

"اب میں تمام رات تو یہاں کھڑا نہیں رہ سکتا نا' مجھے بہت دور جانا ہے۔"

"تم کیسے جاؤ گے؟"

"میں تو چلا ہی جاؤں گا میری تم فکر نہ کرو۔" سرفراز نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر قدرے توقف سے بولا۔ "مشکل یہ ہے کہ مجھے گھر جا کر سفر کے لئے تیاری بھی کرنی ہے۔"

"اچھا! کہاں جا رہے ہو تم؟"

اس سے قبل کہ سرفراز جواب دیتا۔ دور سے ایک منی بس آتی نظر آئی۔ اس کی روشنیوں سے چہرہ چھپائے ہوئے وہ پھر سمٹ کر اس کی آڑ میں ہو گئی۔ منی بس ان کے نزدیک آ کر رُکی۔

"یہی ہے میری گاڑی؟" اس نے دبی آواز میں پوچھا۔

"نہیں۔"

منی بس بمشکل منٹ بھر رک کر آگے بڑھ گئی۔

"ہاں سائیں! آپ کدھر جا رہے ہو کل؟"

"لطیف آباد۔"

"آہ! لطیف آباد!" لڑکی نے ایک سرد آہ کھینچی پھر بولی۔ "کاش! میں وہاں جا سکتی۔"

"کیا تم لطیف آباد میں رہا کرتی تھیں؟"

"نہیں سائیں۔"

"شاید تم پیدا ہوئی ہو گی وہاں۔"

"نہیں' پیدا تو میں ٹھٹھہ میں ہوئی تھی۔ لطیف آباد تو میں بہت پہلے تھوڑے سے دنوں کو گئی تھی .... میں کیا بتاؤں میں کتنی خوش ہوا کرتی تھی وہاں۔ وہ دن مجھے آج بھی یاد ہیں جو میں نے "قصرِ چانڈیو" میں گزارے تھے۔"

"قصرِ چانڈیو!" سرفراز اچھلتے اچھلتے رہ گیا۔ یہ تو وہی جگہ تھی جہاں وہ کل جا رہا تھا لیکن اس سے قبل کہ وہ لڑکی سے کچھ استفسار کرتا وہ بولی۔

"معلوم نہیں اب وہاں کون لوگ رہتے ہوں گے' سردار چانڈیو اور ان کی بیگم تو زمانہ ہوا فوت ہو چکے ہیں۔ ان کی بیٹی .... ہو سکتا ہے اس کی شادی ہو گئی ہو اور وہ بھی قصرِ چانڈیو سے چلی گئی ہو۔ آہ! وہ لوگ جن سے میں پیار کرتی تھی .... کاش! وہ لوگ زندہ ہوتے .... کاش! میں ماہتاب بی بی کے پاس جا سکتی۔"

"تم ان لوگوں کو کیسے جانتی ہو؟ کیا ان سے تمہاری رشتہ داری ہے؟"

"نہیں بابا! وہ رئیس لوگ' ہماری ان سے رشتہ داری کدھر ہو سکتی ہے؟"

"پھر؟"

"بس جانتی ہوں' میں نے بولا نا سائیں میرے سے کوئی سوال مت کرو۔"

"عجیب بات ہے! بہرحال اتنا تو میں اندازہ کر ہی چکا ہوں کہ تم بے حد خوفزدہ ہو۔ اس کا سبب کیا ہے تم نہیں بتاتیں نہ سہی۔ یہ بتاؤ ٹھٹھہ تم کس کے پاس جا رہی ہو؟ کیا وہاں تمہارا گھر ہے؟"

"ادھر میری ماں رہتی ہے۔"

کچھ دیر وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ ملیر جانے والی ایک بس آئی اور نکل گئی۔ اس بار پھر اس نے روشنیوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

اس بس کے پیچھے ہی ٹھٹھہ جانے والی بس بھی آ گئی۔ دور سے آتی بس کو دیکھ کر سرفراز نے کہا۔ ”لو .... ٹھٹھہ جانے والی بس آ گئی۔“

”سائیں! بڑی مہربانی تمہاری .... میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گی۔“

”یہ بتاؤ ٹکٹ کے پیسے تو ہیں تمہارے پاس؟“

”نہیں .... میں اپنی بالیاں دے دوں گی نا سائیں۔ پھر تو بس والا مجھے لے جائے گا۔“

سرفراز نے انتہائی عجلت میں اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس وقت تک بس ان کے نزدیک آ کر رُک چکی تھی۔ لڑکی بس کی جانب لپکی سرفراز نے جیب سے بیس روپے نکال کر اسے تھماتے ہوئے کہا۔ ”یہ ٹکٹ کے لئے رکھ لو۔“

”مہربانی۔“ اس نے نوٹ مٹھی میں دبوچتے ہوئے کہا۔

”جلدی کرو مائی۔“ کنڈکٹر نے ہانک لگائی۔

لڑکی نے فٹ بورڈ پر چڑھنے کے بعد مڑ کر دیکھا اس کی نگاہوں سے احساسِ تشکر چھلکا پڑتا تھا۔

بس چلی گئی تو اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ پندرہ بیس منٹ وہ وہیں کھڑا رہا لیکن کوئی بس یا منی بس نہ آئی۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ پولیس چوکی تک جا پہنچا اور منڈیر پر بیٹھ کر کسی سواری کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے ذہن میں اس پُراسرار لڑکی کے بارے میں طرح طرح کے خیالات کوند رہے تھے۔

اونگھتی ہوئی سڑک نے اچانک انگڑائی لی اور کارساز سے پولیس چوکی کی جانب آنے والے راستے پر روشنیاں لہرائیں۔ ایک لمبی سی کار چوکی کے نزدیک آئی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے سر باہر نکال کر ڈیوٹی پر متعین سپاہی سے جو سرفراز کو اتنی رات گئے آوارہ پھرنے پر اچھی خاصی ڈانٹ پلا چکا تھا' پوچھا۔

”سنتری جی! کوئی لڑکی تو نہیں گزری ادھر سے؟“

”لڑکی؟ .... کیسی لڑکی؟“ سپاہی نے حیرانی سے سوال کیا۔

”نوجوان لڑکی ہے۔ اس نے سفید لباس پہن رکھا ہے۔“

”نہیں جی .... ادھر کوئی لڑکی شڑکی نہیں آئی۔“

”اچھا! دیکھیں اگر اس طرف سے کوئی سفید کپڑوں والی لڑکی گزرتی نظر آئے تو اسے فوراً روک لیں اور مہربانی سے اس نمبر پر اطلاع دے دیں۔“

کار میں بیٹھے شخص نے ڈیش بورڈ سے ایک کارڈ اٹھا کر سنتری کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”صاحب جی! گزری تو روک لیں گے۔ پر کیوں جی کیا کیا ہے اس نے کوئی چوری وغیرہ؟“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل یہ لڑکی ہسپتال سے بھاگی ہوئی ہے اس کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔“

”آپ کی اپنی بچی ہے؟“

”میری مریضہ ہے' میں ہسپتال میں ڈاکٹر ہوں۔“

”بہتر جناب! اگر اس حلیہ والی لڑکی نظر آئی تو ہم آپ کو ضرور اطلاع کر دیں گے۔“

سرفراز نے' جو چند قدم کے فاصلے پر کھڑا یہ ساری گفتگو سن رہا تھا' چاہا کہ آگے بڑھے اور اس لڑکی کی بات بتا دے لیکن اس کے .... بتانے سے قبل ہی کار اسٹارٹ ہوئی اور فراٹے بھرتی موڑ کاٹ کر کارساز کی جانب چلی گئی اب سنتری صاحب کو اس ضمن میں اپنی معلومات کا احوال سنانا فضول تھا۔ یوں بھی سجاد صاحب خدا بخشے کہا کرتے تھے۔ پولیس والوں سے تو چالیس قدم پرے ہی رہنا چاہئے ان کو تو رائی مل جائے تو پہاڑ بنا دینے کا فن جانتے ہیں۔ چنانچہ وہ خاموش رہا۔ اس کی قسمت بھلی تھی کہ ملیر جانے والی ایک منی بس آ گئی جس میں تین چار مسافر بیٹھے اونگھ رہے تھے وہ لپکا اور اچک کر بس میں سوار ہو گیا۔

☆======☆======☆

اگلے روز تقریباً چار گھنٹے کے اکتا دینے والے بس کے سفر کے بعد جب وہ قصرِ چانڈیو پہنچا تو شام کے سائے گہرے پڑ رہے تھے۔ قصر چانڈیو پہنچنے پر منشی رحیم داد نے اس کا استقبال کیا۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور مع اس کے مختصر سے اسباب کے مہمان خانے پہنچا دیا گیا۔

قصرِ چانڈیو قدیم وضع کی ایک محل نما رہائش گاہ تھی جو وسیع رقبہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ صدر دروازے سے اصل عمارت تک پہنچنے کے لئے طویل راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ اس راستے کے دونوں جانب سرو اور چنار کے درخت قطار در قطار کھڑے تھے۔ مہمان خانہ قدیم وضع کے بیش قیمت فرنیچر اور نوادرات سے آراستہ تھا۔ مہمان خانے کی آرائش سے اسے قصر چانڈیو کے مکینوں کی امارت کا بخوبی اندازہ ہو گیا۔ منشی رحیم داد نے جس گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا اس نے سرفراز کو خاصی طمانیت بخشی۔ فوری طور پر اس نے مشروب سے اس کی تواضع کروائی اور چلتے ہوئے بولا۔

"ماسٹر صاحب! آپ کو کسی چیز......... کی ضرورت ہو تو گھنٹی بجا کر ملازم کو بلا لیں اور حکم فرمائیں۔ بیبیاں آپ سے رات کے کھانے پر ملاقات کریں گی۔"

رات کے کھانے پر جب وہ ملازم کی راہنمائی میں ڈائننگ ہال تک پہنچا تو اندر داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ ایک نسوانی سراپا سے ٹکرائی وہ مغربی سمت کھلنے والے دریچے میں کھڑی تھی اور اس کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ ڈائننگ ہال میں داخل ہو کر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کے لئے وہ دھیرے سے کھنکارا' وہ چونک کر پلٹی اور سرفراز کی جمالیاتی حس پر اوس پڑ گئی۔ پشت سے انتہائی پُروقار نظر آنے والی وہ خاتون انتہائی سیاہ فام تھی۔ اس کے دراز قد' بھرے بھرے جسم' گھونگھریالے بالوں' بھدے نقوش اور سیاہ رنگت نے باہم مل کر اس کے بیش قیمت لباس کو پچھاڑ دیا تھا۔ اس کے کانوں کی لووں پر جگمگاتے ہیرے بھی اس کی بدصورتی کا کچھ نہ بگاڑ سکے تھے۔

"سرفراز صاحب! میں آپ کو اپنی اور اپنی بہن ماہتاب کی جانب سے قصر چانڈیو

میں خوش آمدید کہتی ہوں۔" اس نے قطعاً نستعلیق لہجہ میں کہا۔

"نوازش۔"

"مجھے خوش بخت کہتے ہیں' میں ماہتاب کی بڑی بہن ہوں۔"

"آپ سے تعارف حاصل کر کے مسرت ہوئی۔" سرفراز نے ایسے موقعوں پر کہا جانے والا رسمی جملہ ادا کیا۔

"آیئے۔" خوش بخت نے کھانے کی میز کی جانب اشارہ کیا جس پر سلیقے سے چنی جانے والی ڈشوں سے اٹھنے والی اشتہا انگیز خوشبوؤں نے عجیب قیامت ڈھا رکھی تھی۔ وہ دونوں میز کے گرد پڑی کرسیوں میں سے دو پر روبرو آ بیٹھے۔ خوش بخت نے میز کے ایک کنارے پر لگا بٹن دبایا۔ سریلی سی گھنٹی بجی اور آن کی آن ایک ملازم دوڑا آیا جس نے ان دونوں کے آگے پلیٹیں' کانٹے اور چمچے بڑھا دیئے۔ انہوں نے پلیٹیں سنبھالیں۔ ملازم نے ان کے گلاسوں میں پانی انڈیلا اور بڑے ادب سے ایک جانب کھڑا ہو گیا۔

"بس اب تم جاؤ۔" خوش بخت نے ملازم سے سندھی میں کہا۔

ملازم کے جانے کے بعد وہ بولی۔ "مجھے افسوس ہے اس وقت ماہتاب ہمارے ساتھ کھانے پر موجود نہیں۔ اس کے آدھے سر میں اکثر شدید درد ہوتا ہے بے چاری آج صبح سے اسی تکلیف میں مبتلا ہے اس نے مجھ سے کہا تھا میں آپ سے اس کی جانب سے معذرت کر لوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" سرفراز نے قرینے سے کہا۔

وہ کھانا شروع کر چکے تھے اور خوش بخت کھانے کے ساتھ اس سے باتیں بھی کئے جا رہی تھی۔ چہرے مہرے سے وہ تیس بتیس سال کے لگ بھگ نظر آتی تھی وہ جس قدر بدصورت تھی اس کا لب و لہجہ اس کے برعکس انتہائی متاثر کن تھا۔

اس پہلی ہی نشست میں خوش بخت نے اسے بہت سی ایسی باتیں بھی بتا دیں جن کا جاننا اس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے قطعاً ضروری نہ تھا۔ تقریباً پونے دو

گھنٹے پر مشتمل اس نشست کے دوران سرفراز کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خوش بخت اور ماہتاب سوتیلی بہنیں تھیں۔ ان کی ماں ایک تھی لیکن باپ دو۔ اپنے نستعلیق لب و لہجہ کے سلسلے میں سرفراز کے استفسار پر اس نے بڑی انکساری سے بتایا کہ اس کا واحد سبب اس کی مرحومہ والدہ تھیں جو یو پی سے تعلق رکھتی تھیں۔ اپنی والدہ جہاں تاب بیگم کے بارے میں اس نے بتایا کہ ان کی پہلی شادی متوسط طبقہ کے ایک شخص ظہیر احمد سے ہوئی تھی۔ وہ خود انہی کی اولاد تھی اور شکل و صورت کے اعتبار سے باپ ہی پر گئی تھی۔ ظہیر احمد ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو کر جوان عمری ہی میں چل بسے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد جہاں تاب بیگم نے ایک اسکول میں معلمی اختیار کر لی تھی۔ اسی اسکول کی ایک سالانہ تقریب کے دوران سردار مصطفیٰ علی چانڈیو نے' جو اس تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے جہاں تاب بیگم کو جو حسینوں میں شمار ہوتی تھیں دیکھا اور یوں ان کے اسیر ہوئے کہ عقد کر کے ہی رہے۔ عقد ثانی کے بعد جہاں تاب بیگم خوش بخت کو لے کر قصرِ چانڈیو آ گئیں۔ جو سردار چانڈیو کی آبائی رہائش گاہ تھی۔ محل نما قصر چانڈیو میں ان سے پہلے بھی سردار صاحب کی ایک خاندانی بیوی موجود تھیں جو مالکن کہلاتی تھیں۔ وہ مزاجاً سادہ اور غریب پرور تھیں لیکن بدقسمتی سے بانجھ تھیں۔ سردار بیگم کے آنے سے انہیں شدید ذہنی دھچکہ پہنچا۔ ان کی شادی کے اٹھارہ برس بعد آنے والی باقاعدہ سوکن کا صدمہ ان پر اس قدر گراں گزرا کہ ایک روز انہوں نے خاموشی سے کوئی زہریلی چیز کھالی۔ ان کے بعد جہاں تاب بیگم قصر چانڈیو کی واحد مالکن قرار پائیں اور سردار بیگم کہلانے لگیں لیکن سردار بیگم بننے کے باوجود ان کے اندر چھپی ہوئی وہ معلمہ ہمیشہ جاگتی رہی جس کے نزدیک معلمی ایک پیشہ نہ تھا بلکہ پیغمبرانہ رتبے کا کام تھا' سردار صاحب کی رضا سے انہوں نے قصر چانڈیو کے قریب ہی دو منزلہ عمارت تعمیر کروائی اور ایک اسکول قائم کر دیا۔ شادی کے کئی برس بعد سردار بیگم کے بطن سے سردار چانڈیو ایک بیٹے کے باپ بنے جو چند دن بعد مرگیا۔ تقریباً برس بھر بعد ان کے ہاں

ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام ماہتاب رکھا گیا اس وقت خوش بخت چودہ سال کے لگ بھگ تھی۔ سردار بیگم نے سترہ برس کی عمر میں خوش بخت کی شادی کر دی لیکن بدقسمتی سے شادی کے چوتھے دن ہی خوش بخت کا شوہر ٹرک کے ایک حادثہ میں فوت ہو گیا اور چار دن کی بیاہی دلہن بیوہ ہو کر پھر قصر چانڈیو لوٹ آئی۔

ماہتاب چودہ برس کی تھی کہ سردار بیگم انتقال کر گئیں۔ سردار بیگم کے بعد سردار علی چانڈیو بڑے مضمحل رہنے لگے۔ حقیقت یہ تھی کہ انہیں سردار بیگم سے گہری محبت تھی۔ ماہتاب کی سترھویں سالگرہ کے بعد سردار چانڈیو بذریعہ کار لطیف آباد سے کراچی جاتے ہوئے ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو گئے۔ اس حادثہ کے وقت وہ کراچی سے قریب تر تھے۔ انہیں فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا۔ ماہتاب اور خوش بخت حادثہ کی اطلاع پاتے ہی کراچی پہنچیں مگر ماہتاب کے آنسو بھی انہیں نہ روک سکے اور وہ راہیٔ عدم ہو گئے۔ ان کی موت کے بعد سترہ سالہ نرم و نازک ماہتاب وسیع جائیداد کی واحد مالکہ قرار پا گئی۔ وصیت نامے کی رو سے سردار مصطفیٰ علی چانڈیو کے بڑے بھائی سردار مرتضیٰ علی چانڈیو جو مجرد تھے' ماہتاب کے سرپرست قرار پائے لیکن مفلوج ہونے کے باعث وہ کسی کام کے لائق نہ تھے۔ چنانچہ ماہتاب کے قانونی مشیر انصار جتوئی کو بلوا کر انہوں نے اپنے بجائے خوش بخت کو ماہتاب کا سرپرست قرار دے دیا۔ اس ضمن میں ان کا جواز یہ تھا کہ وہ مفلوج ہونے کی وجہ سے اپنے حصہ کی جائیداد کا انتظام کرنے سے قاصر تھے تو ماہتاب کی سرپرستی کی ذمہ داری کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔

تقریباً پونے دو گھنٹہ پر مشتمل اس نشست کے بعد جب وہ دونوں ڈائننگ ہال سے باہر نکلے تو اسے شب بخیر کہتے ہوئے خوش بخت نے کہا۔

"میں نے یہ ساری تفصیلات آپ کو بتانا اس لئے ضروری سمجھا تاکہ .... ماہتاب بحیثیت آپ کی شاگرد کے جب آپ کے سامنے آئے تو آپ اس کے سیاق و سباق سے آگاہ ہوں۔ میرا خیال ہے کسی تصویر کے اصل حسن سے آگہی کے لئے

اس کے پس منظر کو سمجھنا بھی اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا خود اس تصویر کو۔"

سرفراز نے ایک بار پھر خوش بخت کے چہرے پر گہری نظر ڈالی بدصورت چہرے والی خوش بخت کس قدر دلنشین لب و لہجہ میں بات کرتی تھی جیسے رات کے پچھلے پہر گلاب کی پنکھڑیوں پر دھیرے دھیرے چپکے چپکے شبنم کے موتی آسمان سے ٹپک رہے ہوں۔

☆======☆======☆

اگلی صبح اس نے ناشتہ کی میز پر پہلی بار ماہتاب کو دیکھا اور پہلی ہی نظر میں چونک کر رہ گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے وہ بلاشبہ اسم بامسمیٰ نظر آتی تھی۔ سادہ سوتی لباس میں بھی اس کا حسن آپ اپنے منہ سے بول رہا تھا۔ وہ دونوں بہنوں کے ظاہری تضاد پر حیران رہ گیا خوش بخت بدصورت تھی' جبکہ ماہتاب چودھویں کا چاند نظر آئی تھی۔ خوش بخت کے جسم پر قیمتی لباس تھا جبکہ ماہتاب معمولی لباس میں ملبوس تھی۔ خوش بخت نے ہیروں کی انگشتریاں' ٹاپس' اور نیکلس پہن رکھا تھا۔ جب کہ ماہتاب ان لوازمات سے مبرا تھی۔ خوش بخت کو گفتگو کرنے کا فن اور سلیقہ آتا تھا جبکہ ماہتاب کم گو محسوس ہوتی تھی۔ ان تضادات کا ذکر گزشتہ رات کھانے کی میز پر خوش بخت پہلے ہی کر چکی تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"سرفراز صاحب! میری بہن ماہتاب اصرار کر کے مجھے قیمتی ملبوسات اور زیورات پہننے پر مجبور کرتی ہے۔ اپنی دانست میں وہ ایسا صرف اس لئے کرتی ہے تاکہ مجھے تہی دامنی کا احساس نہ ہو۔ شاید یہ نہیں جانتی کہ اس کی اس معصوم خواہش کی تکمیل کے لئے مجھے خود پر کس قدر جبر کرنا پڑتا ہے۔ سچ پوچھئے تو مجھے تو قیمتی ملبوسات اور زیورات سے کوئی رغبت نہیں۔ مگر اس کی خوشی کی خاطر مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال مجھے اس کی خوشی عزیز ہے۔"

خوش بخت کی اس بات کا اندازہ سرفراز کو چند ہی دنوں میں ہو گیا دونوں بہنوں میں واقعی مثالی محبت تھی۔ خوش بخت کا رویہ ماہتاب کے ساتھ ایک پُرخلوص اور بے لوث

محبت کرنے والی ماں کا سا تھا۔

چند ہی دنوں میں ماہتاب اس سے بے تکلف ہو گئی۔ سرفراز نے فن مصوری میں باقاعدہ طور پر اس کی تربیت شروع کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے قصر چانڈیو کے وسیع ہال اور ڈرائنگ روم میں آویزاں چانڈیو خاندان کے آبا و اجداد کی قلمی تصاویر سے رنگین پورٹریٹ بنانا بھی شروع کر دیئے تھے۔ پورٹریٹ بناتے وقت جب اس کا برش رنگوں سے کھیل رہا ہوتا تو ماہتاب اپنی ہتھیلی پر ٹھوڑی لگائے محویت سے دیکھے جاتی اور جب کام کرتے کرتے عقل کی ہزار کھڑکیوں کے باوجود دل کے ہاتھوں مجبور سرفراز کی نگاہیں اس کے معصوم چہرے پر جا پڑتیں تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے .... جیسے اس چہرے سے تو وہ قصر چانڈیو آنے سے پہلے ہی مانوس تھا۔

دو ماہ گزر گئے۔ ماہتاب بڑی دلجمعی اور لگن کے ساتھ مصوری سیکھتی رہی سرفراز پورٹریٹ بھی بناتا رہا۔ یوں تو خوش بخت کا رویہ اوّل روز سے اس کے ساتھ خاصا متاثر کن رہا تھا لیکن جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے اس کے رویے میں اور زیادہ بے تکلفی' خلوص اور اپنائیت آتی جاتی تھی۔

ایک شام ماہتاب اپنی ایک سہیلی کی شادی میں گئی ہوئی تھی اور چائے پر وہی دونوں تھے۔ سرفراز نے خوش دلی سے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"خوش بخت صاحبہ! میں یہاں آنے سے پہلے کئی دن مسلسل یہی سوچتا رہا کہ خدا جانے میں اپنے آپ کو ایک نئے ماحول میں ایڈجسٹ کر سکوں گا یا نہیں' بلکہ یہاں آنے سے ایک روز قبل ایک رات میں اپنے ایک دوست کے ہاں سے گھر جاتے ہوئے یہی بات سوچتا رہا تھا کہ راستے میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے مجھے آج تک مخمصے میں ڈالا ہوا ہے۔"

"وہ کیا؟" خوش بخت نے قدرے تجسس سے پوچھا۔

اس کے استفسار پر سرفراز نے قدرے ہچکچاتے ہوئے اس نامعلوم اور پُراسرار لڑکی سے اپنی ملاقات اور ایک کار نشین آدمی کے اس لڑکی کی بابت استفسار کا واقعہ من و عن

سنا دیا۔ خوش بخت بڑے انہماک سے سنتی رہی اور جب سرفراز نے بتایا کہ وہ لڑکی قصر چانڈیو اور اس کے مکینوں سے بھی واقف معلوم ہوتی تھی تو اس کا استعجاب دیدنی تھا وہ فکرمندی سے بولی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا سرفراز صاحب کہ وہ لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ اس واقعہ نے مجھے حیران بھی کیا ہے اور فکرمند بھی۔ ماہتاب کے بارے میں میرا دل ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے۔ دولت بری چیز ہے۔ دولتمند آدمی کا ایک دوست ہوتا ہے تو ہزار دشمن۔ مجھے ہمیشہ یہی خوف رہتا ہے کہ کہیں یہ مال و دولت میری بہن کے لئے وبالِ جان نہ بن جائے۔ دراصل سردار صاحب کی امی سے شادی کو سردار صاحب کے خاندان والوں نے پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ خصوصاً ان کی پہلی بیوی کی خودکشی کے بعد تو ان کے رشتہ داروں نے ان سے تعلقات تقریباً منقطع ہی کر لئے تھے۔ ان کے خاندان والوں نے نہ تو امی کو پسندیدگی کا درجہ دیا اور نہ ہی ہم دونوں کو۔ کہنے کو تو ماہتاب وسیع جائیداد کی مالک ہے لیکن اسے بے پناہ خدشات گھیرے رہتے ہیں۔ بہت اچھا ہوا اس وقت ماہتاب موجود نہ تھی۔ ورنہ وہ تو یہ واقعہ سن کر از حد پریشان ہو جاتی۔ از راہِ کرم آپ اس سے کوئی تذکرہ مت کیجئے گا۔"

"آپ فکر نہ کیجئے میں انہیں کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن خوش بخت صاحبہ! کیا آپ کے ذہن میں واقعی اس قسم کی کسی نوجوان لڑکی کی پرچھائیں نہیں ہے جو حیرت انگیز حد تک مس ماہتاب سے مشابہت رکھتی ہو؟"

"ہاں مجھے یاد پڑتا ہے امی کچھ ذکر تو کیا کرتی تھیں۔" خوش بخت نے کہا۔

☆------☆------☆

اگلی رات کھانے کے بعد جب ماہتاب ستار لے کر بیٹھ گئی اور قصر چانڈیو کے خاموش ماحول پر سُر کے ستارے دمکنے لگے تو خوش بخت نے ملازم کے ذریعے سرفراز کو لائبریری میں بلوا بھیجا۔ اس طلبی پر حیران ہوتا وہ خوش بخت کے پاس پہنچا تو وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بڑی رازداری سے بولی۔

"سرفراز صاحب! اس لڑکی کا کچھ کچھ سراغ مل گیا ہے۔"

"اچھا.......... وہ کیسے؟" سرفراز نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"امی کے کچھ پرانے خطوط بطور یادگار میرے پاس موجود ہیں۔ کل رات میں نے ان خطوط کو نکالا اور ایک ایک خط پڑھا۔ جائیداد کے انتظام کے سلسلے میں سردار صاحب اکثر و بیشتر لطیف آباد سے باہر جاتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں انہیں سیاست میں بھی دخل تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی ان کا دوسرے شہروں میں آنا جانا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ سردار صاحب جائیداد کے ایک مقدمے کے سلسلے میں کراچی گئے ہوئے تھے ان دنوں امی نے انہیں جو خطوط لکھے ان میں سے دو تین خطوں میں اس لڑکی کا تذکرہ موجود ہے۔ ایک خط میں تو امی نے بڑی تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے۔ مجھے یقین ہے یہ وہی لڑکی ہے۔ ٹھہریئے میں آپ کو خط کا وہ حصہ سناتی ہوں جس میں اس لڑکی کا ذکر موجود ہے.........." اتنا کہہ کر خوش بخت نے میز پر رکھی ایک کتاب میں سے تہہ کیا ہوا ایک رقعہ نکالا اور اس کی تہیں کھولتے ہوئے بولی۔ "اس خط پر پندرہ سال پرانی تاریخ درج ہے .... ذرا غور سے سنئے گا۔ اس خط میں امی ایک مقام پر سردار صاحب کو لکھتی ہیں .... آپ بھی کہیں گے کہ اس عورت کو سوائے اسکول اور اسکول کے بچوں کے کوئی بات یاد نہیں رہتی لیکن آج میں آپ کو اس خط میں جو بات بتاؤں گی وہ خاصی دلچسپ ہے مگر ٹھہریئے' میں وہ دلچسپ بات ابھی نہیں بتاؤں گی بلکہ خط کے آخر میں لکھوں گی۔

ہوا یوں علی کہ ہماری ملازمہ صغریٰ بی بی پر پچھلے دنوں اچانک ہی فالج کا شدید حملہ ہوا۔ اس کی ایک رشتے کی بہن حیدر آباد میں رہتی ہے۔ صغریٰ بی بی کی حالت خراب دیکھ کر میں نے اس کی بہن کے پاس آدمی بھجوایا تاکہ وہ اسے صغریٰ بی بی کی حالت سے مطلع کردے۔ صغریٰ کی بہن جس کا نام زینت ہے پورے ہفتہ بھر بعد آئی۔ اس کے ہمراہ ایک چھوٹی سی لڑکی بھی تھی۔ ہماری ماہتاب سے تقریباً سال ڈیڑھ سال بڑی ہو گی۔ یہاں آنے کے بعد اس کی ماں تو صغریٰ کی دیکھ بھال میں لگی رہتی اور وہ لڑکی بے چاری چپ چاپ بیٹھی یا تو ایک ایک کی صورت تکتے جاتی یا کسی کونے کھدرے میں منہ دبکا کر پڑ جاتی۔ اس

کی ماں سے جب میں نے پوچھا کہ یہ بچی اپنی ہم عمر بچیوں کی طرح چونچال کیوں نہیں ہے تو میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اس بچی کو ہمارے اسکول میں داخل کرانا چاہتی ہے۔ اس کی اس بات پر میں نے کہا تم تو چلی جاؤ گی اس لئے چند دن یا چند ہفتوں کو اسے اسکول میں داخل کرانے سے فائدہ۔ اس پر وہ بولی میں اسے آپ کے پاس ہی چھوڑ جاؤں گی۔ میں نے زینت سے اس کے شوہر اور گھر بار کے بارے میں پوچھا تو وہ کنی کتراتی نظر آئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ چھپا رہی ہو چنانچہ میں نے زیادہ نہیں کریدا۔ آپ کو معلوم ہی ہے میں لوگوں کی خواہش کے برخلاف ان کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی پسند نہیں کرتی۔ بہرحال میں نے اسی وقت بچی کو اپنے پاس بلوایا وہ ملازم کے ہمراہ میرے کمرے میں آئی تو سہمی سہمی سی تھی۔ اس نے ڈھیلے ڈھالے اور بے حد شوخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس کا چہرہ مدقوق نظر آتا تھا اور آنکھوں میں اداسی تھی۔ میں نے اسے چمکار کر اپنے نزدیک بلایا اور بات کی تو یہ جان کر مجھے بے حد افسوس ہوا کہ وہ ذہنی طور پر نارمل نہ تھی۔ چنانچہ میں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ ڈاکٹر حق کو بلایا اور بچی کو انہیں دکھایا۔ ڈاکٹر حق نے اس کا بہت اچھی طرح معائنہ کیا کئی ٹیسٹ لئے اور بتایا کہ اس بچی کی ذہنی عمر اس کی اصل عمر سے کم ہے لیکن ان کا خیال ہے کہ یہ کیس مایوس کن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سچ پوچھو تو اس کے چہرے سے ذرا بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کی ذہنی حالت نارمل نہیں ہے۔ بظاہر وہ ایک عام بچی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر حق کا خیال ہے کہ اس بات کا ساٹھ فیصد امکان ہے کہ طبعی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی عمر بہتر ہوتی جائے اور ہو سکتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے جب وہ ایک نارمل زندگی بسر کرنے کے لائق ہو جائے لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ اس بچی کی تعلیم و تربیت پر اشد توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر حق نے اس کا معائنہ کرنے اور اسے کئی مختلف امتحانات سے گزارنے کے بعد بتایا کہ اس بچی کے ذہن میں جو خیال ایک مرتبہ سما جائے وہ پوری شدت سے اس کے ذہن پر ثبت ہو جاتا ہے اور اس خیال کا خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اُس کے ذہن سے نکلنا

محال بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔ گویا وہ جو کچھ سیکھتی ہے دیر سے سیکھتی ہے مگر جو بات ایک دفعہ سیکھ لیتی ہے یا جان لیتی ہے۔ وہ آسانی سے نہیں بھلا سکتی۔ ایسی صورت میں ضرورت اس امر کی ہے کہ باہر کی دنیا سے کوئی غلط بات کوئی غلط سوچ اس کے ذہن میں داخل نہ ہو .... خیر تو ہوا یہ کہ میں نے اس بچی کو اسکول میں داخل کر دیا۔ اسکول کی یونیفارم سفید ہے۔ چنانچہ میں نے .... ماہتاب کے چار پانچ پرانے یونیفارم اس کو دیئے اور جب وہ پہلی بار سفید شلوار' سفید قمیض اور چھوٹا سا سفید دوپٹہ اوڑھے میرے پاس آئی تو میں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ بیٹا! سفید کپڑوں میں بچے بہت خوبصورت لگتے ہیں۔ خاص طور سے تم جیسی ننھی منی پیاری پیاری بچیاں' دیکھو تو سہی ان کپڑوں میں تم کتنی خوبصورت لگ رہی ہو۔ میری اس بات پر اس نے پہلی بار از خود اپنا چہرہ اٹھا کر میری جانب دیکھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت دیکھ کر کہا ہاں! تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔ آن کی آن اس کی آنکھوں سے بے یقینی کافور ہو گئی۔ اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے میرا دایاں ہاتھ پکڑا اور چوم کر بولی۔ میں ہمیشہ سفید کپڑے ہی پہنا کروں گی۔ بے چاری بچی! محبت کی بھوکی لگتی ہے۔ آپ آئیں گے تو آپ بھی اسے دیکھ کر پیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اگر میری اس بات پر آپ کہیں کہ نہیں تو میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ آپ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس بچی پر پیار آئے گا۔ وجہ بتاؤں؟ جاننا چاہتے ہیں آپ..........! تو سنئے' وہ بچی جس کا نام چاند بی بی ہے حیرت انگیز حد تک ہماری ماہتاب سے مشابہ ہے۔ بس فرق ہے تو اتنا کہ ہماری ماہتاب ماشاء اللہ تر و تازہ اور شاداب چہرے والی ہنس مکھ بچی نظر آتی ہے جبکہ چاند بی بی کے چہرے پر حزن و ملال کی پرچھائیاں ہیں۔"

اتنا پڑھ کر خوش بخت رک گئی اور پرچہ تہہ کرتے ہوئے بولی۔ "امی کے اس خط سے آپ کیا اندازہ کر سکتے ہیں؟"

"مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ لڑکی چاند بی بی ہی تھی۔" سرفراز نے وثوق سے کہا۔

"آپ کے خیال میں کیا وہ لڑکی ماہتاب کے لئے کسی پریشانی کا سبب بن سکتی ہے؟"

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے اس لئے کہ جس انداز سے اس نے قصر چاندیو اور

اس کے مکینوں کا تذکرہ کیا تھا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ دل و جان سے ان لوگوں کو عزیز رکھتی ہے۔"

"سرفراز صاحب! کیا وہ واقعی ماہتاب سے مشابہہ تھی؟" خوش بخت نے پُراشتیاق لہجہ میں پوچھا۔

"سچ پوچھئے تو وہ بلاشبہ مس ماہتاب کی ہمشکل تھی۔ میں سمجھتا ہوں اگر دونوں میں کوئی فرق ہے تو وہی جس کا آپ کی والدہ نے اپنے خط میں تذکرہ کیا ہے یعنی مس ماہتاب کے چہرے پر شادابیت ہے جبکہ وہ حزن وملال کا پیکر نظر آتی تھی۔"

"کل میں ماہتاب سے اس کی بابت پوچھوں گی۔ ہو سکتا ہے اسے قصر چاندپو آنے والی وہ لڑکی یاد ہو۔"

"جب آپ کو یاد نہیں تو مس ماہتاب کو بھلا کیا یاد ہو گا؟"

"جہاں تک ہمارا تعلق ہے اس میں میری یادداشت اور حافظے کی قطعاً کوئی خطا نہیں اس لئے کہ جن تاریخوں میں امی نے سردار صاحب کو وہ خط لکھے جن میں اس لڑکی کا تذکرہ موجود ہے۔ ان دنوں میں اپنے کان کے آپریشن کے سلسلے میں یورپ گئی ہوئی تھی۔ میری واپسی پر امی نے اس لڑکی کا تذکرہ کیا تھا لیکن ہنگامہ ہائے زندگی میں مجھے یہ بات بہت سی دوسری باتوں کی طرح یاد ہی نہ رہی تھی۔ ہاں عین ممکن ہے کہ میں نے اس کا تذکرہ سننے کے بجائے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہوتا تو اسے یاد رکھ سکتی۔ سچ پوچھئے تو امی کا یہ خط پڑھنے اور آپ کے یہ بتانے کے باوجود بھی کہ وہ ماہتاب کی ہمشکل تھی میں اس کا تصور کرنے اور یقین کرنے سے قاصر ہوں۔"

"وہ کتنا عرصہ یہاں رہی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کسی طرح؟"

"ہاں امی کے دوسرے خطوں میں جو انہوں نے سردار صاحب کو لکھے تھے کہ وہ دو ڈھائی ماہ یہاں رہی تھی۔ صغریٰ بی بی کے انتقال کے بعد دونوں ماں بیٹی واپس چلی گئی تھیں .... آپ یہیں رہیں میں امی کے دوسرے خط لاتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر خوش بخت لائبریری سے نکل گئی اور کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ

میں تہہ کیا ہوا ایک اور پرچہ تھا۔ سرفراز کے نزدیک بیٹھتے ہوئے اس نے تہہ کھولی اور سرفراز سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔

"اس خط میں امی لکھتی ہیں .... میری سمجھ میں نہیں آتا مقدمہ کی تاریخ بھگتانے کے بعد ایسی کیا مصروفیت نکل آئی کہ آپ اب تک نہیں لوٹے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں یہ جائیداد وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہ ہوتا۔ بس پیٹ بھر کھانے اور تن ڈھانپنے کو کپڑا مل جاتا۔ کوئی فکر نہ ہوتی۔ ہم لوگ کس قدر مسرور ہوتے چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے اور اس شرکت سے ایک دوسرے کو محظوظ کرتے۔ اب دیکھئے نا ماہتاب کی اس ہمشکل لڑکی کو دکھانے کے لئے میں آپ کا کتنی شدت سے انتظار کرتی رہی مگر آپ نہ آئے۔ بالآخر گزری شام وہ صغریٰ بی بی کے سوئم کے بعد اپنی ماں کے ساتھ واپس چلی گئی۔ میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اسے یہیں چھوڑ دے لیکن وہ سپاٹ لہجے میں بولی' اولاد چھوڑنا آسان بات نہیں ہوتی بیگم صاحبہ۔ میں نے ہنس کر کہا تم تو کہتی تھیں پڑھنے کے لئے اسے یہیں چھوڑ جاؤں گی۔ میری اس بات پر وہ بولی۔ مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ بہرحال وہ دونوں چلی گئیں افسوس آپ اس بچی کو نہ دیکھ سکے کاش آپ نے دیکھا ہوتا وہ ماہتاب سے کتنی زیادہ مشابہت رکھتی تھی۔"

"اور آپ بھی اسے نہ دیکھ پائی تھیں؟" سرفراز نے کہا۔

"ہاں! میں تو ان دنوں باہر تھی اور جب واپس آئی تو امی نے ایک دو بار اس کا تذکرہ کیا تھا۔"

اگلے روز جب خوش بخت نے اس سلسلے میں ماہتاب کے ذہن کو کریدا تو وہاں چاند بی بی کی بابت کوئی یاد نہ تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپا! پہلی بات تو یہ کہ میں اس وقت بہت چھوٹی رہی ہوں گی' دوسری بات یہ کہ ہمارے ہاں اتنے بہت سے ملازم اور ان کے ڈھیروں بچے ہوا کرتے تھے کہ انہیں یاد رکھنا دشوار تھا۔ کجا ان کے رشتہ داروں کو یاد رکھنا اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ آپا آپ جانتی ہیں مجھے بہت کم لوگ یاد رہتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ مجھے لوگ یاد ہی نہیں

رہتے۔"

لیکن سرفراز بلاشبہ ایسا شخص تھا جسے اگر وہ زندگی کے اگلے کسی موڑ پر بھلانے کی کوشش بھی کرتی تو ناکامی اس کا منہ چڑا کر بھاگ جاتی۔

اور سرفراز!

خود سرفراز کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔

کیسی عجیب بات تھی یہ جانتے بوجھتے بھی کہ جس راستے پر وہ چل رہی تھی وہ ہرگز ہرگز اسے من چاہی منزل تک نہ پہنچا سکتا تھا۔ وہ بے اختیار اسی راستے پر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ مدہوش اور مسحور..........!

خوش بخت کی زیرک نگاہوں سے یہ بات زیادہ عرصے نہ چھپی رہ سکی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہوش و خرد کی منزلیں پھلانگ جاتے' ایک روز خوش بخت نے بڑے دانشمندانہ انداز میں یہ تلخ حقیقت سرفراز کے گوش گزار کر دی کہ ماہتاب کی منگنی ہو چکی ہے لیکن یہ بات اس نے سرفراز سے بڑے دوستانہ انداز میں کہی۔ وہ باشعور عورت جانتی تھی کہ لوگوں کو زیر کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے دوست اور غمگسار بن جاؤ چنانچہ اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"میں جانتی ہوں بعض جذبے غیر اختیاری ہوتے ہیں۔ مجھے اور میری طرح ماہتاب کو بھی مال و دولت سے قطعاً پیار نہیں .... لیکن بات دراصل یہ ہے سرفراز صاحب کہ ماہتاب کی منگنی ہو چکی ہے۔ میرے سوتیلے باپ سردار چانڈیو نے بستر مرگ پر ماہتاب اور نواب عالمتاب لغاری کی منگنی کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ نہایت عجلت میں ہوا۔ اب اگر ماہتاب چاہے بھی تو انکار نہیں کر سکتی اس لئے کہ اسے سردار صاحب سے بے اندازہ محبت تھی۔ وہ اپنے ہر جذبے کو باپ کی خواہش اور عزت کی خاطر قربان کر دینا گوارا کر لے گی۔"

سرفراز کی سماعت پر اس وقت اس خوش گفتار اور خوش لحن عورت کی آواز ہتھوڑے کی ضربوں کی مانند پڑ رہی تھی۔

پھر بڑی دیر دونوں سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔ سرفراز کی قوتِ گویائی سلب تھی وہ کچھ کہنے اور سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا کہ خوش بخت نے ٹیپ کا مصرعہ ادا کیا۔

"ایسے حالات میں بہتر یہی ہو گا سرفراز صاحب .... کہ.........." وہ کہتے کہتے رکی پھر اس نے اٹکتے ہوئے بہ دقتِ تمام کہا۔ "میرا مطلب ہے .... آپ جلد از جلد .... یہاں .... سے .... چلے جائیں۔"

سرفراز کا دماغ سن ہو کر رہ گیا۔ تاہم اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے قدرے توقف سے بوجھل لہجے میں کہا۔ "آپ فکر نہ کیجئے میں بہت جلد یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"بہتر ہو گا آپ .... ماہتاب .... کو کچھ نہ بتائیں .... وہ انتہائی حساس لڑکی ہے۔" خوش بخت نے کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گئی۔

اگلی چند ساعتیں سرفراز پر قیامت بن کر گزریں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے مگر آنسو بھی کبھی کبھی اختیار میں نہیں رہتے اس نے فیصلہ کر لیا وہ کل ہی یہاں سے چلا جائے گا۔ ماہتاب سے ملے اور اسے کچھ بتائے بغیر اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا لیکن ابھی وہ راہداری ہی میں تھا کہ خوش بخت متوحش سی صورت لئے اس کی جانب آئی اور اس نے ایک پرچہ سرفراز کی جانب بڑھاتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"دیکھئے .... ابھی ابھی ماہتاب کو یہ گمنام خط موصول ہوا ہے جسے پڑھ کر وہ بے حد پریشان ہو گئی ہے۔"

سرفراز نے پرچہ اس کے ہاتھ سے لیا اور نظریں دوڑائیں .... خاصے شکستہ خط میں لکھا تھا۔

ماہتاب بی بی!

خدا کرے آپ ہمیشہ خوش رہ سکیں۔

کل رات میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ آپ دلہن بنی کھڑی تھیں اور سچ مچ کی حور نظر آتی تھیں' آپ کا چہرہ بہت معصوم تھا۔ آپ کو دیکھ کر

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس لئے کہ آپ کے ساتھ جو آدمی دولہا بنا کھڑا تھا۔ وہ دل کا کالا تھا۔ وہ شخص عمر میں آپ سے بہت بڑا تھا اس کی چندیا گنجی تھی' آنکھیں بھوری اور چمکدار اور ناک طوطے کی چونچ کی طرح نوکیلی تھی۔ اسے بار بار کھانسی اٹھتی تھی اور جتنی بار وہ کھانستا اپنا سیدھا ہاتھ منہ پر رکھ لیتا۔ اس کے ہاتھ کی پشت پر زخم کا بڑا سا نشان تھا۔ بی بی! میں نے اس کے دل میں جھانکا۔ وہاں رحم بالکل نہیں تھا۔ وہاں لکھا تھا یہ شخص ہمیشہ دوسروں کو تکلیف پہنچاتا آیا ہے اس لئے یہ ماہتاب بی بی کو بھی تکلیفیں ہی دے گا۔ اس شخص کے پیچھے ایک شیطان کھڑا ہنس رہا تھا اور اس کے پیچھے ایک فرشتہ کھڑا آپ کی بے بسی پر رو رہا تھا۔ بی بی! اگر آپ خوابوں پر یقین رکھتی ہیں تو میری یہ التجا سن لو کہ اس شخص کی دلہن بننے سے پہلے آپ اس کے کردار کے بارے میں ضرور اطمینان کر لینا۔ یہ بات میں نے اس لئے بتائی ہے کہ آپ کی ماں میری پہلی' آخری اور بہترین دوست تھیں۔"

اس خط کے اختتام پر کوئی نام یا پتہ درج نہ تھا۔ سرفراز کے استفسار پر خوش بخت نے بتایا کہ یہ خط آج کی ڈاک سے موصول ہوا تھا۔ خط پر موجود مہر سے ظاہر تھا کہ یہ خط ٹھٹھہ سے بھیجا گیا تھا۔ مگر بھیجنے والا کون تھا اس کے بارے میں کچھ نہ کہا جا سکتا تھا۔

"مشکل یہ ہے کہ مجھے کوئی مشورہ دینے والا بھی نہیں۔ مرتضٰی چچا کسی کام کے نہیں ان سے تو کوئی بات کرے تو فوراً ہی اپنے مفلوج ہونے کا رونا رونے بیٹھ جاتے ہیں۔" وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے تذبذب کے عالم میں بولی۔ "آپ کے خیال میں یہ مناسب ہو گا کہ پرسوں میں یہ بات ماہتاب کے قانونی مشیر مسٹر جتوئی کے علم میں لے آؤں؟"

"بالکل .... لیکن پرسوں کیوں .... آج ہی کیوں نہیں؟"

"وکیل صاحب حیدر آباد میں رہتے ہیں .... اصل میں بات یہ ہے کہ .... کہ سوموار کو ماہتاب کے منگیتر نواب لغاری شادی کی تاریخ طے کرنے آ رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ان کے آگے پیچھے کوئی نہیں جو یہ تمام معاملات طے کر سکے اس لئے وہ خود ہی

آ رہے ہیں۔ ماہتاب کی سرپرست کی حیثیت سے میں نے مسٹر جتوئی کو بھی بلایا ہے تاکہ وہ اس سنجوگ کے سلسلے میں جائیداد سے متعلق لائحہ عمل مرتب کر سکیں۔"

"ہوں.........." سرفراز نے اس دل دکھانے والے تذکرے پر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "ایک بات بتایئے۔ اس خط میں لکھنے والے نے مس ماہتاب کے ہونے والے شوہر کا جو حلیہ بیان کیا ہے کیا اس بیان میں اور ان میں کچھ یکسانیت نظر آتی ہے؟"

"قطعاً.........! حد یہ ہے کہ نواب عالمتاب لغاری کے دائیں ہاتھ کی پشت پر واقعی زخم کا ایک نشان موجود ہے جس کا تذکرہ لکھنے والے نے اپنے خط میں کیا ہے۔" خوش بخت نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے خط لکھنے والا نواب لغاری سے اچھی طرح واقف ہے .... یہ بتایئے کیا آپ لوگ نواب لغاری سے اچھی طرح واقف ہیں؟"

"اگر آپ کی مراد ان کے کردار سے ہے تو سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے آج تک ان کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں سنی۔"

"خوش بخت صاحبہ! میں کل واپس جا رہا ہوں۔" سرفراز نے اچانک ہی انتہائی دلگیر لہجے میں کہا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ وہ جانتی تھی سرفراز نے جان بوجھ کر موضوع بدل دیا ہے۔ خاموشی گراں گزرنے لگی تو سرفراز اجازت چاہتا مہمان خانے کی جانب چلا گیا۔

"تمہارا چلا جانا ہم سب کے اور خود تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔" خوش بخت نے آپ ہی آپ سوچا اور وہ گمنام خط مٹھی میں دبوچتی واپس مڑ گئی۔

☆======☆======☆

اگلی صبح جب وہ ناشتہ کے بعد قصر چانڈیو کے نزدیک واقع سردار بیگم کے قائم کردہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر سندھو صاحب سے جن سے اس کی باقاعدہ دوستی ہو گئی تھی۔ الوداعی ملاقات کے لئے اسکول پہنچا تو سندھو صاحب ایک بارہ تیرہ سالہ لڑکے کی پٹائی میں مصروف

تھے۔ سرفراز کو دیکھتے ہی انہوں نے چھڑی ایک طرف رکھ دی اور خفت سے بولے۔

"سرفراز صاحب! بہت نالائق لڑکا ہے۔ یہ بچوں کو ڈراتا ہے۔"

"یہ تو خود بچہ ہے' یہ کیا ڈرائے گا۔" سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس نالائق نے ہفتہ بھر سے ان بچوں کو جو قبرستان کے اس پار سے اسکول آتے ہیں پریشان کر رکھا ہے۔ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یہ ان سے کہتا ہے کہ قبرستان میں بھوت ہیں۔"

"کیوں بھئی یہ ٹھیک بات ہے؟" سرفراز نے کان پکڑ کر کھڑے ہوئے لڑکے کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں .... مالکن سردار بیگم کی قبر پر ہم نے خود دیکھے تھے بھوت۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"سردار بیگم کی قبر پر؟" سرفراز چونکا۔

"ہاں سائیں .... دو بھوت تھے۔ ایک بھوت تو بالکل سفید کپڑے پہنے تھا۔"

"کیا؟" سرفراز کا منہ استعجاب سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے سندھو صاحب کی اجازت لئے بغیر ہی بچے کو چمکار کر اپنے پاس بلایا اور کہا۔

"سردار بیگم صاحبہ کی قبر دکھاؤ گے مجھے؟"

بچے نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب سرفراز نے سندھو صاحب کی طرف توجہ کی اور اپنی آمد کا مقصد فراموش کرتے ہوئے بولا۔ "اجازت ہو تو اس بچے کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟"

"خوب! آپ بھی اس نالائق کے چکر میں آ گئے۔"

"نہیں .... یہ بات نہیں ہے سندھو صاحب' میں تو اس بچے کا خوف دور کرنا چاہتا ہوں۔" وہ ان کے نزدیک جھکتے ہوئے سرگوشی میں بولا جب کہ ایسا ہرگز نہ تھا۔

اسی وقت بچے کو اپنے ہمراہ لے کر وہ قبرستان پہنچا جہاں اس نے سردار بیگم کی پختہ قبر کی نشاندہی کی۔ سنگِ مرمر کی اس پختہ قبر کے سرہانے لوحِ مزار نصب تھی۔ سرفراز

نے بغور جائزہ لیا تو اسے یہ دیکھ کر خاصا تجسس ہوا کہ سنگی قبر کے سینے اور پہلوؤں پر گرد جمی ہوئی تھی لیکن لوحِ مزار یوں چمک رہی تھی جیسے کسی نے اسے رگڑ رگڑ کر چمکایا ہو اور سرہانے ادھ جلی اگربتیاں پڑی تھیں۔ لڑکے نے اس کے استفسار پر بتایا کہ اس قبر پر اس نے خود اپنی آنکھوں سے دو بھوت رات کے وقت دیکھے تھے۔ بچے کو تو اس نے سمجھا بجھا کر واپس اسکول بھیج دیا اور خود اپنی سوچوں میں غلطاں قصر چانڈیو چلا آیا۔ اگرچہ اس نے آج ہی واپسی کا ارادہ کر رکھا تھا لیکن اب اس نے اپنی روانگی کل تک کے لئے ملتوی کر دی تھی۔ شام تک وہ اپنا سامان پیک کرنے میں مصروف رہا۔ جھٹپٹا چھاتے ہی اس نے قبرستان کا رخ کیا اور سردار بیگم کی قبر کے نزدیک درختوں کی آڑ میں اس طرح چھپ گیا کہ سردار بیگم کی قبر اس کی نگاہوں کی زد میں رہے۔

جوں جوں اندھیرا بڑھتا گیا اسے قبرستان کی ویرانی اور خاموشی سے خوف محسوس ہونے لگا۔ مگر تجسس نے اس کے قدم پکڑ رکھے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ قبرستان میں جا بجا لیمپ پوسٹ روشن تھے۔ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے اس نے قدموں کی آہٹ سنی جو لحہ بہ لحہ نزدیک تر ہوتی گئی۔ دو عورتیں دھیرے دھیرے سردار بیگم کی قبر کے نزدیک آتی نظر آئیں۔ قبرستان میں پھیلی مدقوق روشنی میں سرفراز نے دیکھا۔ انہوں نے چادروں سے اپنے جسم ڈھانپ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک سر تا پا سفید چادر میں لپٹی ہوئی تھی اور دوسری نے پھولدار چادر سے جسم ڈھانپ رکھا تھا۔ قبر کے نزدیک پہنچ کر ان دونوں نے چہروں پر سے چادریں ہٹائیں تو سرفراز یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ ان میں سے ایک وہی لڑکی تھی جو اسے قصر چانڈیو آنے سے ایک رات قبل ملی تھی۔

"بیٹی! تُو آرام سے اپنا کام کر لے' میں پیر صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھ آؤں۔" دوسری عورت نے جو چہرے سے عمر رسیدہ نظر آتی تھی' اس لڑکی سے کہا۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کے جانے کے بعد چادر اتار کر ایک طرف رکھ دی۔ اس نے آج بھی سر تا پا سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ اس نے سر گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا جیسے یہ یقین کر لینا چاہتی ہو کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا اور پھر قبر کے سرہانے بیٹھ کر اس

نے اپنے دوپٹے کے پلو میں بندھی ہوئی کوئی چیز کھولی اور چند لمحوں بعد ہی ماچس کی تیلی کا شعلہ لپکا۔ سرفراز کے لئے یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ وہ اس وقت اگربتی سلگانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن تیلی جلد ہی بجھ گئی اس نے دوسری تیلی سلگائی' پھر تیسری اور چوتھی یہاں تک کہ وہ ہواؤں کی تندی کے باوجود اگربتی سلگانے میں کامیاب ہو گئی۔ اسے سرہانے لگانے کے بعد اس نے اپنے دوپٹے کا آنچل ہاتھ میں سمیٹا اور لوحِ مزار رگڑ رگڑ کر صاف کرنی شروع کر دی۔ وہ بار بار اسے چومتی بھی جاتی تھی اور آپ ہی آپ جانے کیا کیا بول بھی رہی تھی۔ سرفراز درختوں کی آڑ سے نکلا اور دبے پاؤں اس کے عقب میں جا کھڑا ہوا لیکن اس نے آہٹ سن ہی لی وہ چونک کر پلٹی اور سہم سی گئی۔

"ڈرو نہیں' میں تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں .... کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا چاند بی بی؟" سرفراز نے اپنائیت سے کہا۔

"تم کو میرا نام کس نے بتایا؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"پتہ چل ہی گیا کسی نہ کسی طرح' خیر یہ بتاؤ تم مجھے پہچانیں یا نہیں؟"

"بابا! آپ نے میری مدد کی تھی مجھے یاد ہے .... مگر.......... آپ ادھر کیسے؟"

"میں قصر چانڈیو میں ماہتاب بی بی کو تصویریں بنانا سکھاتا ہوں۔"

"قصر چانڈیو! کاش میں ادھر جا سکتی .... سائیں! آپ تو بہت خوش ہوں گے وہاں؟ ماہتاب بی بی کیسی ہیں؟"

"کل سے بہت پریشان ہیں؟"

"کیوں؟"

"تم نے انہیں ایسا خط جو لکھ بھیجا۔"

"نہیں .... میں نے .... میں نے کوئی خط .... نہیں لکھا۔" وہ اٹکتے ہوئے بولی۔

سرفراز نے جو تیر اندھیرے میں چھوڑا تھا نشانے پر جا لگا تھا۔ وہ پُر یقین لہجہ میں بولا۔ "غلط بات مت کرو' تم نے انہیں خط لکھا ہے۔ مگر یوں گمنام خط لکھ کر کسی کو پریشان

کر دینا اچھی بات نہیں۔ اگر تمہیں ان کے ہونے والے شوہر کے بارے میں کوئی بات معلوم ہے تو اتنی جرأت پیدا کرو کہ انہیں صورتِ حال سے زبانی طور پر آگاہ کر دو' جو کچھ تم جانتی ہو انہیں بتا دو' یہ تو نیک کام ہو گا۔"

"نہیں .... نہیں.........." وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

"کیا تم ماہتاب بی بی کو مصیبت میں دیکھ کر خوش ہو گی؟"

"نہیں.........." اس نے یوں کہا جیسے شدید تکلیف میں مبتلا ہو اور دیوانہ وار سردار بیگم کی قبر پر نصب کتبہ چومتے ہوئے بولی۔ "میں کیا کروں مالکن! .... میں کیا کروں..........؟ اس ظالم سے میں ماہتاب بی بی کو کیسے بچاؤں؟ .... میں ماہتاب بی بی کو وہ راز کیسے بتاؤں جو میری ماں نے مجھے بتایا تھا۔"

"رونے سے کچھ فائدہ نہیں۔" سرفراز نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

مگر وہ بدستور روئے جا رہی تھی۔

"دیکھو چاند بی بی! اگر تمہیں لغاری کے بارے میں کوئی بات معلوم ہے جو ایسی ویسی ہ تو تمہیں وہ بات ضرور ماہتاب بی بی یا ان کی بہن کو بتا دینی چاہئے۔ اس سے پہلے کہ ان کی شادی کی تاریخ طے ہو تمہارا ان سے مل لینا بہت ضروری ہے۔ نواب لغاری سوموار کو تاریخ طے کرنے آ رہے ہیں۔"

جونہی سرفراز نے آخری جملہ ادا کیا چاند بی بی کا چہرہ وحشتوں میں ڈوب گیا اور وہ ہذیانی انداز میں چلا کر بولی۔

"نہیں .... نہیں .... اسے نہیں آنا چاہئے۔"

عین اسی لمحہ چاند بی بی کے ساتھ آنے والی عورت واپس آتی نظر آئی چاند بی بی کے چلانے کی آواز سن کر وہ تیزی سے لپکی اور ان کے نزدیک آ کر سرفراز کو گھورتے ہوئے بولی۔

"شرم نہیں آتی قبرستان میں لڑکی کو تنگ کرتے ہو۔"

"میں نے انہیں پریشان نہیں کیا' تم ان سے پوچھ سکتی ہو۔"

عورت نے چاند بی بی کی جانب استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ بولی۔ "اماں یہ وہی ہیں جنہوں نے میری مدد کی تھی۔"

"سائیں! میرے کو معاف کرنا' میں غلط سمجھی تھی۔" عورت نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔"

"اماں! ہم لوگوں کو جلدی واپس ہو جانا چاہئے وہ منحوس آدمی سوموار کو شادی کی تاریخ طے کرنے آ رہا ہے۔" چاند بی بی کے چہرے پر خوف و ہراس کی پرچھائیاں تھیں۔

اس کی بات سن کر بڑی بی گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔ "سائیں وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس نے تو میری بچی کو خواہ مخواہ پاگل خانے میں ڈال دیا تھا۔"

چاند بی بی نے چادر اٹھائی اور چادر اوڑھتے ہوئے بہت عجلت میں بولی۔ "چلو اماں جلدی چلو۔"

جانے سے قبل اس نے جھک کر سردار بیگم کی لوحِ مزار چومی اور سرفراز کی طرف دیکھ کر بولی۔ "اچھا سائیں! ابھی ہم لوگ جاتے ہیں۔"

لیکن ان کے جانے سے قبل سرفراز نے پوچھا۔

"آپ لوگ رہتی کہاں ہیں؟"

"سائیں! ہم لوگ ادھر نہیں رہتے' ہم تو ٹھٹھہ سے آئے ہیں اور ادھر اپنے ایک رشتہ دار کے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔" بڑی بی نے کہا۔

کیا آپ مجھے اپنا پتہ بتانا پسند کریں گی؟"

"اماں! ادھر سے جلدی چلو' وہ آ رہا ہے۔" چاند بی بی بے حد خوفزدہ نظر آتی تھی۔

سرفراز نے ان کا پتہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی مگر انہوں نے کچھ نہ بتایا اور چلی گئیں۔

اس رات سرفراز قصر چانڈیو واپس ہوا تو خوش بخت کو اپنا منتظر پایا۔

"آج آپ کہاں چلے گئے تھے؟" خوش بخت نے استفسار کیا۔

سرفراز نے اپنی مصروفیت کا احوال من و عن اسے سنا دیا اور بولا۔ "خوش بخت صاحبہ! اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہنے کی جسارت کروں؟"

"جی!"

"میں جانتا ہوں کہ مجھے آپ کے نجی معاملات میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں لیکن جو دن میں نے یہاں گزارے ہیں اور جس اپنائیت سے آپ نے مجھے ایک فردِ خاندان کا سا رتبہ دینے کی کوشش کی اس کا تقاضا ہے کہ میں آپ سے برملا وہ بات کہہ دوں جو میرے ذہن میں ہے.........." اتنا کہہ کر وہ لمحہ بھر کو تھما پھر بولا۔ "چاند بی بی سے میری دو ملاقاتیں ہوئیں۔ پہلی ملاقات ہی میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی شخص سے بے حد خوفزدہ تھی لیکن وہ شخص کون تھا یہ اس نے نہیں بتایا لیکن آج کی ملاقات کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ شخص بلاشبہ نواب لغاری ہی ہے۔ اس کی ماں کا یہ کہنا ہے کہ نواب لغاری نے چاند بی بی کو پاگل خانے میں ڈال رکھا تھا لیکن کیوں؟ یہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ بہرحال ان حالات کی روشنی میں نواب لغاری کی شخصیت قدرے مشکوک قرار پا جاتی ہے۔"

خوش بخت انہماک سے سنتی رہی۔

قدرے توقف سے سرفراز نے پھر کہا۔ "مجھے ڈر ہے آپ یہ نہ سوچ رہی ہوں کہ خدانخواستہ میں آپ کو خواہ مخواہ ورغلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"یہ بات نہیں سرفراز صاحب! مجھے انسانوں کی تھوڑی بہت پرکھ آتی ہے۔" پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں ہرگز ایک مشکوک کردار والے شخص کے ہاتھ میں اپنی بہن کا ہاتھ نہیں تھماؤں گی۔ نواب لغاری آ جائیں میں انہیں تاریخ دینے سے پہلے ان کے بارے میں اپنی تشفی کی ہر ممکن کوشش کروں گی اپنے بارے میں مجھے مطمئن کرنے کے بعد ہی وہ میری بہن کا ہاتھ تھام سکیں گے۔ یہ بتایئے چاند بی بی کہاں مل سکتی ہے؟"

"میرے اصرار کے باوجود انہوں نے اپنا پتہ نہیں دیا۔ چاند بی بی کی ماں نے بتایا تھا کہ وہ یہاں اپنے ایک عزیز کے ہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ میں چاہتا تو ان کا پیچھا کر سکتا تھا مگر

اس طرح آئندہ کے لئے مجھ پر ان کا اعتماد متزلزل ہو جانے کا خطرہ تھا۔"

"اوہ........." خوش بخت نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ پھر وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "بہر حال نواب کو میری تشفی کرنی ہو گی۔"

"خدا کرے آپ اور مس ماہتاب اس بحران سے بخیر و خوبی نکل سکیں۔" سرفراز نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اٹھتے ہوئے بولا۔ "کل اتوار ہے' میں کل صبح جا رہا ہوں۔"

خوش بخت کچھ نہیں بولی۔ وہ کہتی بھی کیا اس نے خود ہی سرفراز سے جانے کو کہا تھا۔

اگلی صبح جب وہ ناشتہ کی میز پر پہنچا تو دونوں بہنیں ناشتہ پر اس کی منتظر تھیں۔ ماہتاب کے چہرے پر بکھری اداسی گواہ تھی کہ خوش بخت اسے سرفراز کے قصر چانڈیو سے جانے کی بابت مطلع کر چکی تھی۔ ناشتہ کے دوران وہ تینوں ہی خاموش رہے۔ وہ بے حد دل گرفتہ نظر آتا تھا اس کی نگاہیں چپکے چپکے بار بار ماہتاب کے صبیح و ملیح چہرے پر جا پڑتیں جو نظریں جھکائے اداس بیٹھی تھی۔

وہ ابھی تک ڈائننگ ہال ہی میں تھے کہ ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ اس کا اسباب گاڑی میں رکھا جا چکا ہے۔ اسباب اس کے ساتھ تھا ہی کیا لیکن خوش بخت کی ہدایت پر منشی رحیم داد نے اسے کراچی جانے والی بسوں کے اڈے تک گاڑی سے پہنچانے کا اہتمام کیا تھا وہ ملازم کے اطلاع دیتے ہی کھڑا ہوا اور بولا۔

"اچھا جی خدا حافظ! مجھے امید ہے خوش بخت صاحبہ آپ مجھے خط لکھنے کی زحمت ضرور فرمائیں گی۔"

"ضرور......... میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی سرفراز صاحب! آپ کے خلوص اور ہمدردیوں کے لئے میں آپ کی تہہ دل سے مشکور ہوں اور اگر ہمیں......... میرا مطلب ہے ہم دونوں بہنوں کو کبھی کسی ہمدرد اور غمگسار کی ضرورت پڑی تو ہم آپ ہی کو زحمت دیں گے۔"

"خدا حافظ........." اس نے خوش بخت سے کہا۔ پھر وہ ماہتاب کی جانب مڑتے ہوئے آزردگی سے بولا۔ "خدا حافظ مس ماہتاب۔"

اور تیزی سے ہال سے باہر نکل گیا لیکن ابھی وہ راہداری ہی میں تھا کہ اسے عقب سے گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔ "خدا حافظ۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا ماہتاب بہت اداس بے حد دل گرفتہ کھڑی تھی۔ خوش بخت شاید جان بوجھ کر ہال ہی میں رک گئی تھی۔ شاید جدائی کے آخری لمحوں میں وہ ان کے درمیان حارج نہیں ہونا چاہتی تھی۔ شاید اسے یقین تھا کہ ان کے درمیان اتنی اونچی فصیلیں ہیں کہ وہ چاہیں بھی تو ان فصیلوں کو نہیں گرا سکتے۔

سرفراز چند قدم پلٹنے کے بعد ماہتاب کے نزدیک آیا اور بوجھل لہجہ میں بولا۔

"ماہتاب! میرے اور آپ کے راستے بہت مختلف ہیں لیکن میرا وعدہ ہے کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر اگر آپ نے مجھے یاد کیا تو میں بلا تامل حاضر ہو جاؤں گا۔ اپنی تمام زندگی کے عوض بھی اگر میں آپ کو لمحہ بھر کی خوشی فراہم کر سکا تو دریغ نہ کروں گا۔"

ماہتاب کی آنکھیں بھر آئیں اس کے عارض تر ہو گئے۔

"اب میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی یہی ہے کہ آپ خوش رہ سکیں خدا کرے آج کے بعد پھر کبھی آپ کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں .... اچھا......... خدا حافظ۔"

وہ مڑا اور چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔ طویل راہداری کے اختتام پر اس نے مڑ کر الوداعی نظر اپنی پہلی' آخری اور سچی محبت پر ڈالی اور باہر جانے والے راستے پر مڑ گیا۔

☆======☆======☆

اسی دن سہ پہر کے وقت جائیداد کے سلسلے میں ماہتاب کے قانونی مشیر جتوئی صاحب حیدر آباد سے قصر چانڈیو پہنچے۔ جہاں تک جائیداد کا تعلق تھا سردار مصطفیٰ علی چانڈیو کی وصیت کے مطابق ماہتاب کے نام چھوڑی جانے والی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد میں قصر چانڈیو کے علاوہ کراچی میں قصر ماہتاب اور اسلام آباد میں قصر جہاں تاب بیگم جیسی عالیشان

کوٹھیاں' ٹھٹھہ اور اس کے نواح میں وسیع رقبہ زرعی اراضی' بینک میں موجود نقد رقم' زیورات' جواہرات اور نوادرات کے علاوہ بیرون ملک انگلستان میں دو مکانات اور فرانس کے ایک بینک میں خطیر رقم شامل تھی۔ سردار صاحب کی وصیت کے مطابق ماہتاب اس جائیداد کو استعمال میں لا سکتی تھی اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو جہاں اور جس طرح چاہتی خرچ کر سکتی تھی لیکن وہ جائیداد کا کوئی حصہ فروخت کرنے کی مجاز نہ تھی۔ اکیس سال کی عمر کو پہنچنے پر اسے کراچی کے ایک بینک میں موجود پچاس لاکھ روپے کی رقم کے بارے میں کامل حقوق حاصل ہو جانے تھے اس رقم کو اکیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد وہ جسے چاہے دے سکتی تھی یا جس طرح چاہتی خرچ کر سکتی تھی۔ شادی کے بعد اس کا ہونے والا خاوند بھی اس کے حوالے سے جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی سے استفادہ کر سکتا تھا لیکن اس کا انحصار ماہتاب پر تھا۔ خدا نخواستہ ماہتاب کی موت کی صورت میں یہ تمام مفادات اس کی اولاد کو حاصل ہو جانے تھے لیکن اگر وہ لاولد رہتی تو اس کی موت کے بعد جائیداد کی وارث خوش بخت قرار پاتی۔

علاوہ ازیں بیس لاکھ روپے کی خطیر رقم مشروط حالت میں کراچی کے ایک بینک میں سردار چانڈیو نے چھوڑی تھی۔ اصل میں یہ سردار چانڈیو کے والد کی جانب سے ترکہ میں چھوڑی جانے والی ایک مشروط رقم تھی ان کے والد کی وصیت کے مطابق یہ رقم سردار چانڈیو کی بہن بے نظیر چانڈیو کو شادی کے بعد ملنا تھی۔ بے نظیر بچپن ہی سے اپنے ایک عم زاد سے منسوب تھی لیکن خاندانی رسوم سے بغاوت کر کے بے نظیر نے آکسفورڈ میں اپنے زمانۂ طالب علمی کے دوران ایک ایرانی نژاد نوجوان سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد جب وہ پاکستان آئی تو سردار مصطفیٰ علی چانڈیو نے علی الاعلان کہہ دیا کہ اب وہ صرف ایک ہی صورت میں ان سے مل سکتی ہے اور وہ یہ کہ اسے اپنے خاوند کو چھوڑنا ہو گا۔ نہ صرف یہ بلکہ بیس لاکھ روپے کی وہ رقم جس کے بارے میں باپ کی وصیت کے مطابق کلی اختیارات انہی کو حاصل تھے بطور پاداش سردار چانڈیو نے اس رقم سے حاصل ہونے والے منافع کی حقدار بھی ماہتاب ہی کو قرار دے دیا۔ بے نظیر یہ رقم یا اس سے حاصل

ہونے والا منافع صرف دو صورتوں میں حاصل کرنے کی مجاز تھی یا تو وہ اپنے خاوند کو چھوڑ دیتی یا پھر خدا نخواستہ ماہتاب اس سے پہلے مر جاتی۔

جتوئی صاحب کے آنے پر خوش بخت نے جو موجودہ صورتِ حال کے پیش نظر خاصی ہراساں اور بے چینی سے ان کی منتظر تھی۔ ان کے آتے ہی گزشتہ دنوں پیش آنے والے واقعات من و عن ان کے گوش گزار کر دیئے۔ انہوں نے سنا اور سن کر بولے۔

"بہتر یہی ہو گا کہ آپ نواب صاحب کے آنے پر بلا تامل ان کے بارے میں اپنی تشفی کی ہر ممکن کوشش کریں بلکہ مناسب ہو گا کہ آپ وہ خط بھی انہیں دکھا دیں۔"

"بہتر ہے......... اب آپ یہ بتایئے نواب صاحب کو آپ نے جائیداد کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا؟"

"جی ہاں' آپ کی ہدایت کے بموجب میں نے نواب صاحب کو ماہتاب بی بی کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے مجھے لکھا کہ اس قسم کے معاملات میں مجھے ان کے وکیل سے رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے وہ تمام تفصیلات ان کے وکیل کو بھجوا دیں اس کے جواب میں ان کے وکیل نے اور کسی چیز کے بارے میں تو کچھ نہ کہا البتہ پچاس لاکھ روپیہ کی رقم جو اگلے موسم بہار میں مس ماہتاب کو ملے گی اور وہ اس کی واحد مالکہ ہوں گی۔ اس کے بارے میں نواب صاحب کے وکیل نے کہا کہ اس وقت تک مس ماہتاب' بیگم لغاری بن چکی ہوں گی اس لئے ان پچاس لاکھ روپوں کے بارے میں بھی یہ طے ہو جانا چاہیئے کہ شادی کے بعد خدا نخواستہ ماہتاب صاحبہ کے اپنے خاوند سے پہلے فوت ہو جانے کی صورت میں یہ رقم نواب لغاری کو ملے۔" جتوئی صاحب نے بتایا۔

"خدا کی پناہ.........! لوگ کس قدر خود غرض ہیں کہ انسان سے زیادہ پیسے کے بارے میں متفکر ہیں۔ بھلا بتایئے تو ماہتاب صرف بیس سال کی ہے جب کہ نواب لغاری نے حال ہی میں اپنی چالیسویں سالگرہ منائی ہے۔ خدا نخواستہ بُری گھڑی آئی بھی تو بلحاظِ عمر پہلے انہی کے سدھارنے کا امکان ہے مگر دولت کی ہوس شاید عقل اور منطق کے سارے

راستے بند کر دیتی ہے .... خیر آپ بتایئے وکیل صاحب! آپ کی کیا رائے ہے اس بارے میں؟ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ آپ اس ضمن میں نواب صاحب سے براہِ راست بات کرلیں؟"

"میں نے ان سے رابطہ قائم کیا تھا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ تمام اختیارات اپنے وکیل کو سونپ چکے ہیں اور وہ براہِ راست ہرگز کوئی بات سننا پسند نہیں کریں گے۔"

"پھر.........؟" خوش بخت کا لہجہ تشویشناک تھا۔

"یہ خاصی پریشان کن صورتِ حال ہے جبکہ میں باوثوق ذرائع سے یہ بھی معلوم کر چکا ہوں کہ نواب لغاری لاکھوں کے قرض کے تلے دبے ہوئے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا!" خوش بخت نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"آپ یقین کیجئے خوش بخت صاحبہ! اگر میری اپنی بیٹی کی شادی اس قسم کی صورت حال میں ہو رہی ہوتی تو میں ہرگز کسی ایسی شرط کے تحت اپنی بیٹی کی شادی نہ کرتا۔ میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ کم از کم زندگی کا بندھن خلوص نیت کے ساتھ بغیر کسی لالچ' دباؤ یا شرط کے طے ہونا چاہیے۔"

"کیا کیا جا سکتا ہے جتوئی صاحب! مجبوری یہ ہے کہ سردار صاحب نے بستر مرگ پر یہ رشتہ طے کیا تھا۔ ماہتاب کو ان سے اس قدر پیار تھا کہ شاید انہوں نے اس سے سولی پر لٹک جانے کو کہا ہوتا تو وہ بلا تامل سر جھکا دیتی۔" خوش بخت نے کہا۔

"بہرحال میں نے آپ کو صورت حال سے مطلع کر دیا ہے۔ نواب صاحب غالباً کل پہنچ ہی رہے ہیں۔ آپ ان سے بلت چیت کر لیں پھر جو بات طے پائے مجھے مطلع فرما دیں۔ میں قانونی دستاویز تیار کر دوں گا۔ اصل معاملہ ان پچاس لاکھ روپوں ہی کا ہے۔"

"بہتر!"

تب ہی ملازم چائے اور دیگر لوازمات لے آیا۔ چائے کے بعد جتوئی صاحب نے اجازت چاہی۔

☆======☆======☆

اگلے دن نواب لغاری' دو ملازموں کے ہمراہ بڑی آن بان سے قصرِ چانڈیو پہنچے۔ نواب لغاری اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ ان کے والدین ان کی پیدائش سے قبل ہی یورپ جا کر مقیم ہو گئے۔ نواب لغاری انگلستان میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ والدین کے انتقال کے بعد وہ وطن واپس آ گئے۔ کراچی میں قصر ماہتاب سے ملحق موتی محل میں رہا کرتے تھے۔ سردار چانڈیو سے ان کی بڑی دوستی تھی۔ سردار صاحب جب کراچی آتے تو زیادہ تر وقت نواب لغاری کے ساتھ گزارتے۔ نواب لغاری کے سیاسی نظریات اور آزاد خیالی سے سردار چانڈیو اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ بستر مرگ پر انہوں نے ماہتاب جیسی کومل لڑکی کا ہاتھ نواب لغاری جیسے گھاگ آدمی کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

یوں تو نواب لغاری پہلے بھی قصر چانڈیو آتے رہتے تھے لیکن ماہتاب سے منگنی کے بعد وہ کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گئے تھے۔ ماہتاب ان کے آنے کی خبر سن کر مارے شرم کے اپنے کمرے میں چھپ جاتی مگر وہ اپنی آزاد خیالی کے قصیدے پڑھتے اس کے کمرے میں گھس جاتے اور کہتے۔

"مائی ڈیئرینگ لیڈی! .... منگنی کے پُر سحر حصار میں رقصاں جوڑے کے لئے ضروری ہے کہ وہ منگنی سے شادی تک کے وقفے کو رومان پرور بنانے کے لئے حتی الامکان کوششیں کرے۔ ویسے بھی میں انگلستان کا پروردہ ہوں مجھے یہ شرم و حیا قطعاً پسند نہیں۔"

ان کی اس قسم کی باتوں پر ماہتاب شرم سے دوہری ہو جاتی۔

اس بار قصر چانڈیو پہنچنے پر انہوں نے برملا اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ جلد از جلد شادی کے خواہاں ہیں۔ ان کی اس بات پر خوش بخت نے بڑی رسانیت سے کہا۔

"نواب صاحب! مجھے آپ کی خواہش کا احترام ہے۔ ماہتاب آپ ہی کی ہے لیکن........." وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"لیکن کیا؟" نواب صاحب کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

ان کے استفسار پر خوش بخت نے گزشتہ دنوں پیش آنے والے واقعات کا ذکر کر دیا۔ نواب صاحب نے بڑی خاموشی سے سب کچھ سنا پھر خوش بخت کے خاموش ہو جانے پر بولے۔

"چاند بی بی نے ماہتاب کو اور آپ کو دیکھا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا آپ کے پاس ماہتاب کے ڈرائنگ ٹیچر مسٹر سرفراز کا پتہ ہے؟"

"جی ہاں۔" خوش بخت نے جواب دیا اور نواب صاحب کے کہنے پر سرفراز کا پتہ انہیں نوٹ کروا دیا۔

"چاند بی بی کی بابت آپ کو کچھ نہیں معلوم کہ وہ ان دنوں کہاں ہیں؟"

"جی نہیں مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"ہوں..........." نواب صاحب نے ایک گہری سانس لی پھر قدرے توقف سے بولے۔ "مجھے یقین ہے میں آپ سے جو کچھ کہوں گا آپ اس پر یقین کریں گی۔"

"جی۔"

"بات یہ ہے خوش بخت صاحبہ! کہ چاند بی بی ہماری ایک خاندانی ملازمہ زینت کی بیٹی ہے۔ یہ لڑکی ذہنی طور پر مفلوج ہے اس کی طرف سے زینت ہمیشہ پریشان رہا کرتی تھی کیونکہ وہ اکثر گھر سے باہر دیوانہ وار نکل جایا کرتی تھی۔ زینت کو ہمیشہ یہی خطرہ رہتا تھا کہ اسے کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے چنانچہ اس کی مستقل پریشانی کے پیش نظر میں نے اسے مشورہ دیا کہ اس لڑکی کو کسی دماغی ہسپتال میں داخل کرا دیا جائے لیکن زینت یہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی کسی سرکاری ہسپتال میں داخل نہ ہو۔ چنانچہ میں نے زینت کی خدمات کا پاس رکھتے ہوئے اس کی بیٹی کو اپنے اخراجات پر ایک پرائیویٹ ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ زینت میری بے حد شکرگزار ہوئی لیکن چاند بی بی کے دل میں میرے خلاف نفرت کا لاوا پکنے لگا۔ اس کے خیال میں' میں نے اسے خواہ مخواہ ہی ہسپتال میں داخل کر دیا تھا۔ میرے خلاف نفرت کا اظہار وہ اکثر اپنے معالج سے بھی کیا کرتی تھی۔ ایک رات موقع

ملنے پر وہ وہاں سے بھاگ نکلی۔ ہسپتال کے منتظم نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ہسپتال سے فرار ہونے کے بعد اسے کسی طرح یہ معلوم ہوا ہو گا کہ میری شادی ماہتاب سے ہو رہی ہے چنانچہ اس نے انتقاماً ماہتاب کو مجھ سے بدگمان کرنے کی خاطر یہ کھیل کھیلا۔" اتنا کہہ کر نواب صاحب لمحہ بھر کو تھمے پھر انہوں نے کہا۔ "اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو آپ اس کی ماں زینت کو خط لکھ کر اس کی تصدیق کروا سکتی ہیں۔"

"نہیں .... میں سمجھتی ہوں کہ آپ کی وضاحت کے بعد کسی قسم کی تصدیق کی ضرورت نہیں۔"

"یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے لیکن میری خواہش ہے کہ آپ اپنا اطمینان کر لیں' آپ کی تشفی چاند بی بی کی ماں ہی کر سکتی ہے۔" نواب لغاری نے کہا۔

"نواب صاحب! میں نے عرض کیا نا اس کی ضرورت نہیں۔ شرفاء اپنے معاملات دیواروں کے بیچ طے کرتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی .... میں بہرحال آپ کی تشفی کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے کو تیار ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ جب دو خاندان باہم ملیں تو ان کے درمیان کوئی خدشہ حائل ہو۔"

"مجھے شرمندہ مت کیجئے نواب صاحب! دراصل ماہتاب مجھے اتنی عزیز ہے کہ.........." اس کی آواز رندھ گئی۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"تو کیا میں یہ سمجھوں کہ شادی کی تاریخ طے کرنے میں اب کوئی رکاوٹ نہیں؟" نواب صاحب بولے۔

"یقیناً۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

اسی دن خوش بخت نے جتوئی صاحب کو فون پر ہدایت دی کہ وہ پچاس لاکھ روپوں کی بابت وکیل صاحب کی مرضی کے مطابق دستاویز تیار کر کے انہیں اس کی نقل ارسال کر دیں۔

اس رات .... کھانے کے بعد جب ماہتاب چہل قدمی کے لئے باغ کی طرف

نکلی تو نواب صاحب بھی اس کے پیچھے پیچھے جا پہنچے۔ چاند تاروں کی سحر انگیز روشنیوں تلے انہوں نے دھیرے سے ماہتاب کو پکارا وہ چونک کر پلٹی اور انہیں دیکھ کر سر جھکا لیا۔

"کیا بات ہے ماہتاب! اس مرتبہ میں تمہیں بجھا بجھا سا پا رہا ہوں۔ تم نے اس بار پہلے کی طرح مسکرا کر میرا استقبال نہیں کیا۔"

اسے نواب صاحب کی قربت سے کراہت سی آنے لگی۔ آن کی آن اس کے تصور میں اس نرم رو' نرم گفتار اور مہذب شخص کی تصویر ابھر آئی جس کی نگاہوں نے اسے محبت کے معنی بتائے تھے۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔ دل مرغِ بسمل کی طرح تڑپا تو زبان آپ ہی آپ تمام پابندیاں توڑ گئی۔

"مجھے اس تبدیلی کا اعتراف ہے اور یہ تبدیلی ایسی ہے کہ آپ مجھ سے ناتہ توڑ لینے میں حق بجانب ہوں گے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"میں .... آپ سے ناتہ توڑوں یہ قطعاً ناممکن ہے آپ تو میرے لئے زندگی کا پیغام ہیں۔ تاہم میں اس تبدیلی کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا۔"

وہ ہچکچائی لیکن پھر اس نے جرأت کر ہی لی اور بولی۔ "نواب صاحب! جب بابا جان نے میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیا تو میرے دل کے نہاں خانے اَن چھوئے تھے چنانچہ میں نے ان کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ محبت کیا ہوتی ہے .... کیسے ہوتی ہے؟ .... یہ .... یہ بھید مجھ پر حال ہی میں کھلا ہے۔ آپ کی آزاد خیالی اور وسیع النظری کے پیش نظر مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں.........."

کہتے کہتے رک گئی پھر اس نے چند ثانیوں کے توقف سے کہا۔ "خدا گواہ ہے اس کے اور میرے درمیان کبھی کوئی بات نہیں ہوئی اس نے کبھی کسی قسم کا اظہار نہیں کیا نہ ہی میں کچھ کہنے کی جرأت کر سکی۔ مگر محبت .... محبت تو اس شگوفے کی مانند ہے جو زمین کی تمام تر سخت پرتیں توڑ کر سر باہر نکالتا ہے۔ اس کے اور میرے درمیان اس قدر فاصلے ہیں کہ ہم ساری زندگی نہیں مل سکتے۔ مگر میرا ایمان ہے کہ محبت اتصال کا نہیں ذہنی اور روحانی ہم آہنگی کا نام ہے۔ میں نے آپ کو اپنی زندگی کا ایک اہم ترین راز بتا دیا ہے؟

میں چاہتی' تب بھی اس راز کو آپ سے نہ چھپا پاتی۔ میں سمجھتی ہوں اس جرم کی پاداش میں آپ مجھ سے ناتہ توڑ لینے میں حق بجانب ہوں گے۔"

نواب لغاری چند لمحے سوچتے رہے پھر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"تمہارے اس اعتراف نے میری نظروں میں تمہاری عزت و توقیر ہزار گنا بڑھا دی ہے۔ اب صرف اجل کا ہاتھ ہی مجھے تم سے دور لے جا سکتا ہے تم میری ہو میری رہو گی۔"

ماہتاب کا دل ڈوب کر رہ گیا۔ اب فرار کے تمام راستے مسدود تھے وہ اپنے ہاتھوں میں منہ چھپاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ نواب صاحب اسے تھپکتے رہے۔

اسی رات جب خوش بخت حسب معمول اس کی پیشانی چوم کر شب بخیر کہنے اس پر جھکی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"آپا! خدا کے واسطے کچھ کیجئے۔"

"میری جان! حوصلہ کرو۔" خوش بخت نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

اگلے دن نواب لغاری اور خوش بخت نے باہم مل کر تاریخ طے کر لی۔

اور مہینہ بھر بعد ایک سرمئی سی شام ماہتاب چانڈیو' بیگم لغاری بن گئی۔

قصر چانڈیو سے رخصت ہوتے وقت اس نے شکست خوردہ لہجہ میں بہن سے کہا۔

"آپا! آپ جب بھی اسے خط لکھیں میرے بارے میں ہمیشہ یہی لکھیں کہ میں خوش ہوں۔ اسے کبھی یہ نہ لکھیں کہ میں ناخوش اور سوگوار ہوں۔"

☆======☆======☆

شادی کے بعد ماہتاب نواب صاحب کے ہمراہ ہنی مون منانے یورپ چلی گئی۔
جانے سے پہلے نواب صاحب نے اپنے وکیل کو چند ضروری ہدایات دیں جن میں سے ایک چاند بی بی کی تلاش اور دوسری سرفراز کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے سے متعلق تھی۔ ان کی روانگی کے وقت جب خوش بخت نے ان سے واپسی کی بابت پوچھا تو انہوں نے ایک ڈیڑھ ماہ میں واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن ایک ڈیڑھ ماہ کے بجائے وہ پورے پانچ ماہ باہر رہے۔ اس دوران خوش بخت اور ماہتاب کے درمیان خط و کتابت جاری رہی۔ خوش بخت کے لئے اس کے خطوں سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ وہ کچھ زیادہ خوش نہ تھی۔ یورپ کے رنگین اور روشن شہر بھی اسے خوش نہ رکھ سکے تھے۔ اپنے ہر خط میں وہ نواب صاحب کا تذکرہ اس طرح کرتی جیسے وہ اس کے جیون ساتھی نہ ہوں محض ایک اجنبی ہمسفر ہوں جن سے اس کا ساتھ وقتی اور ناپائیدار ہو۔

اپنے ایک خط میں ماہتاب نے لکھا تھا۔

"لندن میں بے نظیر آنٹی اپنے خاوند کے ہمراہ ہم سے ملیں ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان کے شوہر آقائی بہروز شیرازی سے نواب صاحب کی دوستی بڑی پرانی ہے۔ آقائی شیرازی نے بہت پہلے ایک دفعہ نواب صاحب کو دو گوروں کے حملے سے بچایا تھا۔ نواب صاحب کہتے ہیں اس واقعہ کی دو یادگاریں ہیں ایک آقائی شیرازی اور دوسرا زخم کا وہ نشان جو ان کے دائیں ہاتھ کی پشت پر موجود ہے۔"

اس خبر نے خوش بخت کو خاصا اطمینان بخشا' اس کے خیال میں آقائی شیرازی اور

نواب صاحب کے مابین دوستی یقیناً پھوپھی کی بھتیجی سے ناراضگی اور بدگمانی کا مداوا ہو سکتی تھی۔

ماہتاب کی شادی کے بعد خوش بخت نے سرفراز کو دو تین خطوط لکھے تھے جن کا سرفراز نے بھی جواب دیا تھا۔ اپنے ایک خط میں اس نے لکھا تھا کہ گزشتہ چند ہفتوں سے اسے یوں لگ رہا ہے جیسے ایک شخص سایہ کی طرح اس کا تعاقب کرتا رہتا ہے۔ ماہتاب کی شادی کو چوتھا مہینہ تھا کہ سرفراز نے ایک خط کے ذریعے خوش بخت کو اطلاع دی کہ وہ خلیج کی ایک ریاست کے حکمران کی دعوت پر' جنہیں اس نے کراچی میں ان کی آمد کے موقع پر ان کی ایک تصویر پیش کی تھی بیرون ملک جا رہا ہے جہاں وہ ریاست کے حکمران کے محل اور دفتر کے لئے تصاویر بنائے گا۔ اس خط کے بعد خوش بخت کو اس کی کوئی اطلاع نہ ملی۔

پانچ ماہ بعد جب ماہتاب وطن واپس ہوئی تو اس کی خواہش کے احترام میں خوش بخت اسے خوش آمدید کہنے اور اس کے ہمراہ کچھ عرصہ موتی محل میں رہنے کو موجود تھی۔ وہ چاہتی تو قصرِ ماہتاب میں بھی قیام کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا کرنے سے جان بوجھ کر گریز کیا۔ ماہتاب اور نواب صاحب کے ہمراہ آقائی شیرازی اور بے نظیر شیرازی بھی آئے تھے۔

خوش بخت کو خاصی حیرانی ہوئی جب اس نے شادی سے قبل آمرانہ مزاج رکھنے والی بے نظیر کو آقائی شیرازی کے اشاروں پر ناچتے دیکھا وہ شیرازی کے آگے دبی بلی بنی رہتیں۔ زبان سے کوئی بات نکالنے سے قبل وہ محتاط انداز میں میاں کی طرف دیکھتیں۔ سر محفل اظہار کرتے ہوئے وہ میاں کی طرف دیکھتے ہوئے بار بار یہ کہنا نہ بھولتیں۔ "میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا شیرازی!" خوش بخت ان کی اس سپردگی پر حیران ہوتی کیونکہ وہ اس آہنی سلاخ کے راز سے ناواقف تھی جس کے ذریعے شیرازی نے بے نظیر کو زیر کر رکھا تھا۔

شیرازی پچاس سال کے لگ بھگ' کوتاہ قامت اور سڈول بدن کا مالک تھا اس کے

خاکستری بالوں کی ایک جھالر سی گنجی چندیا کے گرد لٹکی نظر آتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آتا تھا۔ اسے بات کرنے کا ڈھنگ آتا تھا وہ ہر قسم کی محفل میں جانِ محفل بن جانے کا فن جانتا تھا۔ اسے پتہ تھا کس وقت بولنا چاہئے اور کس وقت زبان بند رکھنی چاہئے۔ خوش بخت کی جہاندیدہ نگاہوں نے جلد ہی یہ بات تاڑ لی کہ شیرازی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے بے حد طرار اور ذہین آدمی تھا۔ اس کے آگے کسی اور کا چراغ جلنا بہت مشکل بلکہ تقریباً ناممکن تھا۔

ماہتاب کو یہ شخص قطعی پسند نہ تھا اس کا برملا اظہار اس نے واپسی کے فوراً بعد میسر آنے والی تنہائی میں بہن کے سامنے کر دیا تھا۔

ان کی واپسی کے ہفتہ بھر بعد ایک شام جب ماہتاب' نواب لغاری' بے نظیر' شیرازی اور خوش بخت موتی محل کے پائیں باغ میں بنی مصنوعی جھیل کے کنارے بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ملازم نے نواب کو ان کے وکیل کے آنے کی اطلاع دی' نواب صاحب فوراً ہی معذرت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ چاروں خاصی دیر وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ بے نظیر اور ماہتاب نے گفتگو میں کم ہی شرکت کی۔ ملازم چائے کے برتن سمیٹنے آیا تو ماہتاب کے استفسار پر اس نے بتایا کہ نواب صاحب بیٹھک میں وکیل صاحب کے ساتھ مصروفِ گفتگو ہیں۔

پائیں باغ سے اٹھنے کے بعد خوش بخت اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو بیٹھک کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے بیٹھک کا دروازہ اندر سے بند پایا مگر جب وہ نیم وا کھڑکی کے نزدیک سے گزری تو اس نے ایک نامانوس آواز کو کہتے سنا۔

"نواب صاحب! اب سب کچھ بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ دستخط کر دیتی ہیں تو گویا آپ کی تمام فکریں ختم لیکن اگر دستخط نہیں ہو پاتے تب ذرا مشکل ہو جائے گی۔ ویسے میں ان لوگوں سے تین ماہ کی مہلت لے سکتا ہوں لیکن تین ماہ کے بعد وہ کسی صورت کوئی جواز سننے کو تیار نہ ہوں گے۔ پہلے ہی ان سے کافی وقت لیا جا چکا ہے۔"

"دستخط نہ ہونے کا کیا مطلب؟ جو کام ہونا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔" یہ نواب لغاری کی آواز تھی۔

"یہ تو آپ کا اور بیگم صاحبہ کا معاملہ ہے۔ وکیل تو تصویر کے دونوں رخ سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں۔"

"وکیل صاحب! آپ فکر نہ کریں' میں دستخط کروا لوں گا' آپ دستاویز تو تیار کر کے لائے ہیں نا؟"

"جی ہاں!"

اس گفتگو سے خوش بخت معاملہ کی نوعیت تاڑ گئی۔ اس نے چاہا فوراً جا کر ماہتاب کو چوکنا کر دے لیکن پھر اپنے ہی کمرے کی جانب مڑ گئی کیونکہ اسے موتی محل میں ایک جاسوس نما شخص کی موجودگی کا احساس تھا جس کا نام شیرازی تھا۔

لیکن اسے اپنے کمرے میں آئے نصف گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ ایک ملازمہ نے آ کر اطلاع دی کہ نواب صاحب اسے لائبریری میں یاد فرما رہے ہیں۔ وہ اس ناوقت طلبی پر حیران ہوتی لائبریری میں داخل ہوئی تو وہاں نواب صاحب' ماہتاب' شیرازی اور بے نظیر کو پہلے ہی موجود پایا۔ ماہتاب بڑی میز کے گرد پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی تھی۔ نواب صاحب اور شیرازی کھڑے تھے اور بے نظیر کتابوں کی الماری سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ خوش بخت کے اندر داخل ہونے پر نواب صاحب نے غیر معمولی بشاشت سے کہا۔

"معاف کیجئے گا آپ کو زحمت دی' دراصل ساری گڑبڑ شیرازی نے پیدا کی۔ حالانکہ یہ میرے خاصے پرانے دوست ہیں اس کے باوجود اپنی بیوی کو بطورِ گواہ دستخط کرنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ مجبوراً آپ کو زحمت دینی پڑی۔"

"میں سمجھی نہیں۔" خوش بخت نے حیرانی کا اظہار کیا۔

اگلے چند لمحے خاموش گزرے اس دوران خوش بخت نے کنکھیوں سے شیرازی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں بے نظیر کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کرتے دیکھا۔ بے نظیر کے جانے کے بعد نواب صاحب شیرازی سے شکایتی لہجہ میں بولے۔

"کیا ہرج تھا اگر تم اپنی بیگم کو دستخط کرنے دیتے؟"

"کوئی ہرج نہیں تھا لیکن میں سمجھتا ہوں اگر بے نظیر کے بجائے خوش بخت صاحبہ کے دستخط ہو جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔"

"کیسے دستخط؟" خوش بخت نے کہا۔

جواب میں نواب صاحب نے میز پر پیپر ویٹ کے نیچے رکھا ہوا سبز رنگ کا ایک تہہ شدہ کاغذ اٹھایا اور آخری تہہ کھول کر میز پر پھیلا دی اور باقی تہیں ہاتھ کے نیچے دبالیں اور اپنی جیب سے قلم نکال کر ماہتاب کی جانب بڑھاتے ہوئے ایک مخصوص مقام پر دستخط کرنے کو کہا۔

"یہ .... یہ............ کیا ہے؟" ماہتاب نے پوچھا۔

"میں تمہیں بعد میں بتا دوں گا فی الحال تم دستخط کر دو۔ باہر گاڑی میں وکیل صاحب میرا انتظار کر رہے ہیں۔" نواب صاحب رسانیت سے بولے۔

ماہتاب نے تذبذب کے عالم میں ایک اچٹتی ہوئی نگاہ خوش بخت پر ڈالی پھر ہچکچاتی ہوئی بولی۔ "آخر پتہ تو چلے یہ ہے کیا؟ جتوئی صاحب تو جب بھی کسی دستاویز پر دستخط کراتے تھے پہلے مجھے تفصیل بتاتے تھے پھر پڑھوانے کے بعد دستخط لیا کرتے تھے۔"

"بے وقوف مت بنو' وہ تمہارا وکیل تھا' میں تمہارا شوہر ہوں۔" اس بار نواب صاحب کا لہجہ تُرش تھا۔

"ٹھیک ہے مگر معلوم تو ہو یہ ہے کیا؟"

"خوش بخت! آپ انہیں سمجھائیں یہ تو بے وقوفوں کی سی باتیں کر رہی ہیں۔" نواب لغاری خوش بخت کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔

"میرا خیال ہے نواب صاحب! یہ بے وقوفی کی بات نہیں۔ ہر باشعور آدمی اس قسم کی صورتِ حال میں یہ سوال کرنے گا بلکہ اگر آپ بطور گواہ' میرے دستخط لینا چاہیں جیسا کہ آپ نے ابھی کچھ دیر پہلے کہا تھا تو میں بھی پہلے یہی جاننا چاہوں گی کہ یہ ہے کیا؟"

"خوش بخت صاحبہ! اگر آپ کو آئندہ کسی شریف آدمی کے گھر پر رہنے کا اتفاق ہو

تو از راہِ کرم اس کے مقابلے پر اس کی بیوی کی بے جا حمایت لینے کی حماقت مت کیجئے گا سمجھیں آپ؟" نواب لغاری نے خاصی بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا۔

اس توہین پر خوش بخت سر تا پا لرز کر رہ گئی۔ اس کا جی چاہا اس شخص کے منہ پر تھوک کر چلی جائے اور پھر کبھی اس کے گھر کا رخ نہ کرے مگر وہ ایسا نہ کر سکی ان حالات میں وہ ماہتاب کو کیسے چھوڑ کر چلی جاتی۔ نواب صاحب کے اس ہتک آمیز رویے کو ماہتاب نے بھی شدت سے محسوس کیا اور وہ تڑخ کر بولی۔

"میں ہرگز ہرگز اس وقت تک دستخط نہیں کروں گی جب تک مجھے یہ پتہ نہ چل جائے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ مجھے پورا پورا حق پہنچتا ہے کہ میں کسی کاغذ پر دستخط کرنے سے پہلے یہ یقین کرلوں کہ میرے دستخط غلط طریقے پر تو استعمال نہیں ہوں گے۔"

"حق!" نواب صاحب نے حقارت سے کہا۔ پھر پھنکارتے ہوئے بولے۔ "بیگم صاحبہ! آپ اپنا حق اسی دن ہار چکی تھیں جب آپ نے اپنے ہونے والے شوہر کے روبرو اس کنگال مصور سے اپنی محبت کا اقرار کیا تھا۔"

ماہتاب کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

کس قدر کمینہ تھا وہ اس نے اسے شیرازی اور خوش بخت کے سامنے شرمسار کر دیا تھا۔ خوش بخت تو اس کی اپنی بہن تھی مگر شیرازی' اس کی موجودگی میں اپنی توہین کے احساس سے اس کی آنکھیں تپنے لگیں۔

"آیئے آپا یہاں سے چلیں ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔" اس نے کرسی سے اٹھ کر بہن کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہے ہو تم اس عورت کو؟" نواب لغاری نے دانت پیستے ہوئے شیرازی سے کہا۔

"ٹیک اٹ ایزی سر! ٹیک اٹ ایزی۔" شیرازی نے سرگوشی میں کہا اور اگلے ہی لمحہ پلٹ کر ماہتاب کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ کو نواب صاحب پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

"اس کے باوجود کہ یہ ہم دونوں بہنوں کی سرِعام توہین کر چکے ہیں۔" ماہتاب نے درشتی سے کہا۔

"گھروں میں ایسی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں .... اور سرِعام سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ کیا آپ مجھے غیر سمجھتی ہیں؟"

"آیئے آپا! ہم لوگ بہت برداشت کر چکے ہیں۔" ماہتاب نے شعلہ بار لہجے میں کہا۔

"آپ ایک منٹ کو رکئے ذرا۔" شیرازی نے کہا۔

ماہتاب ان سنی کرتی کمرے سے باہر نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر خوش بخت دروازے کے نزدیک نہ صرف خود رک گئی بلکہ دھیرے سے ماہتاب کا ہاتھ دبا کر سرگوشی میں بولی۔

"ٹھہر جاؤ ماہتاب! شیرازی کی مخالفت مول لینے کی کوشش کبھی نہ کرنا۔"

خوش بخت کے ایما پر ماہتاب بھی اس کے ہمراہ چند قدم پلٹ آئی۔ شیرازی نے ثالث کا کردار ادا کرنے کی کوشش کی اور نواب صاحب سے مخاطب ہو کر بولا۔

"نواب صاحب! کیا اس کاغذ پر آج ہی دستخط ہونے ضروری ہیں؟"

"مجھے دستخط چاہئیں۔" نواب لغاری فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا آج ہی یہ کام ہونا ضروری ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اسے کل تک کے لئے ملتوی نہیں کیا جا سکتا؟"

"میں ایک ضروری کام سے کراچی سے باہر جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کل یا پرسوں تک واپسی ہو۔ میں اپنی واپسی پر دستخط چاہتا ہوں۔"

"لاؤ یہ کاغذ مجھے دے دو میں کوشش کروں گا۔" شیرازی نے اپنی خدمات پیش کیں۔

"نہیں .... میں اپنے سامنے کرواؤں گا دستخط .... میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ تم میری طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو شیرازی۔"

"میں تو خیر واقف ہوں مگر تم بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ میرے

مشورے تمہارے لئے ہمیشہ مفید اور کارگر ثابت ہوئے ہیں۔ خیر اب ایسا کرو تم جہاں جا رہے ہو جاؤ۔ وکیل صاحب دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور یہ کام اپنی واپسی تک اٹھا رکھو۔ تب تک ماہتاب بیگم بھی اچھی طرح سوچ لیں گی۔ تم بہرحال ان کے شوہر ہو انہیں تم پر اعتماد کرنا چاہئے۔"

نواب صاحب نے کاغذ تہہ کیا اور ماہتاب کو گھورتے ہوئے انتہائی درشتی سے بولے۔ "واپسی پر مجھے بہرصورت تمہارے دستخط چاہئیں ورنہ ...."

اس کے ساتھ ہی نواب صاحب پاؤں پٹختے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے شیرازی لپکا۔ ماہتاب نے سہم کر بہن کا ہاتھ تھام لیا۔

"نواب صاحب جا کہاں رہے ہیں؟" خوش بخت نے کہا۔

"خدا ہی جانے .... آپا! یہ شخص جو کہنے کو تو میرا شوہر ہے اس کی ہر ہر حرکت پر میرا دل سہمتا رہتا ہے۔ میں اندر سے کانپتی رہتی ہوں، میں بکھر رہی ہوں آپا۔" ماہتاب کا گلا رندھ رہا تھا۔

خوش بخت نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے خوش بخت نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ "مجھے یقین ہے ماہتاب، نواب صاحب جس کاغذ پر تمہارے دستخط لینا چاہ رہے ہیں وہ تمہاری اس رقم کے سلسلے میں کوئی قانونی دستاویز ہے جو گزشتہ ماہ اکیس سال کی عمر کو پہنچنے پر تمہارا حق بن چکی ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے وہ پچاس لاکھ روپے؟"

"ہاں وہی۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟"

ماہتاب کے اس سوال کے جواب میں خوش بخت نے نواب صاحب اور ان کے وکیل کے درمیان ہونے والی گفتگو کا احوال ماہتاب کے گوش گزار کر دیا۔

دونوں بہنیں اب مغربی رخ کھلنے والے دریچے میں جا کھڑی ہوئی تھیں۔ خوش بخت

کی بات سن کر ماہتاب ایک سرد آہ کھینچتے ہوئے بولی۔

"میں آپ کو کیا بتاؤں آپا یہ شخص کس قدر بدطینت ہے۔ شادی سے قبل اس نے اپنے اوپر محض ایک بناوٹی چولا چڑھا رکھا تھا۔ شادی کے بعد اس کی اصلیت کھل کر میرے سامنے آئی تو مجھے اس سے نفرت ہونے لگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے محض جائیداد کی خاطر مجھ سے شادی کی ہے۔ میں آپ کو ان پانچ ماہ کی ذہنی اذیت سے کس طرح آگاہ کروں جو میں نے اس کے ساتھ وطن سے باہر گزارے۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اسے اپنی زندگی کا اہم ترین راز بتا دیا میرا خیال تھا اس طرح یہ منگنی توڑ دے گا اور میں اس کے چنگل سے بچ نکلوں گی مگر میری ساری تدبیر اکارت گئی۔ میں نے اس کے سامنے اعتراف جرم تو کر لیا تھا مگر اس کے اصرار کے باوجود اس کا نام اُسے نہیں بتایا تھا مگر یورپ سے واپسی پر جب ہم بے نظیر آنٹی کی ایک دوست کی دعوت پر دو روز کے لئے دوبئی میں رکے تو وہاں ایک موقع پر کسی نے سرفراز کا ذکر کیا جو ان دنوں وہیں ہے اور بحیثیت آرٹسٹ بڑا نام پا رہا ہے۔ جس لمحہ سرفراز کا ذکر آیا میں چونک پڑی۔ شربت کا گلاس میرے لبوں سے لگا رہ گیا۔ میرے تاثرات اور میری آنکھوں کے ذریعے اس شخص نے جسے میں اپنا شوہر کہتے کراہت محسوس کرتی ہوں وہ نام دریافت کر لیا جو میں نے اُس کے اصرار کے باوجود نہ بتایا تھا۔ اس رات اس نے کمرہ بند کر کے مجھے مسہری پر دھکیلتے ہوئے کہا۔

"آج میں نے اس شخص کا پتہ چلا لیا ہے۔ جاؤ جا کر سو جاؤ اور اسی کے سپنے دیکھو اور اگر دیکھنے کا حوصلہ ہے تو اپنے سپنوں میں اُس کا یہ روپ ضرور دیکھنا کہ میں نے اپنے گھوڑے کے کھروں سے اُسے روند ڈالا ہے۔" آپا اس روز سے میں کتنی پریشان رہتی ہوں اس کا اندازہ مجھی کو ہے۔"

ماہتاب دردِ دل بتانے کے بعد سسک پڑی۔ خوش بخت اُس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے دلاسہ دیتی رہتی۔ اس کے اپنے تصور میں بھی سرفراز کا چہرہ ابھر آیا۔ مہربان، ہمدرد، پُرخلوص اور غمگسار۔

ماہتاب کے آنسو تھمے تو خوش بخت نے اسے ملحقہ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھونے کی ہدایت کی اور بولی۔ "کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے بہت دیر سے ہم دونوں کمرے میں بند ہیں۔ شیرازی جیسے شخص کے لئے یہ بات خاصی تشویش انگیز ہو سکتی ہے۔ میری ایک بات یاد رکھنا ماہتاب! شیرازی کی مخالفت کبھی مول لینے کی کوشش نہ کرنا مجھے نواب صاحب سے زیادہ اس شخص سے خوف آتا ہے۔"

ماہتاب کے منہ ہاتھ دھو چکنے کے بعد جب وہ دونوں ڈائننگ ہال میں پہنچیں تو بے نظیر اور شیرازی کو کھانے پر اپنا منتظر پایا۔ کھانے کے دوران شیرازی نے غیر معمولی خوشگوار موڈ میں خاصی دلچسپ باتیں کیں۔ لگتا تھا وہ ان دونوں کے ذہن سے ابھی کچھ دیر قبل ہو چکنے والے ناخوشگوار واقعہ کے اثرات مندمل کرنا چاہتا تھا مگر یہ اتنی آسان بات نہ تھی۔

کھانے کے بعد شیرازی نے حسب عادت ایک کتاب سنبھال لی۔ ماہتاب نے حسبِ معمول چہل قدمی کا ارادہ کیا مگر آج نواب صاحب اس کے ہمراہ نہ تھے۔ اُس نے خوش بخت کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو وہ فوراً تیار ہو گئی۔ بے نظیر شیرازی ان کے بے پناہ اصرار کے باوجود ٹال گئی۔

"دراصل آپ کی پھوپھی وقت سے پہلے ہی بوڑھی ہو گئی ہیں، چلئے انہیں معاف کیجئے۔ خوش بخت صاحبہ آپ کے ساتھ ہیں اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بے نظیر یہیں رہیں تو اچھا ہے۔ مجھے کافی کی طلب محسوس ہو رہی ہے اور جتنی عمدہ کافی یہ بناتی ہیں شاید کم ہی عورتیں بنا پاتی ہوں گی۔" شیرازی نے خاصا طویل مکالمہ ادا کیا۔

دونوں بہنیں چہل قدمی کرتی پائیں باغ میں جا پہنچیں۔ باغ نیم تاریک تھا۔ چاند کی بارہ تاریخ نہ ہوتی تو شاید اتنی روشنی بھی نہ ہوتی۔ وہ چاہتیں تو جھاڑ فانوس روشن کر سکتی تھیں لیکن انہوں نے نیم تاریکی میں چہل قدمی کرنا پسند کیا۔ روشنیوں کے بیچ سج سج چلتی وہ دونوں دھیرے دھیرے باتیں کرتی رہیں۔ جھیل اور جھیل کے کنارے بنی ہٹ نیم تاریکی میں خاصی پُراسرار نظر آ رہی تھی۔

گلاب کے کنج کے پاس سے گزر کر وہ دونوں فضاؤں میں حلول خوشبو کو سانس کے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

ذریعے پیتی ہوئی مڑیں اور واپسی کا ارادہ کیا لیکن اچانک ہی ماہتاب نے سہم کر خوش بخت کا بازو دبوچ لیا۔

"کیا ہوا؟"

"وہ .... وہ دیکھئے آپا........ آپ کو کچھ نظر آیا۔" ماہتاب نے جھیل کی جانب اشارہ کیا۔

اور اس طرف نظر اٹھاتے ہی خوش بخت دم بخود رہ گئی۔ نیم تاریکی میں انہوں نے ایک سفید ہیولہ موتی محل کے عقبی حصے میں موجود باڑھ پھلانگ کر موتی محل سے ملحق سنسان اور ویران جنگل نما علاقے کی طرف جاتے دیکھا۔

"اوہ خدایا یہ کون تھا؟" ماہتاب نے مردہ آواز میں کہا۔

"گھبراؤ مت۔" خوش بخت نے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے تسلی دی۔

دونوں بہنیں انتہائی ہراساں واپس لوٹیں' خوش بخت نے آہستہ سے کہا۔ "ماہتاب کل ہم لوگ پھر اسی طرف جائیں گے بشرطیکہ نواب صاحب واپس نہ آئے مگر دیکھو اس واقعہ کا کسی سے ذکر مت کرنا۔ توبہ .... توبہ مجھے تو پورے کا پورا موتی محل انتہائی پُراسرار نظر آنے لگا ہے ہمیں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"آپا! ایسے لمحوں میں کسی غمگسار کی کیسی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے تو میرے لئے جو کچھ کیا ہے اُسے میں صرف محسوس کر سکتی ہوں بیان کرنے سے قاصر ہوں مگر آپ بھی تو عورت ہی ہیں کب تک........؟ آخر کب تک آپ میری خاطر آزمائشوں سے گزرتی رہیں گی۔ کاش کوئی ہمارا غم خوار ہوتا۔ میرا مطلب ہے ہم دونوں کا۔"

خوش بخت اچھی طرح جانتی تھی وہ کون تھا جس کی یاد اس وقت نمی کی صورت ماہتاب کی آنکھوں میں تیر گئی تھی مگر اس نے اس موضوع پر بولنے کے بجائے خاموش رہنا بہتر جانا۔

☆------☆------☆

اگلی صبح ماہتاب خلافِ معمول کچھ زیادہ ہی سویرے جاگ گئی۔ گزری شام نواب صاحب نے جو رویہ اختیار کیا تھا اُس نے سوتے میں بھی اُس کے ذہن کو ایک کرب سے دوچار رکھا تھا۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ باہر نکلی تو ہر سُو خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ تمام لوگ ابھی سو رہے تھے۔ بادِ نسیم کے جھونکے انوکھا سرور بخش رہے تھے۔ اُسے کل رات جھیل کے نزدیک نظر آنے والے ہیولے کا خیال آیا تو بدن میں کپکپی سی دوڑ گئی لیکن اُس کے باوجود ایک نامعلوم تجسّس اُسے کشاں کشاں جھیل کی جانب کھینچ لے گیا۔ وہاں کچھ نہ تھا۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے ہٹ میں جھانکا وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ وہ پلٹنا ہی چاہتی تھی کہ ایک نسوانی آواز نے اس کے قدم روک لئے کسی نے اُسی کا نام لے کر پکارا تھا۔ اُس نے آواز کے تعاقب میں دیکھا ہٹ کے عقبی حصے سے سر تا پا سفید چادر میں لپٹی ایک نوجوان لڑکی اُس کے نزدیک آ کھڑی ہوئی اور چادر سے اپنا چہرہ باہر نکالتے ہوئے بولی۔

"بی بی! خدا کا شکر ہے آپ مل گئیں۔"

ماہتاب نے اُس کی طرف دیکھا اور ششدر رہ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ خود اپنا عکس دیکھ رہی ہو۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھی جبکہ اس لڑکی نے چادر کے علاوہ کپڑے بھی سفید ہی پہن رکھے تھے۔ خوش بخت نے ماہتاب سے اُس کی ہمشکل کا ذکر نہ کر رکھا ہوتا تو وہ یقیناً ڈر جاتی۔

"تم چاند بی بی ہو۔" اُس نے دبی آواز میں پوچھا۔

"خدا کا شکر ہے آپ نے مجھے پہچان لیا۔ بی بی! آپ کی اماں میرے کو بہت پیاری تھیں۔ کاش! میں اُن کے ساتھ ہی دفن ہو سکتی۔ میرے کو اب بس ایک فکر ہے کہ قیامت کے روز اُن کو کیا جواب دوں گی میں۔ وہ تو بولیں گی تیرے کو سب کچھ معلوم تھا پھر تُو نے ماہتاب بی بی کو کیوں نہیں بتایا۔ ہائے .... میں نے کتنی غلطی کی۔ آپ کو خط لکھنے کے بجائے میں آپ کو وہ راز بتا دیتی جو میری ماں نے میرے کو بتایا تھا تو آپ کبھی اس آدمی سے شادی نہ کرتیں۔ بی بی! یہ بڑا خراب آدمی ہے۔ یہ میرے سے بہت ڈرتا

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

ہے۔ پتہ ہے کیوں؟ اس لئے کہ میرے کو اس کا ایک راز معلوم ہے۔" چاند بی بی ایک سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

"کیسا راز؟" ماہتاب نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"شاید کوئی آ رہا ہے۔" وہ اس وقت بالکل چوکنا نظر آتی تھی۔

اس سے قبل کہ ماہتاب اس سے وہ راز دریافت کر سکتی وہ تیزی سے مڑی اور ا... کہتی باڑھ کی جانب دوڑی کہ کل اسی وقت وہ پھر آئے گی۔

باغ سے واپسی پر ماہتاب نے یہ سارا واقعہ خوش بخت کو سنایا تو اُس نے سرگوشی میں کہا۔ "کل تم ضرور وہاں جانا مجھے یقین ہے وہ ضرور آئے گی اور کل میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے آؤں گی تاکہ وہ آج کی طرح پھر بغیر کچھ بتائے نہ بھاگ سکے۔"

"کیا واقعی کوئی راز ہو سکتا ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہے۔" خوش بخت نے وثوق سے کہا۔

دوپہر کے لگ بھگ نواب لغاری واپس آ گئے اور انہوں نے آتے ہی خوش بخت سے جو اس وقت شیرازی سے گفتگو میں مصروف تھی کہا۔

"اپنی بہن کو یاد دلانا کہ آج اُسے دستخط کرنے ہیں۔"

"ارے بھئی چھوڑو اس بات کو مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ تمہارے کمرے ہی میں چلتے ہیں۔" شیرازی نے بے تکلفی سے نواب لغاری کا ہاتھ تھام لیا۔

خوش بخت ہراساں ہو کر ماہتاب کو نواب لغاری کی واپسی اور اُن کے مطالبہ کی خبر سنانے دوڑی لیکن ان دونوں کی حیرانی کی انتہا نہ رہی جب کچھ ہی دیر بعد شیرازی نے آ کر انہیں یہ خبر سنائی کہ نواب صاحب نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے اور اب وہ ماہتاب کے دستخط لینے پر بضد نہیں۔

یہ تبدیلی کیوں ہوئی؟

یہ سوال خوش بخت اور ماہتاب دونوں کے لئے ایک پریشان کن معمہ تھا۔

☆======☆======☆

اگلی صبح ناشتہ سے قبل جب ماہتاب نے خوش بخت کے کمرے میں آ کر اُس سے باغ کی طرف چلنے کو کہا تو وہ بولی۔ "بہتر ہو گا کہ تم اکیلی ہی جاؤ۔ میرے ساتھ جانے سے ان لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے۔ تم جاؤ میں یہاں کا خیال رکھوں گی۔"

ماہتاب بڑے محتاط انداز میں ہٹ تک پہنچی اُس نے ہٹ کے اندر جھانکا اُس کے عقب میں گئی۔ اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی مگر اُس کی نگاہوں کو مایوس اور ناکام لوٹنا پڑا۔ مایوس ہو کر وہ واپس ہو رہی تھی کہ ہٹ سے ذرا آگے اُس نے جھیل کے کنارے ایک جگہ زمین پر انگلی کی پور سے لکھا ہوا پایا۔

"مٹی ہٹا کر دیکھو۔"

وہ نیچے جھکی اور اُس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے جلدی جلدی مٹی ہٹائی تو اُسے ایک پرچہ دبا ہوا ملا۔ پرچہ مٹھی میں دبا کر وہ ہٹ میں پہنچی اور ہٹ میں پڑی آہنی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ کر اُس نے جلدی جلدی پرچہ کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا' لکھا تھا۔

ماہتاب بی بی! میری قسمت ہی اچھی نہیں ہے۔ کل جب میں آپ سے مل کر جا رہی تھی تو باڑھ کے پیچھے چھوٹے سے قد کا ایک موٹا سا آدمی چھپا ہوا تھا۔ یہ آدمی موتی محل ہی میں رہتا ہے۔ اس نے میرا پیچھا کیا۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھے پکڑنا چاہتا تھا مگر میں اتنا تیز بھاگی کہ اس موٹو پہلوان کو میں نے ہرا دیا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ پھر گھات لگا کر بیٹھے گا اسی لئے میں کل صبح آپ سے ملنے نہ آ سکوں گی۔ اس وقت رات کے بارہ بجے ہیں میں نے یہ پرچہ چاند کی روشنی میں لکھا ہے غلطی معاف۔ بی بی! مجھے دھوکا باز نہ سمجھنا زندگی رہی اور اللہ نے ملایا تو میں وہ راز آپ کو ضرور بتا دوں گی۔

اچھا بی بی سلام

پرچہ پڑھنے کے بعد ماہتاب نے اُسے احتیاط سے تہہ کر کے مٹھی میں دبوچا اور وہاں سے جانے کو اٹھی ہی تھی کہ اس کی نظر ہٹ کے دروازے پر کھڑے نواب لغاری پر

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

پڑی۔ وہ دھک سے رہ گئی۔ اس نے مٹھی سختی سے بھینچ لی۔

"چھپانے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے پہلے ہی پڑھ چکا ہوں تم شاید بھول گئی تھیں صبح خیز اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔" نواب لغاری کے چہرے پر عیارانہ مسکراہٹ تھی۔

نواب صاحب بڑے کروفر سے اُس کی جانب بڑھے اور اُس کے نزدیک آکر اُس کی کلائی اتنی زور سے دبوچی کہ وہ سی کر کے رہ گئی۔

"یہ بتاؤ کل اس دیوانی نے تم سے کیا باتیں کی تھیں؟"

ماہتاب خاموش رہی۔

لیکن جب اُن کے مضبوط ہاتھ میں اُس کی نازک کلائی چٹخنے لگی تو اُس نے سب کچھ بتا دیا مگر بدطینت نواب لغاری کو یقین تھا کہ کوئی بات وہ چھپا رہی تھی۔ وہ مصر رہے کہ انہیں پوری بات بتائی جائے۔ ماہتاب گڑگڑائی اُس نے قسمیں کھا کر انہیں یقین دلانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ نواب لغاری یونہی مضبوطی بلکہ سفاکی سے اُس کی کلائی دبوچے اُسے اُس کے کمرے تک لائے اور اُسے اندر دھکیلتے ہوئے باہر سے کمرہ مقفل کر دیا۔

خوش بخت نے اُن کے اس سفاکانہ اقدام کے خلاف آواز بلند کی تو نواب لغاری نے اُس کے ساتھ بھی انتہائی توہین آمیز رویہ اختیار کیا۔ اس موقع پر انتہائی حیرت انگیز طور پر بے نظیر اور شیرازی نے بھی خوش بخت کی حمایت کی نتیجتاً نواب لغاری کو تالا کھولنا پڑا۔

خوش بخت کو ماہتاب کا خیال نہ ہوتا تو وہ پل پھر بھی اس حبس زدہ ماحول میں رہنا گوارا نہ کرتی اور موتی محل پر تھوک کر چلی جاتی مگر ماہتاب کی خاطر وہ یہاں رہنے پر مجبور تھی۔ نواب لغاری اور شیرازی جیسے بھیڑیوں کے بیچ ماہتاب کو بے یار و مددگار چھوڑ کر جانا عقلمندی نہ ہوتی۔

لیکن حالات اس قدر ابتر ہو چکے تھے کہ اب خاموش رہنا ممکن نہ تھا۔ اب کچھ

کچھ کرنا لازم تھا۔ چنانچہ اسی دن خوش بخت نے سردار مرتضیٰ علی چانڈیو کے نام ایک تفصیلی خط میں تمام حالات لکھ دیئے اور یہ خط مالی کے چھوٹے بیٹے کو پوسٹ کرنے کے لئے بھی دے دیا۔

اس رات کھانے کے بعد خوش بخت دن بھر کی کوفت ذہن سے مٹانے کی غرض سے کسی کتاب کی تلاش میں لائبریری کی جانب آئی تو لائبریری کا دروازہ اندر سے بند تھا لیکن راہداری میں کھلنے والی کھڑکی کھلی تھی۔

"خدا جانے تم کیسے آدمی ہو؟"

شیرازی کی آواز نے اُسے چونکا دیا اور وہ جھٹ کھڑکی کی آڑ میں ہو گئی اور کان لگا دیئے۔ شیرازی کہہ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ دوسروں پر غلبہ پانے کے دو طریقے ہیں۔ جبر و تشدد اور پیار و محبت۔ عورت پر قابو پانے کے بھی ہی دو طریقے ہیں اُن میں سے ہر طریقہ موقع اور محل کے اعتبار سے اختیار کیا جانا چاہئے جہاں تک پیار اور محبت کا تعلق ہے اس سے تم جانوروں کو بھی اپنا غلام بنا سکتے ہو لیکن کبھی کبھی ڈنڈا بھی استعمال کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تمہاری بیوی ان عورتوں میں سے نہیں جو ڈنڈے کے زور سے قابو آتی ہیں۔ اس لئے کہ اس کے پیچھے ایک دانش مند ذہن کارفرما ہے میرا مطلب خوش بخت سے ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں کہ وہ بہت ذہین عورت ہے سچ پوچھو تو اگر یہ عورت میری ہم رکاب ہو تو میں ساری دنیا کا مقابلہ کر سکتا ہوں لیکن اگر یہ عورت دشمنی اور مخالفت پر آمادہ ہو تو مجھ جیسے ہوشیار اور محتاط آدمی کو بھی ہر قدم پر خوف محسوس ہو گا۔ تم جانتے ہو آج صبح ماہتاب کو مقفل کرنے کی حماقت جو تم نے کی اس کا نتیجہ کیا ہوا؟"

شیرازی کی آواز چند لمحوں کو خاموشی میں ڈوب گئی پھر اُس نے کہا۔ "آج سہ پہر مالی کا بیٹا بڑی رازداری سے ایک خط رومال میں لپیٹے پوسٹ کرنے جا رہا تھا میں نے اُسے روکا اور پوچھا تو وہ بولا خوش بخت بی بی نے کہا تھا کسی کو دکھانا مت اور ڈاک میں ڈال آنا۔ مجھے تو اس کی محتاط محتاط چال دیکھ کر ہی دال میں کالا ہونے کا شبہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

اُس سے خط لے لیا۔ اپنے کمرے میں جا کر میں نے احتیاط سے لفافہ کھولا اور خط پڑھا تو سر پکڑ کر رہ گیا .... خوش بخت نے تمام حالات سردار چانڈیو کو لکھ دیئے تھے۔ بہرحال خط پڑھ کر میں نے پھر لفافہ میں رکھا لفافہ بند کیا اور خود جا کر یہ خط پوسٹ کر آیا۔"

"یہ کیا غضب کیا تم نے؟" نواب لغاری نے دانت پیس کر کہا۔

"ایزی! ایزی مائی فرینڈ۔ میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو بہت سوچ سمجھ کر، تم یقین رکھو یہ خط ہمارے ہی کام آئے گا۔"

"اور اگر مالی کے بیٹے نے اُسے بتا دیا کہ تم نے.........."

"پھر وہی حماقت کی بات۔ میں کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوں۔ میں نے اُس کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ پیسے میں بڑی طاقت ہے .... خیر تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا بشرطیکہ تم اپنے معاملات میرے ہاتھ میں دے دو۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جو میں کہوں وہی کرو۔ میرے مشوروں پر عمل کرو گے تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی .... کیوں منظور ہے؟"

"فرض کرو میں کہوں ہاں۔"

"اب ذرا میرے سوالوں کے جواب دیتے جاؤ۔ پہلی بات یہ کہ کیا تمہارے قرض خواہ تین ماہ کی مہلت دینے پر راضی ہو جائیں گے؟"

"امید تو ہے۔"

"اب یہ بتاؤ کہ شادی کے بعد سے اب تک تمہیں اپنی بیوی کی طرف سے کیا ملا ہے؟"

"فصل سے حاصل ہونے والی رقم اور کچھ نہیں۔"

"اندازاً کتنی رقم؟"

"بس گزارا ہو رہا ہے اور کیا؟"

"مستقبل میں تمہیں کیا کچھ ملنے کا امکان ہے؟"

"لگتا ہے کچھ بھی نہیں .... باپ کی وصیت کے مطابق وہ جائیداد کا کوئی حصہ فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ البتہ اس کے اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ روپے کی رقم ہے جو گزشتہ ماہ ہی اُسے ملی ہے۔"

"اُس میں تمہارا کتنا حصہ ہے؟"

"میرا..........؟ جب تک وہ زندہ ہے اس وقت تک تو سب کچھ اسی کی مرضی پر ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"شادی کے وقت اس رقم کی بابت یہ طے کیا گیا تھا کہ خدانخواستہ ماہتاب کی موت کی صورت میں یہ رقم یا اس کا بقیہ ماندہ میرا ہی ہو گا۔"

"خوب! ایک بات بتاؤ .... تمہیں اپنی بیوی سے محبت ہے؟"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں نے تو سیدھا سا سوال کیا ہے۔"

"ہاں مجھے اُس سے محبت ہے باوجود اس کے کہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔"

"پھر تو بڑی مشکل ہے۔ بہرحال سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب یہ بتاؤ کہ چاند بی بی کا قصہ کیا ہے؟"

"دیکھو شیرازی! یہ ٹھیک ہے کہ ہماری دوستی خاصی پرانی ہے لیکن ہر شخص کے چند معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ کسی اور کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔ اس معاملہ کو بھی ایسا ہی سمجھو۔ بہتر ہو گا آج کے بعد تم اس سلسلے میں مجھ سے کسی قسم کا استفسار نہ کرو۔" نواب لغاری نے بڑی درشتی سے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔ میں نے تو اس لئے پوچھا تھا کہ میں تمہیں اس سلسلے میں خاصا متفکر دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

"اس سلسلے میں مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں یہ قطعاً میرا اپنا معاملہ ہے۔"

"اوکے ڈیئر! چلو اب چل کر سوئیں اور ہاں اب تمہیں اپنے قرض خواہوں سے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں' پچاس لاکھ روپے صرف اور صرف تمہارے اختیار میں ہوں گے۔"

اُس کے ساتھ ہی کرسیاں سرکانے کی آواز سنائی دی۔ خوش بخت سمجھ گئی وہ باہر نکلنے کو اٹھ رہے تھے۔ من من بھر کے قدموں سے وہ بدقت تمام تاریک راہداری سے اپنے کمرے کی جانب لپکی اور کمرے میں آ کر چٹخنی چڑھانے کے بعد بے دم سی بستر پر گر پڑی۔ خوف و دہشت سے اُس کا بدن لرز رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا لمبے لمبے نوکیلے دانت چہار اطراف سے اس کی اور ماہتاب کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ اس کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار ہو چکے تھے۔

اگلی صبح ناشتہ پر اہل خانہ نے خاصی دیر اُس کا انتظار کیا لیکن خلاف معمول جب وہ دیر تک نہ پہنچی تو ماہتاب نے ملازمہ کو اُسے بلانے کے لئے بھیجا مگر ذرا ہی دیر بعد ملازمہ گھبرائی ہوئی واپس لوٹی اور اُس نے خوف و ہراس کے عالم میں کہا۔

"بیگم صاحبہ! اُن کا کمرہ اندر سے بند ہے مگر اندر سے تیز تیز بولنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ جیسے وہ کسی سے لڑ رہی ہوں۔"

"تم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ہوتا۔"

"کھٹکھٹایا تھا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔"

سب سے پہلے ماہتاب اپنی کرسی سے اٹھی اور بے تابانہ بہن کے کمرے کی جانب دوڑی۔ اس کے پیچھے پیچھے نواب صاحب بے نظیر اور شیرازی بھی چلے آئے۔

خوش بخت کا کمرہ واقعی بند تھا اور اندر سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ماہتاب نے دیوانہ وار دروازہ کھٹکھٹایا مگر دروازہ نہ کھلنا تھا نہ کھلا۔ بالآخر خانساماں کے بے حد دبلے پتلے لڑکے کو بلوایا گیا۔ روشن دان کے ذریعے وہ اندر کودا اور اُس نے دروازہ کھولا اور جب وہ سب اندر داخل ہوئے تو انہوں نے خوش بخت کو بستر پر پڑے اور ہذیانی انداز میں آپ ہی آپ چلا چلا کر بولتے ہوئے پایا۔ ماہتاب نے اس کے نزدیک جا کر پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کی آنکھیں انگاروں کی مانند سرخ تھیں۔

"اُف خدایا! یہ تو بُری طرح تپ رہی ہیں۔"

"سرسام کی کیفیت ہے۔" شیرازی نے کہا۔

"خدا کے واسطے جلدی سے ڈاکٹر کو بلوائیں۔" ماہتاب نے نواب صاحب سے التجائیہ لہجہ میں کہا۔

"کیسی ہیں آپ؟" شیرازی نے خوش بخت کے نزدیک جا کر کہا۔

"دیکھو میرے ہاتھ چھوٹے چھوٹے ہو گئے ہیں۔ تم نے کئے ہیں نا میرے ہاتھ چھوٹے .... تمہارے ہاتھ اتنے بڑے بڑے کیوں ہیں؟ .... تم نے میرا خط چھین لیا نا اس لڑکے سے؟" خوش بخت شیرازی کو اپنی انگارہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے ہذیانی انداز سے بولی۔

شیرازی نے نواب لغاری کو اور نواب لغاری نے اُسے دیکھا اور دونوں تیزی سے باہر نکل گئے۔ ماہتاب کو اپنا ہی ہوش نہ تھا وہ تو خوش بخت کی طبیعت خراب دیکھ کر بوکھلا گئی تھی۔ اس ہجوم میں ایک ہی تو اُس کی ہمدرد اور غمگسار تھی۔

شیرازی نے باہر نکلتے ہی نواب لغاری سے کہا۔ "غضب ہو گیا .... خوش بخت نے یقیناً ہماری ساری گفتگو سن لی ہے۔"

"مرنے دو اُسے۔" نواب لغاری نے انتہائی رعونت سے کہا۔

"نہیں .... ہمیں فوراً ڈاکٹر کو بلانا چاہئے۔ اوّل تو یہ انسانیت کا تقاضہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ بہرحال تمہاری سالی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ میں اس عورت کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری جان! ایسے ہی کھیل میں تو مزا آتا ہے۔ مجھے ڈھیلے ڈھالے' کمزور اور بدعقل حریف ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ مزا تو اسی میں ہے کہ آپ سیر ہوں تو دوسرا سوا سیر۔"

"نہیں مرنے دو اُسے .... اچھا ہے جان چھوٹے۔ اگر یہ عورت نہ ہو یہاں تو یقین کرو ماہتاب میری دو انگلیوں کے بیچ پس سکتی ہے۔"

"مگر میں یہ نہیں چاہتا اور واضح رہے کہ تم اپنے معاملات میرے ہاتھ میں دے چکے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

ہو۔ مائی ڈیئر فرینڈ! ڈاکٹر کو بلواؤ .... اور اُسے ہدایت کرو کہ اُس کا پوری توجہ سے علاج کرے .... تاکہ خوش بخت کی صحت یابی کے بعد دو ذہین و فطین .... انسانوں کا مقابلہ ہو سکے اب دیکھنا یہ ہے کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔ خوش بخت کی یا مابدولت کی!"

نواب صاحب نے اُس کے اصرار پر ڈاکٹر علی احمد کو فون کیا اور پھر وہ دونوں خوش بخت کے کمرے میں چلے آئے۔ اُس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ ہذیان بک رہی تھی۔

پندرہ بیس منٹ بعد ڈاکٹر احمد آ گئے۔ انہوں نے بڑی توجہ سے اُس کا معائنہ کیا اور بتایا کہ وہ کسی شدید ذہنی دھچکے کا شکار ہوئی تھی۔ بڑی توجہ سے معائنہ کے بعد انہوں نے دوائیں تجویز کیں اور ضروری ہدایات کے بعد چلے گئے۔

بے نظیر نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اُس کی پیشانی پر برف کی پٹیاں رکھنا شروع کیں اور ماہتاب دھیرے دھیرے اس کا سر سہلانے لگی۔ نواب صاحب ناشتہ کرنے چلے گئے اور شیرازی نے باغ کا رخ کیا۔ اُس کی چھٹی حس اس سے سرگوشی کر رہی تھی کہ جلد یا بہ دیر چاند بی بی پھر موتی محل آئے گی۔

کشاں کشاں وہ جھیل کے کنارے تک پہنچا اور خاصی دیر وہاں بیٹھا مستقبل کے بارے میں لائحہ عمل مرتب کرتا رہا۔ اس کی خوش قسمتی کہ وہ اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اُس نے اپنے کان شکاری کتے کی طرح کھڑے کر لئے اور نگاہیں دروازے پر ٹکا دیں۔

معمولی لباس میں ملبوس ایک عمر رسیدہ عورت نے ہچکچاتے ہوئے اندر جھانکا اور شیرازی پر نظر پڑتے ہی جہاں کی تہاں رہ گئی۔ آن کی آن ایک خیال برق کی مانند شیرازی کے ذہن میں لپکا۔

"کیا تم ماہتاب بی بی کی تلاش میں آئی ہو؟" اس نے بڑی عیاری سے پوچھا۔

بڑی بی کے جھریوں بھرے چہرے پر بے یقینی کی سی کیفیت لہرائی۔ اُس نے تذبذب کے عالم میں شیرازی کی جانب دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

"دراصل میں ماہتاب بیگم کے ایک ضروری پیغام کے ساتھ یہاں چاند بی بی کا منتظر ہوں لیکن خدا جانے تمہارا چاند بی بی سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں۔"

"ہاں .... ہاں .... سائیں! .... میرا نام ماسی جنت ہے میرے کو چاند بی بی نے بھیجا ہے .... آپ میرے کو پیغام بولو میں چاند بی بی کو بتا دوں گی۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا ماسی جنت کے نزدیک پہنچا اور رازداری سے بولا۔ "ماہتاب بیگم چاہتی ہیں کہ چاند بی بی فوراً یہاں سے چلی جائے۔ ماہتاب بیگم کو خدشہ ہے کہ اگر وہ یہاں سے نہ گئی تو نواب صاحب یا اُن کے کارندے اُسے پکڑ کر پھر پاگل خانے میں ڈال دیں گے۔ ماہتاب بیگم جلد ہی خود بھی یہاں سے جا رہی ہیں اور ہو سکتا ہے وہ خود چاند بی بی سے ملیں۔ اسی لئے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ چاند بی بی اپنا پتہ انہیں بھجوا دے۔"

"سائیں! ادھر کراچی میں تو ہم لوگ اپنے ایک رشتہ دار کے گھر ٹھہرے ہیں .... ویسے ہم لوگ ٹھٹھہ میں رہتے ہیں .... آپ ماہتاب بی بی کو بولنا ماسی جنت خود بھی چاند بی بی کو کراچی سے لے جانا چاہتی ہے مگر کل صبح سے اُس کی طبیعت بہت خراب ہے۔ بستر پر پڑی ہے' سفر کیسے کرے گی؟"

"اسے ہوا کیا ہے؟"

"سائیں! اِدھر ٹھٹھہ کا ڈاکٹر بولتا تھا اُس کا دل ٹھیک کام نہیں کرتا۔"

"یہاں کس ڈاکٹر سے علاج کروا رہی ہو؟"

"کسی سے نہیں سائیں .... وہ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہوئے ڈرتی ہے۔ وہ بولتی ہے ڈاکٹر مجھے پھر ہسپتال میں ڈال دیں گے۔"

"اوہو! میں نے اب تک یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ چاند بی بی تمہاری کیا لگتی ہے؟"

"میری بچی ہے۔"

"اچھا .... اچھا .... اگر تم مناسب سمجھو تو میں تمہارے ساتھ چلوں اور اسے کسی ڈاکٹر کو دکھاؤں۔"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"آپ کا احسان ہو گا سائیں .... میری تو وہ سنتی ہی نہیں۔"

"تم ٹھہری ہوئی کہاں ہو؟"

"ناتھا خان گوٹھ میں میرا ماموں زاد بھائی رہتا ہے ہم اُدھر ہی ٹھہرے ہیں۔"

"آؤ اِدھر سے نکل چلیں .... کسی نے دیکھ لیا تو برا ہو گا۔" شیرازی نے باڑھ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یوں انتہائی عیاری کے ساتھ وہ ماسی جنت کو اعتماد میں لے کر چاند بی بی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ کھرے پلنگ پر سر تا پا سفید چادر تانے لیٹی تھی۔ ماسی جنت نے اُسے دھیرے سے پکارا تو اُس نے اپنے چہرے سے چادر سرکائی شیرازی دم بخود رہ گیا۔ وہ حیرت انگیز حد تک ماہتاب سے مشابہ تھی۔ جونہی چاند بی بی کی نظر اُس پر پڑی۔ اُس کا چہرہ خوف و ہراس میں ڈوب گیا۔

"بیٹی ڈر مت .... یہ ماہتاب بی بی کے اپنے آدمی ہیں۔" ماسی جنت نے کہا۔

مگر چاند بی بی بدستور اسے خوف زدہ نظر آتی تھی۔ صورت حال تاڑتے ہوئے وہ اس کے نزدیک پہنچا اور بڑی شفقت سے بولا۔

"بیٹی ڈرو مت .... میں ماہتاب بی بی کا آدمی ہوں۔ اُس دن بھی میں تمہیں ایک خاص پیغام دینا چاہتا تھا جب تم موتی محل کے نزدیک مجھے دیکھتے ہی بھاگ لی تھیں۔ اصل میں، میں تمہیں نواب لغاری کے ناپاک ارادوں سے باخبر کرنا چاہتا تھا۔"

پھر اُس نے چاند بی بی کو بھی بڑی رازداری سے وہی پیغام دیا جو اُس نے ماسی جنت کو دیا تھا۔

"مگر میں تو .... مر رہی ہوں .... مجھ سے چلا پھرا بھی نہیں جاتا۔" چاند بی بی کے لہجہ سے نقاہت عیاں تھی۔

"تمہیں تکلیف کیا محسوس ہوتی ہے؟"

"کل تک تو میں ٹھیک تھی۔ بس شام کو طبیعت بگڑ گئی۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ میں مرنے لگتی ہوں۔"

"فکر مت کرو تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں جا کر ڈاکٹر کو لاتا ہوں۔"

"نہیں .... ڈاکٹر کو مت لانا وہ میرے کو پھر..........." وہ بے حد خوفزدہ ہو کر بولی۔

"کچھ نہیں ہو گا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔" اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ ڈاکٹر کو بلانے چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ہمراہ ایک عمر رسیدہ ڈاکٹر تھا۔ اچھی طرح معائنے کے بعد ڈاکٹر نے چند دوائیں تجویز کیں اور قوت مدافعت بڑھانے کے لئے ایک ٹانک بھی لکھ دیا۔

ڈاکٹر کی ادائیگی شیرازی ہی نے کی اور اُسے دروازے پر کھڑی کار تک چھوڑنے گیا۔ اس کے بعد وہ خود ہی بازار گیا۔ ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوائیں اور ٹانک خریدا۔ توانائی بحال کرنے کے لئے انرجائل کے دو تین ڈبے اور بسکٹ، ٹافیاں اور پھل خریدنے کے بعد وہ لدا پھندا واپس آیا۔

"سائیں! اتنی تکلیف کیوں کرنی تھی آپ نے۔" ماسی جنت مشکور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ماسی! یہ تو ماہتاب بیگم کی مہربانی ہے۔" اس نے عیاری سے کہا۔

پھر اس نے دواؤں کا طریقۂ استعمال ماسی جنت کو سمجھایا اور بولا۔ "ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے۔ اب اُن کے آنے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے دوائیاں لکھ دی ہیں وقت پر دوا دیتی رہنا انشاء اللہ بچی سفر کرنے کے لائق ہو جائے گی .... ہو سکتا ہے ماہتاب بیگم چاند بی بی کی طبیعت کا سن کر مجھے بھی آپ لوگوں کے ساتھ جانے کا حکم دیں۔ بہرحال میں پھر آؤں گا۔" پھر وہ چاند بی بی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "بیٹی دوا کھاتی رہنا۔ تم اطمینان رکھو ماہتاب بیگم کو تمہارا بہت خیال ہے۔"

"سائیں! ماہتاب بی بی کی میرے کو بہت فکر ہے۔"

"فکر مت کرو وہ بہت جلد تم سے ملیں گی۔" شیرازی نے مکاری سے کہا۔

وہ موتی محل واپس پہنچا تو نواب صاحب کو اپنا منتظر پایا۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"کہاں چلے گئے تھے تم؟" انہوں نے بے تابانہ پوچھا۔

"کوئی سوال نہیں .... اپنا وعدہ یاد رکھو اور دیکھتے جاؤ۔ سوال کرنے کی اجازت نہیں۔"

نواب لغاری نے اضطراب کے عالم میں مٹھیاں بھینچ لیں۔

☆------☆------☆

ہفتہ بھر گزر گیا اس دوران شیرازی دو مرتبہ چاند بی بی کو دیکھنے گیا۔ دونوں مرتبہ اس نے راستے میں اس کے لئے پھل اور بسکٹ وغیرہ خریدے۔ دوائیں وہ پہلے ہی اتنی خرید چکا تھا کہ مہینہ بھر کو کافی ہوتیں۔ چاند بی بی ڈاکٹر کی تجویز کردہ مسکن دوا کے تیز اثر سے زیادہ وقت سوتی رہتی۔ مستقل آرام' طاقت بخش ٹانک اور پھلوں کے استعمال کے باعث اُس کی حالت میں دن بہ دن افاقہ ہو رہا تھا۔

لیکن اس دوران خوش بخت کی حالت میں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ بخار کسی صورت نہ ٹوٹتا تھا۔ دن بھر وہ غشی کے عالم میں پڑی رہتی۔ ڈاکٹر کے خیال میں تمام علامات ٹائیفائڈ کی تھیں۔ شیرازی دن بھر میں کم از کم دو مرتبہ اُس کی عیادت کو اُس کے کمرے میں ضرور جاتا۔ ماہتاب دن بھر بہن کے سرہانے موجود رہتی۔ شیرازی کے حکم کے مطابق بے نظیر بھی خوش بخت کی تیمارداری میں ماہتاب کی شریک رہتی۔ مستقل فکر نے ماہتاب کی صحت پر بُرا اثر ڈالا تھا لیکن اُسے اپنی پرواہ نہ تھی وہ تو اپنی چہیتی بہن کی خاطر ہلکان ہوئی جارہی تھیں

ہفتہ بھر بعد شیرازی نے ماسی جنت سے کہا۔ "اب چاند بی بی کی حالت بہتر ہے۔ ماہتاب بیگم چاہتی ہیں کہ اب تم لوگ یہاں سے جانے میں دیر مت کرو نواب لغاری کے ارادے نیک نہیں ہیں۔" پھر وہ چاند بی بی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"بیٹی! یہ نواب لغاری تم سے جلتا کیوں ہے؟"

"ایک بات ہے۔" وہ کسی معصوم بچی کی طرح بولی۔

"کیا بات؟" شیرازی نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ بات میں ماہتاب بی بی کے علاوہ کسی کو نہیں بتاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" شیرازی نے ٹالتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "ماہتاب بیگم چاہتی ہیں کہ تمہاری حفاظت کی خاطر میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں جلد از جلد بحفاظت تمہیں یہاں سے لے جاؤں کیا خیال ہے ماسی کل ہی نہ چلیں ہم لوگ؟"

"آپ کی مرضی سائیں۔" ماسی جنت نے کہا۔

"بس تو کل گیارہ بجے تم لوگ تیار رہنا۔"

اس روز موتی محل واپسی پر اُس نے نواب لغاری کو یہ خبر سنائی کہ وہ بے نظیر کے ہمراہ چند دن کے لئے کراچی سے باہر جا رہا ہے اور اُسے فوری طور پر کم از کم دس ہزار روپوں کی ضرورت ہے۔

"کیوں؟ .... آخر جا کہاں رہے ہو تم؟" نواب صاحب نے اُسے گھورا۔

"تمہاری خاطر! ڈارلنگ' صرف تمہاری خاطر میں یہ سارے پاپڑ بیل رہا ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا تم کر کیا رہے ہو؟" نواب صاحب نے اضطراب کے عالم میں مٹھیاں بھینچیں۔

"سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا میری جان بس اتنا کرنا کہ ہم دونوں کے یہاں سے جانے کے بعد سب کو یہی بتانا کہ ہم کسی دوسرے شہر چلے گئے ہیں۔"

"مگر کہاں؟"

"اس سے کسی کو غرض نہیں ہونی چاہئے۔"

اگلے دن وہ ماسی جنت اور چاند بی بی کے ہمراہ بذریعہ بس ٹھٹھہ روانہ ہو گیا۔ ماسی جنت نے پھولدار چادر اوڑھ رکھی تھی جبکہ چاند بی بی ہمیشہ کی طرح سفید لباس میں ملبوس تھی اور اس نے اپنا جسم اور چہرہ سفید چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ دورانِ سفر شیرازی دونوں سے علیحدہ بیٹھا ایک کتاب پڑھتا رہا اور اسی بس میں بے نظیر بھی

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

بہت خاموشی سے سفر کرتی رہی' شیرازی کی ہدایت کے مطابق اُس نے برقعہ اوڑھ رکھا تھا۔

ٹھٹھہ پہنچنے کے بعد اُس نے ماسی جنت اور چاند بی بی کو اُن کے گھر تک پہنچایا۔ ماسی جنت کا بس چلتا تو اسے سر پر بٹھا لیتی اُس نے اسے کھانے کے لئے روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ رکا اس لئے کہ اُسے بے نظیر کی فکر لگی تھی جو منصوبے کے مطابق شاہی مسجد کے سبزہ زار پر اُس کی منتظر تھی۔ چلتے وقت شیرازی نے ماسی جنت اور چاند بی بی سے بڑی رازداری سے کہا۔ "ماہتاب بیگم جلد ہی تم لوگوں سے ملنے ٹھٹھہ آئیں گی۔"

"اماں! کتنا مبارک دن ہو گا وہ!" چاند بی بی نے معصومیت سے کہا۔ پھر بولی۔ "سائیں! تم اب کدھر جاتے ہو؟"

"کراچی کیونکہ ماہتاب بیگم نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں تم لوگوں کو حفاظت سے پہنچا کر واپس آ جاؤں۔"

ماسی جنت کے ہاں سے نکل کر وہ بے نظیر کے پاس پہنچا۔ شام سر پر تھی۔ دونوں نے اوسط درجہ کے ایک ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔

اگلی صبح ناشتہ کے بعد وہ حیدر آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر پہلے تو خاصی تگ و دو کے بعد ایک پراپرٹی ڈیلر کی وساطت سے چھ ماہ کے لئے تلک چاڑی میں واقع ایک دو منزلہ مکان پیشگی کرایہ ادا کرنے کے بعد حاصل کیا۔

اس کے بعد ان دونوں نے لطیف آباد کا رخ کیا۔ بے نظیر بادلِ ناخواستہ وہاں جانے پر مجبور ہوئی تھی۔ برسوں پہلے سردار مصطفیٰ علی اور سردار مرتضیٰ علی چانڈیو نے اُسے خاندان سے باہر شادی کرنے کے جرم میں عاق کر کے قصر چانڈیو سے نکال دیا تھا اس کے اپنے بس میں ہوتا تو وہ ہرگز قصر چانڈیو کا رخ نہ کرتی مگر شیرازی کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔

برسوں بعد اپنی بہن اور اس کے خاوند کو قصر چانڈیو میں دیکھ کر سردار مرتضیٰ

چانڈیو خاصے حیران ہوئے۔ انہوں نے وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے کڑے تیوروں سے بہن کو دیکھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔ یہ وہ لڑکی تھی جس نے جھکنا جانا ہی نہ تھا۔

"آپ کے مزاج کیسے ہیں سردار صاحب!" شیرازی نے ماحول پر تنی ہوئی خاموشی کی چادر سرکائی۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں تم دونوں کی آمد کا مقصد کیا ہے؟" سردار صاحب نے ترشی سے سوال کیا۔

"وہ مقصد ہرگز نہیں ہے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔" شیرازی مسکرایا پھر بولا۔ "کیا آپ ہم لوگوں سے بیٹھنے کو بھی نہ کہیں گے؟"

"بھائی مصطفیٰ حیات ہوتے تو آپ پہلے کی طرح دروازے ہی سے لوٹا دیئے گئے ہوتے لیکن خیر اب جبکہ وہ نہیں ہیں اور تم لوگ اندر آ چکے ہو تو بیٹھ سکتے ہو۔"

"شکریہ۔"

اور وہ دونوں نرم و ملائم دیوان کے کنارے بیٹھ گئے۔

"ہم دونوں کراچی سے آ رہے ہیں۔ نواب لغاری میرے پرانے دوست ہیں اور بے نظیر آکسفورڈ میں اُن کی جونیئر رہی ہیں۔" شیرازی اتنا کہہ کر لحظہ بھر کو رکا پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ "خوش بخت کا خط تو آپ کو ملا ہو گا وہ آپ کے جواب کا انتظار ہی کرتی رہیں۔"

"ہاں........" سردار چانڈیو نے رکھائی سے جواب دیا۔ پھر بولے۔ "مگر میں نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔"

"ماہتاب اور نواب لغاری کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ بے نظیر' خوش بخت اور میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اُن کے درمیان حائل خلیج پٹ جائے مگر ہم تینوں ہی ناکام رہے۔ ناچار خوش بخت نے آپ کو خط لکھا کہ آپ ہی اُسے کچھ دنوں کو لطیف آباد بلوائیں مگر خدا جانے کیا وجہ ہے کہ آپ کی جانب سے کوئی جواب نہیں پہنچا۔"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

سردار چانڈیو کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے اُن کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا اس شخص کو جس کے نام سے انہیں نفرت تھی جو اُن کی بہن سے شادی کر کے اُن کے لئے جگ ہنسائی کا سبب بنا تھا' قطعاً نجی اور خاندانی معاملات میں مداخلت پر کیا جواب دیں۔ شیرازی نے اُن کی کیفیت تاڑتے ہوئے بے نظیر کو اشارہ کیا اور وہ کسی روبوٹ کی طرح بولی۔

"بھائی صاحب! ان دونوں کے تعلقات واقعی بہت خراب ہیں۔ خوش بخت نے تو آپ کو تفصیل اس لئے نہیں لکھی کہ آپ جلدی پریشان ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں! میں اعصابی مریض ہوں اس لئے جلدی پریشان ہو جاتا ہوں مگر خوش بخت کا خط پڑھ کر میں زیادہ پریشان نہیں ہوا اس لئے کہ میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ ان کا کیا بھروسہ ابھی لڑے اور ابھی مل بیٹھے۔ ماہتاب کے مزاج سے میں واقف ہوں وہ خلافِ مزاج باتوں پر بہت جلد مشتعل ہو جاتی ہے۔ میں میاں بیوی کے جھگڑے میں پڑ کر کیوں بُرا بنوں۔ ویسے بھی ہم لوگوں میں بیٹیاں رخصت کر دی جاتی ہیں تو ماں باپ اور بزرگ یہی کوشش کرتے ہیں کہ میاں بیوی اپنے جھگڑے خود نمٹائیں اسی لئے میں نے خوش بخت کے خط کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے سردار صاحب لیکن خوش بخت یہ چاہتی تھیں کہ ماہتاب کو آپ کچھ دنوں کو لطیف آباد بلا لیتے تو اچھا تھا۔ کیونکہ ان دونوں کے تعلقات بہت کشیدہ ہیں۔ حالات کی ابتری کے پیشِ نظر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ماہتاب اور نواب صاحب کچھ عرصہ علیحدہ رہیں تاکہ انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو اور بنا بنایا گھر اجڑنے سے بچ جائے۔ میرا ذاتی خیال بھی یہی تھا کیونکہ وہ مثال تو آپ نے سنی ہی ہو گی کہ آدمی کی قدر اُس کے مرنے یا دُور جانے کے بعد ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے دونوں کچھ عرصہ ایک دوسرے سے جدا رہیں تو ایک دوسرے کی قدر کرنا سیکھیں۔"

بے نظیر نے تائید میں سر ہلایا۔

"نہیں .... میں اس حق میں نہیں ہوں۔ کیونکہ ہمارے بزرگ کہتے چلے

آئے ہیں کہ بیٹی جب لڑ جھگڑ کر خاوند کے گھر سے آئے تو اُس کو شہ مت دو اور دوسری بات یہ کہ ماہتاب کے یہاں آنے سے مجھے بھی پریشانی ہو گی۔ وہ آئے گی تو اُس کے پیچھے پیچھے اُس کا خاوند بھی دوڑا آئے گا۔ دونوں لڑیں گے۔ چیخیں گے' چلائیں گے اور پھر ایک ہو جائیں گے۔ یہ ضرور ہے کہ قصر چانڈیو ماہتاب کے نام ہے لیکن بھائی مصطفیٰ کے وصیت نامہ میں واضح طور پر درج ہے کہ جب تک .... میں زندہ ہوں قصر چانڈیو میں رہنے کا پورا پورا حق رکھتا ہوں۔ خدا نخواستہ یہ باتِ نہیں کہ میرے پاس کوئی ٹھکانا نہیں' بے نظیر جانتی ہے یہیں لطیف آباد میں میری ذاتی کوٹھی ہے لیکن میں جتنا سکون اس گھر میں محسوس کرتا ہوں اتنا کہیں محسوس نہیں کرتا اور .... میری حالت دیکھ رہے ہیں آپ' ڈاکٹر نے مجھے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔"

"آپ اسے یہاں بلا لیں۔ کوئی ہنگامہ فساد نہیں ہو گا۔ کچھ دن یہاں رہ کر وہ اپنے گھر چلی جائے گی۔ نواب لغاری کو میں جانتی ہوں وہ اتنا ضدی اور سرکش آدمی ہے کہ مجھے یقین ہے وہ ماہتاب کے پیچھے ہرگز یہاں نہیں آئے گا۔" بے نظیر نے شیرازی کی جانب سے اشارہ پا کر بڑے محتاط انداز میں کہا۔

"یہ تو اور بھی بُرا ہو گا یعنی تم یہ چاہتی ہو کہ میں ماہتاب کو خاوند سے ناراض ہو کر میکے آ بیٹھنے پر شہ دوں .... نہیں .... نہیں .... نہیں .... ہرگز نہیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر شیرازی نے بڑی رسانیت سے کہا۔

"اچھا تو ایسا کریں اگر آپ اسے یہاں بلانے کے حق میں نہیں تو وہ کچھ دنوں کے لئے ہمارے ہاں آ جائے تاکہ نواب لغاری کو یہ خیال بھی نہ ہو کہ وہ خدا نخواستہ ناراض ہو کر میکہ جا بیٹھی ہے اور آپ کے خدشہ کے مطابق بفرضِ محال نواب صاحب ماہتاب کے پیچھے پیچھے آئیں بھی تو ہمارے ہاں آئیں' ہم دونوں ان دونوں کو سمجھا بجھا لیں گے یوں آپ کا سکون بھی درہم برہم نہ ہو گا اور آپ پر کوئی برائی بھی

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

نہ آئے گی۔"

"کیا ماہتاب آپ کے ہاں رہنے پر راضی ہو گی؟" سردار صاحب نے پوچھا۔

"میں سمجھتا ہوں اس میں کوئی ہرج نہیں اوّل تو وہ اس کی پھوپھی کا گھر ہے اور پھر اس پر یہ ظاہر ہی کیوں کیا جائے کہ وہ کن خدشات کے تحت ہمارے ہاں ٹھہرائی گئی ہے۔"

"اس سلسلے میں آپ نے خوش بخت سے مشورہ کیا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا وہ بہت سمجھ دار لڑکی ہے۔" سردار صاحب بولے۔

"میں جانتا ہوں لیکن سچ پوچھئے تو اس معاملے میں وہ بھی بے بس نظر آتی ہیں کیوں بے نظیر تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ہاں' وہ تو اتنی پریشان ہے کہ بیمار پڑ گئی۔" بے نظیر نے کہا۔

"اب آپ خود سوچئے بیمار بہن کو چھوڑ کر جبکہ وہ اس سے بے اندازہ محبت کرتی ہے ماہتاب آپ کے ہاں کیسے رہ سکتی ہے؟" سردار چانڈیو نے جرح کرنے والے انداز میں کہا۔

"آپ اُس کی فکر نہ کریں اور آپ صرف اتنا کریں کہ ماہتاب کے نام ایک رقعہ لکھ دیں کہ تم کچھ دنوں کو لطیف آباد آ جاؤ.........." بے نظیر بولی۔

"لطیف آباد!" سردار صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

"پوری بات تو سن لیں آپ اُسے یہ لکھیں کہ تم ہوائی جہاز سے حیدر آباد آ جاؤ اور ایک دو روز اپنی پھوپھی کے ہاں رہ کر لطیف آباد آ جانا.........."

"مگر خوش بخت کو وہاں چھوڑ کر وہ کیسے آئے گی؟"

"اوّا! یا تو خوش بخت اس سے پہلے ہی لطیف آباد آ جائے گی یا پھر دونوں بہنیں ساتھ آ جائیں گی۔ آپ تو صرف ماہتاب کو لکھ دیں نا۔" بے نظیر کے لہجہ میں اس مستقل ہونے والی جرح سے بیزاری عیاں تھی۔

ناچار سردار چانڈیو کو تین چار سطریں لکھنا پڑیں۔ شیرازی نے ایک نظر ڈالی۔

انہوں نے لکھا تھا۔

بیٹی ماہتاب!

دعائیں۔

بہت دن ہو گئے تمہیں دیکھے ہوئے' میری خواہش ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے یہاں آ جاؤ۔ ایسا کرو اپنے میاں سے اجازت لے کر ہوائی جہاز سے حیدر آباد آ جاؤ۔ دو تین روز اپنی پھوپھی بے نظیر کے ہاں رہ لینا تاکہ وہ بھی خوش ہو جائے اور وہاں سے لطیف آباد آ جانا۔ خیر خواہ سردار مرتضیٰ علی چانڈیو۔

اپنی اس کامیابی پر دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے شیرازی نے رقعہ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

رات دونوں نے قصر چانڈیو میں بسر کی۔

اگلے دن وہ حیدر آباد پہنچے۔ شیرازی نے بے نظیر کے لئے کھانے پینے کی اشیاء خریدیں اور اسے ضروری ہدایات دینے کے بعد کراچی روانہ ہو گیا۔

بے نظیر کو اس کے ہمراہ نہ دیکھ کر نواب لغاری کو خاصی حیرانی ہوئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا تم آخر کیا کرتے پھر رہے ہو؟" انہوں نے قدرے درشتی سے کہا۔

"پھر وہی بے صبری! میری جان اپنا وعدہ یاد رکھو۔ دیکھتے جاؤ اور بس اب تمہارے اچھے دن آ رہے ہیں۔"

"مجھے تمہارا پیچھا کرنا پڑے گا۔"

"لا حاصل ہو گا۔" وہ مکاری سے مسکرایا۔ "یہ بتاؤ.......... خوش بخت کیسی ہے؟"

"ٹھیک نہیں ہے۔"

"اور تمہاری بیگم؟"

"وہ مستقل اُس کے سرہانے بیٹھی رہتی ہے۔ اپنی پھوپھی کو پوچھ رہی تھی۔ میں نے کہا وہ چلی گئی ہیں' انہوں نے مکان لے لیا ہے۔"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"گڈ! .... اچھا اب ایک دو کام بہت ضروری اور فوراً کرنے ہیں۔ سب سے پہلا کام تو تم یہ کرو کہ فوراً اپنے تمام ملازموں کی چھٹی کر دو۔"

"کیوں............؟ کیوں..........؟ کام تم کرو گے کیا؟"

"بھئی ہمیشہ کے لئے نہیں .... کچھ دنوں کو چھٹی کر دو لیکن اُن سے یہ بات ہرگز نہیں کہو گے .... دیکھو ملازموں کی فوج نکالنے سے دو فائدے ہوں گے ایک تو یہ کہ ان کی تنخواہیں دینے کی فکر سے بچ جاؤ گے اور دوسرا فائدہ آپ ہی آپ تمہاری سمجھ میں وقت آنے پر آ جائے گا۔"

"اوہ خدایا! مجھے لگتا ہے تم مجھے تباہ کر کے ہی دم لو گے۔"

"بُری بات! دوستوں کی نیت پر شک نہیں کیا کرتے۔ ایسا کرو ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ کے ساتھ سوائے اس موٹی بھدی اور بے وقوف سی عورت کے جو عورت کم مرد زیادہ نظر آتی ہے میرا مطلب ہاجرہ سے ہے باقی سب کی چھٹی کر دو .... ارے جاؤ منہ کیوں بسورتے ہو پھر بلا لینا ان سب کو۔"

نواب لغاری کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ وہ متذبذب نظر آتے تھے تاہم شیرازی کے اصرار پر انہیں ملازموں کی چھٹی کرنی ہی پڑی اور یوں موتی محل سے ہاجرہ کے سوا تمام ملازم چلے گئے۔ اسی دوران شیرازی دوسرا اہم کام بھی انجام دے چکا تھا۔ خوش بخت کی تیمارداری کے لئے اُس کے سرہانے موجود ماہتاب کے لئے دوسری رات جب ہاجرہ دودھ لے کر جانے لگی تو شیرازی نے جو گھات لگائے بیٹھا تھا اُسے پکارا اور اخبار لانے کو کہا۔

"پہلے بیگم صاحبہ کو دودھ دے آؤں جی؟"

"گلاس یہاں رکھ کر دو پہلے اخبار لا کر دو مجھے۔"

ہاجرہ دودھ کا گلاس وہیں رکھ کر اخبار لینے چلی گئی۔ اس کے واپس آنے تک وہ دودھ میں خواب آور دوا کے قطرے ملا چکا تھا۔

رات کو چہل قدمی کے بعد جب وہ دونوں خوش بخت کے کمرے میں پہنچے تو ماہتاب کرسی پر نڈھال پڑی تھی۔ نواب لغاری نے اُسے آواز دی مگر وہ گہری نیند میں تھی۔

"میرا خیال ہے انہیں تم اپنے کمرے میں لے جاؤ لگتا ہے گہری نیند میں ہیں۔"

"ہاں کئی راتوں سے جاگ رہی ہیں۔"

نواب لغاری نے آگے بڑھ کر ماہتاب کو بازوؤں میں اٹھایا اور دروازے کی جانب بڑھا لیکن اُس کے دروازے سے باہر نکلنے سے قبل شیرازی نے کہا۔

"ذرا سی دیر کو واپس آنا مجھے تم سے کام ہے۔"

نواب لغاری نے پلٹ کر سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا تو وہ حسبِ عادت عیاری سے مسکرا دیا۔

ماہتاب کو بستر پر لٹانے کے بعد نواب لغاری شیرازی کے پاس پہنچا تو وہ سرگوشی میں بولا۔ "ابھی اور اسی وقت خوش بخت کو کسی پرائیویٹ کلینک میں منتقل کرنا ہے۔"

"پاگل ہوئے ہو تم۔"

"یہ بہت ضروری ہے ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"شیرازی! تم .... تم چاہتے ہو کیا۔ یعنی مجھے تم کٹھ پتلی کی طرح نچانے کی کوشش کر رہے ہو۔ نہیں میں ہرگز نہیں ناچ سکتا تمہارے ہاتھوں میں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر موتی محل کی قرقی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمہارے قرض خواہ تمہارا وہ جلوس نکالیں گے کہ دنیا دیکھے گی۔"

نواب لغاری نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ پھر گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"اسے ہسپتال میں داخل کروانے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟"

"مجھے افسوس ہے میں تمہارے سوال کا جواب اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک میرے کہنے پر عمل نہ ہو جائے اور اگر تم میرے کہے پر عمل نہیں کر سکتے تو میں جا رہا ہوں۔"

"او کے .... او کے..........." نواب نے ہتھیار ڈال دیئے۔

لغاری نے اُسی وقت فون پر ایک پرائیویٹ کلینک سے رابطہ قائم کیا اور خوش بخت کو کلینک میں داخل کرانے کے سلسلے میں گھر پر تیمارداروں کی معقول سہولت نہ ہونے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

جواز پیش کیا۔

ایمبولینس کے پہنچنے تک شیرازی خوش بخت کے جسم میں خواب آور دوا داخل کر چکا تھا اور وہ موتی محل سے ہسپتال منتقل ہو گئی۔ اس پر غشی طاری تھی۔

شیرازی اُسے داخل کرانے کے بعد واپس لوٹا تو نواب لغاری کو بے چینی سے راہداری میں ٹہلتے ہوئے پایا۔

"اب بتاؤ اُسے ہسپتال میں داخل کرنے کا مقصد کیا ہے؟"

"جب تک خوش بخت یہاں رہتی تمہاری بیگم یہاں سے جانے کو تیار نہ ہوتیں۔" اس نے بڑے آرام سے کہا۔

"کہاں؟"

"ایک بات بتاؤ تمہیں اپنی بیوی سے محبت ہے؟"

"یہ سوال تم دوسری مرتبہ پوچھ رہے ہو۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"میں نے پہلے بھی تمہارے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا تھا اور اب بھی میرا جواب اثبات میں ہے۔"

"لیکن تمہارا رویہ تو بڑا اکھڑا اکھڑا سا ہے۔"

"تم جانتے ہو میں کس طبیعت کا آدمی ہوں .... ماہتاب کے بارے میں میری بدقسمتی یہ ہے کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی بلکہ سچ پوچھو تو وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں لیکن یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ خود کو پورے طور پر میرے سپرد کر دے۔"

"تمہارا مطلب ہے مع پچاس لاکھ روپے کے۔" اُس نے آنکھ دبائی۔

"یوں ہی سمجھ لو........."

"تم یہ بھی چاہتے ہو کہ وہ مکمل طور پر تمہارے اختیار میں ہو؟"

"یقیناً۔"

"فکر مت کرو وہ جلد ہی مع پچاس لاکھ روپے کے مکمل طور پر تمہارے اختیار میں ہوگی مگر......... اس کے لئے تمہیں میرے کہنے پر عمل کرنا ہو گا۔"

"میں تنگ آ گیا ہوں تمہاری یہ بات سنتے سنتے۔" نواب لغاری کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔

"بڑے افسوس کی بات ہے میں تمہارے لئے خدا جانے کیا کیا جتن کر رہا ہوں اور تم.........!"

"اب کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟"

"ذرا غور سے سنو........." وہ اتنا کہہ کر رکا' کھنکارا پھر بولا۔ "میں علی الصباح حیدر آباد چلا جاؤں گا۔ جہاں میں نے ایک مکان کرائے پر لے لیا ہے۔ ایسا کرنا ضروری تھا۔ اس کی وجہ میں تمہیں وقت آنے پر بتاؤں گا۔ خوش بخت کے بارے میں ہسپتال میں میں نے یہی بتایا ہے کہ ٹائیفائڈ کے علاوہ وہ شدید ذہنی صدمے سے دوچار ہے۔ اس لئے ڈاکٹر چند روز اُسے مسکن دواؤں ہی پر رکھیں گے۔ اگر ڈاکٹروں نے اس سلسلے میں لاپروائی برتی تب بھی فکر کی ضرورت نہیں میں ایک نرس کو اعتماد میں لے کر یہ سمجھا آیا ہوں کہ چند روز اُسے دنیا و مافیہا سے بے خبر رکھنا ضروری ہے۔ تم روزانہ ہسپتال کا چکر ضرور لگاتے رہنا بالفرض متذکرہ نرس سے تمہارا سامنا ہو تو تم بھی اُسے یہی بتانا کہ حال ہی میں مریضہ ایک عزیز کی موت سے شدید صدمے سے دوچار ہوئی ہے۔ اس دوران اپنی بیگم پر یہی ظاہر کرنا کہ خوش بخت میرے ہمراہ حیدر آباد چلی گئی ہے۔ اگرچہ انہیں مشکل ہی سے یقین آئے گا مگر مجھے امید ہے تم یہ کام کسی طور کر لو گے۔ میں حیدر آباد پہنچنے کے بعد تمہیں مناسب وقت پر لک پر خط لکھوں گا یا ہو سکتا ہے ٹیلی فون کروں تم میری جانب سے پیغام ملتے ہی اپنی بیگم کو یہ خط دکھانا اور انہیں روانہ کر دینا۔"

اس کے ساتھ ہی شیرازی نے جیب سے سردار چانڈیو کا رُقعہ نکال کر اُس کی جانب بڑھا دیا۔ نواب لغاری نے پرچہ کھولا اور پڑھنے کے بعد بولا۔

"مگر کیوں.........؟ میرا مطلب ہے سردار چانڈیو یہ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ حیدر آباد

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

میں رہے؟"

"سردار چانڈیو کا خیال ہے بے نظیر کے ساتھ چند دن گزارنے کے بعد ماہتاب بیگم کو یہ اندازہ ہو سکے گا کہ ایک مشرقی عورت کا صحیح تصور کیا ہے۔ اسے کس حد تک شوہر کی اطاعت گزار ہونا چاہئے۔ جان من! سچ پوچھو تو ہم دونوں میاں بیوی کی اولین خواہش اب یہی ہے کہ تم دونوں کو ہشاش بشاش دیکھ سکیں۔ مجھے یقین ہے بے نظیر کی چند دن کی صحبت ماہتاب کو تمہارے معیار کے عین مطابق بنا دے گی مع پچاس لاکھ روپوں کے' کیا سمجھے؟"

"خدا کرے ایسا ہو سکے۔"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا لیکن اس کے لئے تمہیں ایک کام اور کرنا ہو گا۔" شیرازی مسکرایا۔

"وہ کیا؟"

"جب تک میرا پیغام تم تک نہ پہنچے ماہتاب بیگم کا خوابِ غفلت میں رہنا ضروری ہے اور اس کے لئے تمہیں یہ دوا وقفے وقفے سے دینی ہو گی۔" اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر نواب لغاری کی جانب بڑھا دی۔ پھر بولا۔ "ایسا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اپنی روانگی تک انہیں یہ نہ معلوم ہو کہ خوش بخت کہاں ہے سمجھے تم؟"

"ٹھیک ہے۔"

"اچھا اب دو باتیں' ماہتاب بیگم کو ہوائی جہاز سے بھیجنا اور مجھے ٹیلیگرام ضرور کر دینا تاکہ میں اور بے نظیر ریسیو کرنے کو ائرپورٹ پر موجود رہیں۔ یہ رہا میرا پتہ۔" شیرازی نے پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ننھا سا پرزہ نکال کر اُسے تھما دیا۔

"تمہاری جیب ہے یا.........؟"

"شب بخیر اور خدا حافظ ہو سکتا ہے صبح جب تم بیدار ہو تو میں جا چکا ہوں۔"

"او کے۔"

☆======☆======☆

اگلی صبح نواب لغاری کے بیدار ہونے تک شیرازی جا چکا تھا۔ ماہتاب ابھی تک سو رہی تھی اور خاصی گہری نیند میں تھی۔ دن چڑھے جب اُسے ہوش آیا اور اس نے اپنی مخمور آنکھیں کھولیں تو نواب لغاری نے اسے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کرایا۔ دودھ کے گلاس میں وہ اسی وقت خواب آور دوا کے قطرے ٹپکا چکا تھا۔ جب وہ غسل خانے میں تھی۔ بیدار ہوتے ہی اُس نے لڑکھڑاتے قدموں سے خوش بخت کے کمرے کا رخ کرنا چاہا تھا لیکن نواب لغاری نے اُسے بڑی محبت سے سمجھایا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہیں اس وقت سو رہی ہیں آرام کرنے دو۔"

وہ نواب لغاری کے بازوؤں میں جھول کر رہ گئی۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت اسے اپنا بھی ہوش پورے طور پر نہ تھا۔ ناشتہ کے بعد وہ پھر خوابِ غفلت میں ڈوب گئی تو نواب لغاری ہاجرہ کو بیگم صاحبہ کا خیال رکھنے کی ہدایت کرنے کے بعد خوش بخت کو دیکھنے ہسپتال جا پہنچے۔ نرس نے اُن کے استفسار پر بتایا کہ وہ صبح کے وقت ہوش میں آئی تھی اور اس نے پوچھا تھا۔ "ماہتاب کہاں ہے؟"

"کیا ماہتاب ان کی وہی عزیز ہیں جن کے فوت ہونے اُن کے ذہن پر صدمہ پڑا ہے۔" نرس نے پوچھا۔

"جی .... جی .... نہیں .... جی ہاں .... جی ہاں........." نواب کی بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔

اگلے دن جب نواب صاحب خوش بخت کو دیکھنے ہسپتال پہنچے تو وہ ہوش میں تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" نواب لغاری نے بادلِ ناخواستہ مزاج پرسی کی۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"میں تو ٹھیک ہوں۔ آپ لوگوں نے مجھے یہاں کیوں داخل کر دیا؟ ماہتاب کیسی ہے؟"

"انہی کی وجہ سے آپ کو یہاں داخل کرانا پڑا کیونکہ وہ کسی صورت آپ کے پاس سے ہٹنے کو تیار نہ ہوتی تھیں جس سے اُن کی صحت پر برا اثر پڑ رہا تھا۔"

"بہتر ہو گا آپ زیادہ بات نہ کریں۔" نرس نے رازداری سے سرگوشی کی۔

"اوکے .... میں چلتا ہوں۔" نواب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆======☆======☆

تیسرے دن نواب لغاری کو شیرازی کا پیغام موصول ہوا۔ اُس نے فون پر رابطہ قائم کر کے ماہتاب کو روانہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔

"تم مجھے کوئی ایسا نمبر دو جس پر میں تمہیں ماہتاب کی روانگی کی بابت اطلاع دے سکوں۔" نواب لغاری نے کہا۔

"میں اس شہر میں نوارد ہوں جانِ من ایسا کوئی نمبر نہیں دے سکتا اور اتنا وقت میرے پاس ہے نہیں کہ میں کسی پبلک کال آفس میں بیٹھ کر تمہاری کال کا انتظار کروں۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ تم مجھے ارجنٹ ٹیلیگرام روانہ کر دینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

نواب لغاری نے پی آئی اے کے بکنگ آفس جا کر حیدر آباد کے لئے ایک سیٹ بیگم ماہتاب لغاری کے لئے بک کرائی اور گھر آ کر ماہتاب کے از خود بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

اس بار وہ جاگی تو اُسے دوبارہ سلانے کے لئے اس نے اُسے دوا نہیں دی۔ ہوش میں آتے ہی ماہتاب نے بہن کے کمرے کا رخ کیا اور اسے وہاں نہ پا کر پوچھا۔

"آپا کہاں ہیں؟"

"وہ تو چلی گئیں۔"

"ک .... کہاں؟" اس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"شیرازی کے ہمراہ۔"

"کہاں؟"

"تمہاری پھوپھی کے گھر۔"

"کیوں؟"

"شیرازی جا رہا تھا اس لئے وہ بھی چلی گئیں حالانکہ میں نے بہت روکا۔"

"مگر مجھے چھوڑ کر وہ جا تو نہیں سکتیں۔ وہ سفر کے لائق بھی تو نہ تھیں۔"

"ہاں وہ ہرگز سفر کے لائق نہ تھیں۔ میں نے انہیں اسی خیال سے روکنا چاہا تھا مگر وہ بذریعہ جہاز چلی گئیں لیکن دورانِ سفر اُن کی حالت بگڑ گئی لہٰذا انہیں حیدر آباد میں رکنا پڑا جہاں تمہاری پھوپھی نے رہائش اختیار کی ہے۔"

"اوہ! میرے خدا' آپا چلی گئیں اور مجھے پتہ بھی نہ چلا۔ کب گئیں وہ؟"

"تین دن ہو گئے۔"

"اف!........... تین دن' یعنی میں تین دن سوتی رہی۔" وہ آپ ہی آپ بولی۔

"کئی راتوں سے جاگتی جو رہی تھیں تم۔" نواب صاحب بولے پھر انہوں نے دراز کھول کر شیرازی کا دیا ہوا رقعہ نکالا اور اُسے ماہتاب کی جانب بڑھاتے ہوئے بولے۔

"یہ لو تمہارے چچا نے یہ خط بھیجا ہے۔"

رقعہ پڑھنے کے بعد ماہتاب نے اسے سختی سے مٹھی میں دبوچ لیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ لگتا تھا وہ کشمکش کی شکار تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ تمہیں روک کر اپنے اوپر جبر و تشدد کی مزید تہمت دھرواؤں میں نے تمہاری سیٹ بک کروا دی ہے۔ کل تمہاری فلائٹ ہے۔ شیرازی کو میں ٹیلیگرام روانہ کر رہا ہوں وہ تمہاری پھوپھی کے ہمراہ تمہیں ریسیو کر لے گا۔"

"مگر میں وہاں نہیں جانا چاہتی میں لطیف آباد جاؤں گی۔"

"تمہیں حیدر آباد میں رکتے ہوئے جانا ہو گا خوش بخت تمہاری منتظر ہوں گی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا آپا وہاں کیوں چلی گئیں؟" اُس نے اپنے بال مٹھیوں میں

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

جکڑتے ہوئے کہا۔

وہ اٹھی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ نواب لغاری اس کے پیچھے پیچھے گئے۔ ماہتاب دیوانہ وار بہن کے کمرے میں داخل ہوئی اور متلاشی نگاہوں سے دیکھا پھر مایوس ہو کر پلٹ آئی اور سوچنے لگی۔

"تمہارے اسی عدم اعتماد نے ہمارے درمیان خلیج پیدا کی ہے .... تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا نا.......... جاؤ جا کر ایک ایک کونا جھانک لو ہو سکتا ہے تمہاری چہیتی بہن یہیں کہیں ہو اور میں جھوٹ بول رہا ہوں .... جاؤ.........." اس نے دھاڑ کر کہا۔

ماہتاب کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت بہنے لگے۔ وہ ڈولتے قدموں سے اپنے کمرے تک پہنچی اور مسہری پر ڈھے گئی۔ نواب لغاری سائے کی مانند اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

"میں انکار نہیں سننا چاہتا کل تم یہاں سے جا رہی ہو۔"

"ٹھیک ہے .... میں چلی جاؤں گی۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

نواب لغاری اُسے روتا چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ پہلے انہوں نے خوش بخت کی عیادت کی۔ پھر شیرازی کو ٹیلیگرام ارسال کر دیا۔ وہ گھر واپس لوٹے تو ماہتاب ہاجرہ کی مدد سے پیکنگ میں مصروف تھی۔ دبی دبی سی مسکراہٹ نواب لغاری کے لبوں پر کھیل گئی اور اس نے آپ ہی آپ سوچا۔

"بہروز شیرازی دیکھا تم نے میرے آگے اس کمزور عورت کی چل سکی بھلا۔ میں نے آج تک وہی کیا ہے جو چاہا ہے۔"

اگلے دن جب وہ ماہتاب کو لے کر جہاز میں سوار کرانے ائرپورٹ پہنچا تو وہ انتہائی مضمحل تھی۔

"یہ پاس اس نرم و نازک اور بے ضرر عورت کو آزردہ کرنے کا کیا جواز ہے۔"

نواب لغاری کے دل نے سوال کیا۔

اس سوال کا جواب وہ بھلا کیا دیتا۔

رخصت ہوتے وقت ماہتاب نے دھیرے سے کہا۔ "ہو سکتا ہے اب ہم کبھی نہ مل پائیں۔ عین ممکن ہے یہ جدائی کا لمحہ ہو .... خدا حافظ۔" اس کے نتھنے دھیرے دھیرے پھڑک رہے تھے۔

"ہو سکتا ہے اب ہم کبھی نہ مل پائیں۔" کس قدر یاس آمیز لہجہ تھا اُس کا۔

اور واقعی ایسا ہی ہوا۔

ماہتاب کی روانگی کے دوسرے دن شیرازی نے فون پر اُسے اطلاع دی کہ حیدر آباد پہنچتے ہی وہ ہارٹ فیل ہو جانے کے سبب چل بسی۔

یہ خبر نواب لغاری کو بے اوسان کر دینے کو کافی تھی اس کے کانوں میں ماہتاب کا کہا ہوا جملہ گونج رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے اب ہم کبھی نہ مل پائیں۔"

دیوانہ وار وہ لطیف آباد روانہ ہو گیا۔ جہاں تدفین عمل میں آنی تھی۔

☆======☆======☆

خوش بخت کو یہ اطلاع لطیف آباد سے نواب لغاری کی پانچ دن بعد واپسی پر ملی۔ ان پانچ دنوں کے دوران اس نے نرس سے بارہا موتی محل فون کروایا لیکن ہر بار ملازمہ نے نواب لغاری کی ہدایت کے مطابق ہی جواب دیا کہ گھر پر کوئی نہیں ہے۔ یہ بات خوش بخت کے لئے خاصی پریشان کن رہی تھی۔ کئی بار اُس کا جی چاہا ہسپتال سے بھاگ کر موتی محل جا پہنچے لیکن بیماری نے اُسے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ اٹھنے کی کوشش کرتی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا۔

بالآخر اُسے وہ ہولناک خبر ملی جس نے اُس پر سکتہ طاری کر دیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُس کی دلاری اور چہیتی بہن اسے یوں چھوڑ کر چلی جائے گی۔

بمشکل تمام ڈاکٹر نے اُسے سفر کی اجازت دی۔ نواب لغاری کے ہمراہ وہ قصر چاندیو پہنچی تو در و دیوار پر چھائی ویرانی اور فضاؤں میں حلول کی ہوئی اگربتیوں کی خوشبو اور قرآن

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

خونی میں مصروف سوگوار چہروں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ ماہتاب بہت دور جا چکی تھی۔

کئی دن وہ سدھ بدھ کھوئے خواب آور انجکشنوں کے زیر اثر بستر پر پڑی رہی۔ یہ صدمہ اس قدر ناگہانی تھا کہ یقین کرنے کو جی نہ چاہتا تھا لیکن کب تک؟

دھیرے دھیرے زخموں پر کھرنڈ جمنے لگے۔ خوش بخت کے دل پر جیسے ہر لمحہ آرے چلتے۔ نواب لغاری اور شیرازی کی صورتیں دیکھ دیکھ کر اُسے سخت ذہنی اذیت ہوتی۔ اس کا جی چاہتا چلا چلا کر سب کو بتا دے کہ ماہتاب کو ان دونوں نے قتل کیا ہے مگر وہ سوائے کڑھنے کے اور کچھ نہ کر سکتی تھی۔

چہلم کے بعد نواب لغاری' شیرازی اور بے نظیر تینوں قصر چانڈیو سے چلے گئے۔ خوش بخت کے ہاتھ پیروں میں ذرا طاقت آئی اور ہر لمحہ سائے کی طرح اس کی دم کے ساتھ چمٹے رہنے والے وہ تینوں شیطان سدھارے تو اس نے سردار چانڈیو اور قصر چانڈیو کے ملازمین سے ماہتاب کی ناگہانی موت کے بارے میں تفصیلی استفسار کیا۔ اُسے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ ماہتاب کو حیدر آباد میں روکنے کا مقصد آخر کیا تھا؟ وہ بچی نہ تھی کہ اس غیر معمولی نکتہ پر توجہ نہ دیتی۔ جوں جوں وہ اس پر غور کرتی گئی یہ یقین اس کے دل میں جاگزیں ہوتا گیا کہ ماہتاب کو قتل کیا گیا تھا لیکن جب اس نے اپنے اس خدشہ کا اظہار سردار چانڈیو کے سامنے انہیں تفصیلی حالات بتانے کے بعد کیا تو وہ بولے۔

"بیٹی! جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب ہم لاکھ کچھ کریں ماہتاب تو واپس آنے سے رہی۔"

"میرا تو خیال ہے کہ اس سلسلے میں ہمیں قانون کی مدد حاصل کرنی چاہئے۔"

"ٹھیک ہے مگر یہ بتاؤ کیا اس سے ماہتاب واپس آ جائے گی؟.......... نہیں نا.......... زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ مقدمہ چلے گا.......... جس میں ہمیں تمہیں سب ہی کو پریشانی ہو گی بفرض محال اگر جرم ثابت بھی ہو گیا تو بھی ہمیں کیا ملے گا؟ کیا ماہتاب واپس آ جائے گی؟.......... ہرگز نہیں.......... پھر اخبار والے! خدا کی پناہ وہ نت نئی کہانیاں گھڑیں گے.......... بیٹی کچھ نہیں ہو گا سوائے ذہنی پریشانی کے.......... اور پھر یہ کہ ہسپتال سے جاری

ہونے والے ڈیتھ سرٹیفکیٹ میں واضح طور پر درج ہے کہ ماہتاب کی موت ہارٹ فیل ہونے سے ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں تمہارے خدشہ کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی.......... بہرحال اب صبر کرو مجھے یقین ہے مستقل پریشانی نے اس کا دل کمزور کر دیا تھا۔"

جلد ہی نواب لغاری اور شیرازی ماہتاب کی موت کے بعد ملنے والے مفادات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شیرازی نے قصر چانڈیو کے نزدیک ہی ایک کوٹھی کرائے پر لے لی اور اس میں منتقلی کے بعد شیرازی اور بے نظیر پھر قصر چانڈیو آئے اور شیرازی نے خوش بخت کی موجودگی میں سردار چانڈیو کو بتایا کہ وہ ماہتاب کی ہمشکل چاند بی بی سے ہوشیار رہیں جو ان دنوں کراچی کے ایک دماغی امراض کے ہسپتال میں داخل ہے۔ کیونکہ جب سے اُسے ماہتاب کے مرنے کی اطلاع ملی ہے اُس کی ذہنی حالت اور بھی ابتر ہو گئی ہے اور وہ خود کو نواب لغاری کی بیگم کہلوانے پر اصرار کرتی ہے۔ یہ بات بتانے کے بعد شیرازی نے کہا۔

"میں آپ لوگوں کو اس لئے باخبر کر رہا ہوں کہ وہ ایک مرتبہ پہلے بھی ہسپتال سے بھاگ چکی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بار پھر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے اور آپ لوگوں کے لئے پریشانی کا سبب بنے۔"

"او میرے خدا! اگر اس قسم کی دیوانی لڑکی یہاں آ گئی تو میں واقعی مر جاؤں گا۔" سردار چانڈیو متوحش ہو کر بولے۔

لیکن خوش بخت کے لئے یہ خبر خاصی حیران کن تھی۔ تاہم اُس نے شیرازی کے سامنے کسی قسم کے جذباتی مظاہرہ سے گریز کیا البتہ اس ہسپتال کی بابت ضرور استفسار کیا جہاں چاند بی بی داخل تھی۔ شیرازی نے اُس کے استفسار پر قدرے ہچکچاتے ہوئے اُسے ہسپتال کا نام بتا دیا۔

قصر چانڈیو سے بے نظیر اور شیرازی کے جانے کے بعد اُس نے سردار چانڈیو کو بتایا کہ وہ جائیداد کے سلسلے میں اہم مشورے کے لئے جتوئی صاحب کے پاس جا رہی ہے لیکن اُس نے حیدر آباد جانے کے بجائے کراچی کا رخ کیا۔ کار وہ خود ڈرائیو کر رہی تھی۔ کراچی

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

پہنچنے کے بعد اس نے شیرازی کے بتائے ہوئے نفسیاتی کلینک سے رابطہ قائم کیا اور چاند بی بی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُسے مایوسی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی کہ چاند بی بی کے معالج نے اُس سے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔

"خاتون! مجھے افسوس ہے میں آپ کو اس مریضہ سے ملاقات کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ اُس کے سرپرست کی جانب سے ہمیں خصوصی ہدایت کی گئی ہے کہ اُسے کسی سے ملنے نہ دیا جائے۔ تاوقتیکہ اُس کے ذہن سے یہ بات محو نہ ہو جائے کہ وہ بیگم ماہتاب لغاری ہے۔"

"کیا یہ ہدایت آپ کو نواب عالمتاب لغاری کی طرف سے دی گئی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے ڈاکٹر صاحب کہ یہ لڑکی چاند بی بی ہی ہے؟"

"جی بالکل........" ڈاکٹر نے اُس کے سوال پر قدرے حیرانی سے اُسے دیکھا پھر بولا۔ "دراصل یہ لڑکی اس ہسپتال کی ایک پرانی مریضہ ہے جو بدقسمتی سے کچھ عرصہ قبل یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی .... یہ لڑکی اُن ذہنی مریضوں میں سے ہے جو لاعلاج نہیں ہوتے۔ ایسے مریضوں کے ذہن میں اگر کوئی بات بیٹھ جائے تو وہ بہت مشکل سے اُسے بھلا پاتے ہیں .... پہلی مرتبہ جب یہ مریضہ یہاں لائی گئی تو اُس کے ذہن میں شدت سے یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ نواب لغاری اُس کے دشمن ہیں اور اس مرتبہ وہ نواب لغاری کو اپنا دشمن سمجھنے کے ساتھ ساتھ خود کو چاند بی بی کے بجائے نواب لغاری کی اہلیہ مرحومہ ماہتاب لغاری سمجھنے لگی ہے۔"

"مگر ایسا کیوں ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ کسی مفاد پرست نے یہ بات اُس کے ذہن میں ٹھونس دی ہو۔"

"پھر؟"

"پھر کیا ہم کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح یہ لغو خیال اُس کے ذہن سے نکل سکے۔"

"ڈاکٹر صاحب! کیا آپ مجھے ایک بار اُسے دیکھنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے؟" اُس نے لجاجت سے کہا۔

"کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس سے ملنے پر بضد کیوں ہیں؟"

"جی .... جی ہاں .... دراصل میں .... ماہتاب کی بہن ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کون ہے جو خود کو ماہتاب سمجھتی ہے۔"

"اوہ! تب تو یقیناً آپ اُسے دیکھنا چاہتی ہوں گی۔"

ڈاکٹر نے ہسپتال کے ایک ملازم کو بلوایا اور اُسے سسٹر میری کے پاس بھجوا دیا۔ سسٹر میری لان پر تھی جہاں اس وقت چند مریض نرسوں کی نگرانی میں تازہ اور کھلی ہوا میں بیٹھے تھے اُن میں ایک ایسا چہرہ بھی تھا جسے خوش بخت بلا تردد پہچان سکتی تھی۔

اور وہ!

جونہی اُس کی نظر خوش بخت پر پڑی وہ دیوانہ وار دوڑتی ہوئی خوش بخت تک پہنچی اور اُس سے چمٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ماہتاب، میری جان!" خوش بخت کا رواں رواں پکارا۔

ماہتاب کو تو وہ کروڑوں انسانوں کے بیچ پہچان سکتی تھی۔ اُس کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی وہ لڑکی بلاشبہ ماہتاب ہی تھی۔ اس لئے کہ اگر وہ چاند بی بی ہوتی تو یوں دیوانہ وار اس کی آغوش میں نہ سمٹ آتی۔ چاند بی بی کے لئے تو وہ یکسر اجنبی تھی۔ اگر وہ چاند بی بی ہوتی تو اُسے کیوں کر پہچان سکتی تھی۔

سسٹر میری اور اُن کے اردگرد موجود تمام لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران تھے۔ شدت جذبات سے نم ہو جانے والی پلکیں خشک کرتے ہوئے خوش بخت نے سسٹر میری سے سرگوشی میں درخواست کی کہ اُسے چند لمحے اس مریضہ سے بات کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس نے یہ درخواست اس قدر لجاجت سے کی کہ سسٹر میری نے قدرے تامل سے اُسے اجازت دے دی۔

وہ دونوں لان پر ایک جانب الگ تھلگ جا بیٹھیں۔ ماہتاب نے اُس کے استفسار پر

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

کہا۔

"آپا! مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ بس اتنا یاد ہے کہ ایک روز جب میں سو کر اٹھی تو نواب صاحب نے بتایا کہ آپ بے نظیر آنٹی کے ہمراہ حیدر آباد جا چکی ہیں۔ انہوں نے مجھے چچا جان کا ایک خط دکھایا جس میں لکھا تھا کہ میں لطیف آباد جاتے ہوئے بے نظیر آنٹی کے ہاں حیدر آباد میں قیام کروں۔ میں نے انکار کیا مگر نواب صاحب نے زبردستی کی ناچار میں تیار ہو گئی۔ اگلے روز جب میں .... میں جہاز سے حیدر آباد پہنچی تو ائرپورٹ پر شیرازی میرا منتظر تھا۔ اس سے میں نے فوراً آپ کی بابت پوچھا تو اُس نے بتایا کہ آپ میری منتظر ہیں لیکن جب میں اس کے ہمراہ ایک دو منزلہ مکان میں پہنچی تو آنٹی نے بتایا کہ آپ کی حالت اچھی نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی میری حالت غیر ہو گئی۔ اُس وقت انہوں نے مجھے دودھ کا گلاس پلایا۔ پھر مجھے ہوش نہ رہا اور جب ہوش آیا تو میں نے خود کو اس ہسپتال میں پایا۔ آپا یہ ہسپتال والے خدا جانے کیوں میری بات کا یقین نہیں کرتے وہ مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ میں چاند بی بی ہوں۔"

خوش بخت نے اُسے تسلی دی۔ "فکر مت کرو میں جلد ہی تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔"

"آپا! مجھے لگتا ہے اگر میں چند دن اور یہاں رہ گئی تو سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی۔ ایک ڈاکٹر مجھے میز پر لٹا کر گھنٹوں یہی کہلواتا رہتا ہے میں چاند بی بی ہوں۔ یہاں تک کہ میں کہتے کہتے سو جاتی ہوں اور سوتے میں مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں واقعی چاند بی بی ہوں۔"

اُس کی آواز لرز رہی تھی۔

خوش بخت نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے ماہتاب کی جانب بغور دیکھا وہ حد مضمحل اور مایوس نظر آتی تھی۔ اس کے چہرے کی بشاشت تو نواب لغاری سے اُس شادی کے بعد کافور ہونا شروع ہو گئی تھی لیکن اُس سے پہلے اس کے چہرے پر اس مایوسی کبھی نہ دیکھی تھی اس نے۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ وہ بیمار پژمردہ نظر آتی تھی۔ "فکر مت کرو میری جان میں وکیل صاحب سے مل کر مشورہ کر

گی اور تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔" خوش بخت نے اسے دلاسہ دیا۔

"اوہ آپا! میں .... میں .... ایک پل یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتی .... یہ لوگ مجھے پاگل کر دیں گے۔" ماہتاب نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے کہا۔

خوش بخت نے دزدیدہ نگاہوں سے ارد گرد دیکھا۔ سسٹر میری ان سے ذرا فاصلے پر کھڑی تھی۔ لان کے اس پار صدر دروازے پر چوکیدار مستعد کھڑا تھا۔

"میرا بس چلے تو میں ابھی تمہیں یہاں سے لے جاؤں مگر تم دیکھ رہی ہو یہاں سے نکلنا کس قدر مشکل نظر آتا ہے۔"

"کچھ کیجئے .... کچھ بھی کیجئے آپا .... مگر جلدی ...."

خوش بخت اُس کے پاس سے اٹھی۔ سسٹر میری تک پہنچی اور سرگوشی میں بولی۔

"میں آپ سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی فرمایئے۔"

"یہاں نہیں .... کسی خاموش اور پُرسکون جگہ .... دراصل مجھے ایک اہم معاملہ میں آپ کی مدد درکار ہے۔"

سسٹر میری نے اُسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا تو وہ بولی۔ "پلیز! آپ مجھ پر کسی قسم کا شک نہ کریں .... آپ میری مشکل سنیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔"

"آپ کو جو کچھ کہنا ہے یہیں کہیں میں سننے کو تیار ہوں۔"

لیکن جو بات وہ اس سے کہنا چاہتی تھی اور جس طور اُس کی مدد اور تعاون حاصل کرنے کی خواہاں تھی اُس کا اظہار اس قدر آسان نہ تھا۔ اُس کی ہچکچاہٹ اور تامل نے سسٹر میری کی نظروں میں اُسے مشتبہ بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تاہم اُس کے اصرار پر وہ اُسے اپنا پتہ بتانے اور اُس کی بات سننے پر تیار ہو گئی۔

ڈیوٹی آف ہونے کے بعد سسٹر میری اپنے گھر پہنچی تو خوش بخت کو اپنا منتظر پایا۔ قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ خوش بخت نے اسے اپنی مشکل سے آگاہ کیا اور لجاجت سے بولی۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"قصہ دراصل یہ ہے کہ سسٹر کہ وہ لڑکی جو چاند بی بی کے نام سے آپ کے ہسپتال کی مریضہ ہے اصل میں میری بہن ہے جو اپنے لالچی شوہر کے ہاتھوں بدقسمتی سے اس ہسپتال میں داخل کر دی گئی ہے۔ میں اسے یہاں سے نکلوانا چاہتی ہوں لیکن قانونی طریقۂ کار اختیار کرنے میں خاصا وقت بھی درکار ہو گا اور پیچیدگیاں بھی ہوں گی .... یہ طریقہ اختیار کرنے سے میری بہن کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ میری مدد کریں۔"

"کیا مطلب؟" سسٹر میری نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

خوش بخت نے اپنی بات کی وضاحت کی تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں .... نہیں جی یہ نہیں ہو سکتا یہ میری نوکری کا معاملہ ہے۔"

"سسٹر پلیز!" اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"نہیں جی .... یہ نہیں ہو سکتا۔"

"سسٹر! پلیز، ہسپتال اور خصوصاً دماغی امراض کے ہسپتالوں سے مریض کا فرار ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں مشکل یہ ہے کہ اس کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے۔ اگر آپ کسی طرح اسے صدر دروازے سے نکال سکیں تو باقی میں سنبھال لوں گی اور آپ یقین رکھیے آپ کا نام اس سلسلے میں قطعاً نہیں آئے گا۔"

"کیسی بات کر رہی ہیں آپ؟ وہ مریضہ میرے چارج میں ہے اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو میں ہی ذمہ دار ٹھہرائی جاؤں گی .... وہ پہلے بھی ایک مرتبہ بھاگ چکی ہے۔ پہلے ہی کم ہنگامہ ہوا تھا۔"

"یہ وہ لڑکی نہیں ہے سسٹر!"

"جو بھی ہو میں آپ کی مدد نہیں کر سکتی۔" سسٹر میری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"سسٹر! یہ ایک لڑکی کی زندگی کا سوال ہے۔ خدانخواستہ اس قسم کے حالات سے آپ دوچار ہوتیں تو .... میرا مطلب ہے آپ میری جگہ ہوتیں .... خدا کے واسطے۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیئے اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے زیورات اور قیمتی پوشاک میں ملبوس ایک عورت کو یوں گڑگڑاتے دیکھ کر وہ نرم پڑ گئی اور بولی۔

"آپ میری مشکل بھی تو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں اپنے کنبہ کی واحد کفیل ہوں۔ جلد ہی میری بہن کی شادی ہونے والی ہے خدانخواستہ میری نوکری جاتی رہی تو .... کیا ہو گا؟"

"اگر آپ ایک خدا پر یقین رکھتی ہیں اگر آپ ایک خدا کی نام لیوا ہیں تو میری اس بات پر یقین کیجئے سسٹر کہ آپ پر ذرا آنچ نہیں آئے گی۔ حق اور باطل کی آزمائش کرنا چاہتی ہیں تو یسوع مسیح کی خاطر میری مدد کیجئے۔"

سسٹر میری کشمکش میں مبتلا نظر آتی تھی۔

بالآخر اس نے مدد کا وعدہ کر لیا۔

دوسرے دن جب سسٹر میری نائٹ ڈیوٹی پر تھی ہسپتال کے عقبی دروازے کے نزدیک خوش بخت گاڑی میں ماہتاب کی منتظر تھی۔ رات گئے عقبی دروازہ دھیرے سے کھلا اور ماہتاب تیزی سے نکل کر گاڑی کی اگلی نشست پر اپنی عزیز از جان بہن کے پہلو میں آ بیٹھی جس نے کار کا دروازہ ہی نہیں اپنے دل کے دروازے بھی اس کے لئے وا کر رکھے تھے۔

رات کا بقیہ حصہ دونوں نے ہوٹل میں بسر کیا۔ رات بھر وہ دونوں جاگتی رہیں۔ کمرے کے باہر ذرا سی آہٹ پر ان کے دل کانپ اٹھتے تھے۔ خوش بخت کتنی ہی دلیر سہی بالآخر عورت تھی۔

اگلے دن علی الصبح ہوٹل کا بل ادا کرنے کے بعد وہ لطیف آباد روانہ ہو گئیں لیکن جب وہ قصر چانڈیو پہنچیں اور خوش بخت نے سردار مرتضیٰ چانڈیو کو سارا قصہ سنایا تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس لڑکی کو جس کے بارے میں بے نظیر اور شیرازی انہیں از راہ ہمدردی پہلے ہی خبردار کر چکے تھے اپنی بھتیجی تسلیم کرنا تو درکنار اُسے قصر چانڈیو میں رہنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے اور تو اور احباب و اقارب اور قصر چانڈیو کے ان

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

ملازمین نے جن کے ہاتھوں میں وہ پلی بڑھی تھی اسے ماہتاب تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس میں ان کا قصور بھی نہ تھا کیونکہ اپنی دانست میں وہ تو ماہتاب کو منوں مٹی تلے دفنا چکے تھے۔ یوں بھی گزرے دنوں میں ماہتاب پر جو مصائب گزرے تھے انہوں نے ماہتاب کے چہرے کی بشاشت اور طمانیت چھین کر اسے ماہتاب کہاں رہنے دیا تھا۔

سردار چانڈیو کی سرد مہری اور خفگی کے پیش نظر انتہائی مایوسی کے عالم میں خوش بخت نے طے کر لیا کہ کچھ عرصہ کے لئے ماہتاب کو لے کر کہیں اور چلی جائے۔ اسے یقین تھا کچھ دن کسی پُر فضا مقام پر گزارنے کے بعد وہ ذہنی اور جسمانی طور پر بہتر ہو جائے گی اور بذات خود یہ ثابت کر سکے گی کہ وہ ماہتاب ہے۔ ان دنوں تو اس کی حالت یہ تھی کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر رونے لگتی تھی۔ ان حالات میں جبکہ کوئی اسے ماہتاب ماننے کو تیار نہ تھا اس کی ذہنی حالت اور ابتر ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

لیکن ابھی وہ اس سلسلے میں حتمی پروگرام مرتب نہ کر پائی تھی کہ ایک شام اچانک ہی سرفراز قصر چانڈیو آ پہنچا۔ اس کی آمد کی اطلاع پا کر خوش بخت ڈرائنگ روم میں پہنچی تو وہ کبیدہ خاطر نظر آتا تھا۔

"بہت افسوس ہوا ہے مجھے آپ کی ہمشیرہ کی رحلت کی خبر سن کر۔" اس نے رسمی الفاظ میں تعزیت کی۔

"آپ آئے کب؟"

"کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے دوبئی میں کراچی کے ایک اردو اخبار کے ذریعے آپ کی ہمشیرہ کی وفات کی خبر پڑھی تھی میں نے' جو سردار مرتضیٰ علی چانڈیو کی جانب سے احباب و اقارب کو اطلاع کی خاطر چھپی تھی۔ میں پاکستان آیا تو ضروری سمجھا کہ فاتحہ خوانی اور تعزیت کے لئے حاضر ہوں۔"

"سرفراز! کیا تمہیں یقین ہے ماہتاب مر چکی ہے؟"

سرفراز نے چونک کر سر اٹھایا۔ یہ سوال بذات خود چونکا دینے والا تھا اور پھر خوش بخت کا اندازِ تخاطب کتنا مختلف تھا اس نے اسے سرفراز صاحب کہنے کے بجائے صرف

سرفراز کہہ کر مخاطب کیا تھا اور صیغۂ تکلم بھی تو آپ نہیں تھا۔

اُس کے یوں چونکنے پر وہ مسکرائی اور اٹھتے ہوئے بولی۔ "بہتر ہے ہم دونوں اوپر چل کر بات کریں۔"

سرفراز اس کے ہمراہ اوپر پہنچا تو اسے لاؤنج میں بٹھانے کے بعد وہ چلی گئی اور جب کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس کے ہمراہ وہ شناسا صورت تھی جسے وہ ہجوم میں شناخت کر سکتا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا وہ ماہتاب تھی لیکن آنکھیں اس پژمردہ اور مضمحل چہرے کو دیکھ کر سرگوشی کر رہی تھیں کہ ماہتاب تو اتنی پژمردہ کبھی نہ تھی۔ اس قدر مایوسی تو چاند بی بی کے چہرے پر تھی نہ کہ ماہتاب کے۔

پہچانئے؟" خوش بخت نے سکوت توڑا۔

ٹپ .... ٹپ .... ٹپ .... آنسو سیلِ رواں کی مانند ماہتاب کے عارض تر کرتے چلے جا رہے تھے۔

"ماہتاب!" سرفراز نے خواب ناک لہجے میں کہا۔

خوش بخت کا دل بلیوں اچھلنے لگا خود اس سے قطع نظر وہ پہلا شخص تھا جس نے ماہتاب کو شناخت کیا تھا جس نے اُسے برملا ماہتاب تسلیم کیا تھا۔

وہ دونوں اس کے نزدیک آ بیٹھیں۔ ماہتاب اس مسافر کی مانند نظر آتی تھی جو منزل کھو بیٹھا ہو۔ خوش بخت دھیرے دھیرے اسے بیتے دنوں کی بپتا سناتی چلی گئی اور آخر میں آئندہ کے بارے میں اپنے پروگرام سے بھی اسے آگاہ کر دیا۔ جس کی اُس نے نہ صرف تائید کی بلکہ بہت خلوص سے بولا۔

"اگر آپ دونوں مناسب سمجھیں تو مجھے بھی اپنا شریک کر لیں۔"

"سرفراز! تم اسے خودغرضی کہو یا چاپلوسی کا نام دو لیکن سچ پوچھو تو اس وقت یوں لگ رہا ہے جیسے تپتے ہوئے صحرا میں چلتے چلتے نخلستان نظر آ گیا ہو۔ مجھے یہ اقرار کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ہمیں واقعی تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" خوش بخت نے کہا۔

اُسی وقت یہ طے پا گیا کہ کل رات وہ دونوں اس کے ہمراہ کراچی روانہ ہونے کے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

لئے سردار بیگم کی قبر پر اُس سے ملیں گی۔ جہاں سردار بیگم اور چاند بی بی کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے بعد وہ کراچی روانہ ہو جائیں گے۔

"ماہتاب! آپ فکر نہ کیجئے' قصر چانڈیو کے وہ دروازے جو آج آپ پر بند کئے جا رہے ہیں ایک نہ ایک دن آپ کے لئے ضرور کھلیں گے۔" اس نے چلتے ہوئے ماہتاب کو تسلی دی۔

اگلی رات حسب پروگرام وہ دونوں کپڑوں کے چند جوڑے' چند زیورات اور کچھ رقم کے ساتھ قبرستان جا پہنچیں جہاں سرفراز اُن کا منتظر تھا۔ سردار بیگم اور چاند بی بی کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے بعد وہ تینوں ایک نئے عزم سے انجانی منزل کی جانب گامزن ہو گئے۔

خوش بخت نے جو حالات بتائے تھے اُن کے پیشِ نظر سرفراز دو اہم نتائج پر پہنچا تھا پہلی بات تو یہ کہ ماہتاب اور چاند بی بی کے حیرت انگیز حد تک ہمشکل ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک گھناؤنا کھیل کھیلا گیا تھا اور دوسری بات یہ کہ اب جبکہ ماہتاب کی فرضی موت کی صورت میں اُس کی پھوپھی بے نظیر کو بیس لاکھ روپے اور نواب لغاری کو پچاس لاکھ روپے مل چکے ہیں۔ یہ بات قطعاً یقینی تھی کہ وہ اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ان کی حتی الامکان کوشش ہو گی کہ ماہتاب اپنے ہی خواہوں سے جدا کر دی جائے یا اسے گزند پہنچائی جائے گویا ان حالات میں ماہتاب اور اس کے ساتھ ساتھ خوش بخت کا بھی گمنام رہنا ضروری تھا۔

کراچی پہنچنے کے بعد انہوں نے چند دن سرفراز کی اسٹوڈیو نما رہائش گاہ میں قیام کیا لیکن شہر سے دور ویرانے میں ان حالات میں رہنا دانش مندی نہ تھی چنانچہ جلد ہی سرفراز نے ایک گنجان آباد علاقے میں دو کمروں پر مشتمل ایک مکان کرائے پر لے لیا۔ دیارِ غیر سے وہ خاصی معقول رقم ساتھ لایا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا ماہتاب کی خاطر اسے اپنی جان بھی دینی پڑی تو دریغ نہ کرے گا۔ یہ وعدہ تو بہت پہلے وہ ماہتاب سے اور خود اپنے آپ سے کر چکا تھا۔

مکان کرائے پر لیتے وقت خوش بخت نے وہ رقم جو وہ اپنے ہمراہ لائی تھی سرفراز کو دینی چاہی تو اس نے صاف انکار کر دیا اور بولا۔

"مجھے غیریت کا احساس دلانے کی کوشش نہ کریں۔"

محفوظ اور معقول رہائش کا مسئلہ حل ہو جانے کے بعد وہ حیدر آباد جا کر ماہتاب کے وکیل جتوئی صاحب سے ملا اور انہیں اعتماد میں لے کر مکمل حالات سے آگاہ کرنے کے بعد ان کی مدد چاہی تو انہوں نے خاصی جرح کی۔ اُن کا انداز اور پے در پے سوالات یہ ظاہر کر رہے تھے کہ انہیں سرفراز کے بیان پر شبہ تھا اور ماہتاب اُن کے خیال میں واقعتاً مر چکی تھی مگر سرفراز کو اپنے مؤقف پر ڈٹا ہوا پا کر انہوں نے کہا۔

"سرفراز صاحب! فرض کیجئے میں مان بھی لوں کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں درست ہے اور ماہتاب بی بی بقول آپ کے حیات ہیں اور مرنے والی اُن کی ایک ہمشکل خاتون تھی .... تب بھی بحیثیت ایک وکیل کے میرا یہ فرض ہے کہ آپ کو صاف صاف بتا دوں کہ جو واقعات آپ نے بیان کئے ہیں اُن کے پیش نظر عدالت میں اس بات کا دعویٰ تو کیا جا سکتا ہے کہ مرنے والی ماہتاب بی بی نہیں بلکہ اُن کی ہمشکل چاند بی بی تھی لیکن شہادتیں کہاں سے آئیں گی؟"

"سر! اگر آپ ذاتی دلچسپی لیں تو.........."

"ذاتی دلچسپی کی بات نہیں ہے سرفراز صاحب' بے نظیر شیرازی کو بیس لاکھ روپے اور نواب لغاری کو پچاس لاکھ روپے منتقل کرتے وقت ماہتاب بی بی کی موت کی تصدیق کے لئے جس قسم کے ثبوت اور دستاویزات درکار تھیں وہ بلا تردد مجھے فراہم کی گئیں۔ اب اگر آپ یہ دعویٰ بھی کریں تو ماہتاب بی بی کی پھوپھی بے نظیر شیرازی یہ ثابت کر سکتی ہیں کہ ماہتاب کراچی سے لطیف آباد جاتے ہوئے اُن کے گھر ٹھہری تھیں وہاں قیام کے دوران وہ اچانک ہارٹ فیل ہو جانے کے باعث مر گئیں۔ ڈاکٹر جسے ماہتاب بیگم کو دیکھنے کے لئے بلایا گیا تھا اُن کی علالت کی تصدیق کر چکا ہے۔ ہسپتال سے ڈیتھ سرٹیفکیٹ جاری کیا گیا پھر بلدیہ کے متعلقہ شعبہ نے بھی ڈیتھ سرٹیفکیٹ جاری کیا۔ قصر چانڈیو میں ماہتاب

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

کی لاش لے جائی گئی۔ تدفین میں احباب و اقارب اور ملازمین نے شرکت کی اور ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ ماہتاب نہیں تھی۔ قبرستان میں قبر کے سرہانے نصب کتبہ پر واضح طور پر درج ہے کہ اس جگہ بیگم ماہتاب لغاری مدفون ہیں اب آپ بتائیے کہ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ مرنے والی ماہتاب بی بی نہیں تھیں؟ بلکہ اگر آپ سچ پوچھئے تو بعد کے حالات آپ کے دعوے کو قطعاً بے بنیاد بنانے کے لئے بہت کافی ہیں۔ خوش بخت بیگم کو شک گزرتا ہے کہ مرنے والی ان کی بہن نہیں چاند بی بی تھی وہ کراچی کے نفسیاتی ہسپتال بڑی رازداری کے ساتھ جاتی ہیں اور وہاں اپنی بہن کی ہمشکل مریضہ کو اپنی بہن سمجھ کر ساتھ لے آتی ہیں۔ کیا انہوں نے اپنی بہن کو شناخت کرنے کے بعد ہسپتال کی انتظامیہ یا اپنی بہن کے معالج کو اس کی اطلاع دی؟ نہیں۔ کیا اس سلسلے میں انہوں نے قانون کی مدد لی؟ نہیں۔ کیا قصر چانڈیو پہنچنے پر سردار چانڈیو نے اس لڑکی کو اپنی بھتیجی کی حیثیت سے شناخت کیا؟ نہیں۔ بلکہ اُسے قصر چانڈیو سے نکل جانے کا حکم دیا۔ کیا قصر چانڈیو کے ملازمین نے اسے پہچانا؟ نہیں۔ جبکہ وہ وہیں پلی بڑھی تھی۔ پہچانا تو صرف آپ نے اور خوش بخت بیگم نے .... اور جہاں تک آپ کا تعلق ہے آپ نہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ خاندانی دوست بلکہ ماہتاب بی بی کے ایک سابق استاد' آپ کا اور ماہتاب کا یہ تعلق صرف چند ماہ رہا۔ گویا آپ کی گواہی کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں آپ خود سوچئے کہ ان حالات میں اگر اس کیس کو عدالت میں لے جایا بھی جائے تو منطقی انجام کیا نظر آتا ہے؟"

ذرا دیر کو سرفراز گنگ رہ گیا۔ راہ کس قدر دشوار تھی اس کا اندازہ اسے پہلی بار ہوا تھا۔ پہلی بار تمام صورتِ حال قطعاً غیر جانبدارانہ انداز میں اس کے سامنے آئی تھی۔ تاہم وہ ہمت نہیں ہارا اور اس نے کہا۔

"وکیل صاحب! ہم شہادتیں تلاش کر سکتے ہیں نا .... میرے وسائل محدود ہیں مگر عزائم لامحدود۔ میں اپنی سی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

"فرض کیجئے آپ حق پر ہیں اور بقول آپ کے نواب صاحب اور شیرازی نے جال

چلا ہے تب بھی آپ اس حقیقت سے نظر نہیں چرا سکتے کہ مجرمانہ ذہنیت کے حامل افراد شکاری کتوں کی طرح چوکنا رہا کرتے ہیں۔ آپ کی ہر کوشش کے راستے میں کانٹے بچھانے کی کوشش کی جائے گی۔ بفرض محال مرنے والی ماہتاب بی بی نہیں تھیں تب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ماہتاب بی بی اور چاند بی بی اس حد تک مشابہہ تھیں کہ شناخت مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتی ہے آپ یقین کیجئے سرفراز صاحب کیس دلچسپ ضرور ہے مگر قانونی نقطۂ نظر سے اس میں بالکل جان نہیں۔"

سرفراز اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پُرعزم لہجہ میں کہا۔ "وکیل صاحب! اس کیس میں جان ہو یا نہ ہو میں ان بدمعاشوں کو اعتراف جرم پر مجبور کر دوں گا جنہوں نے ایک کمزور عورت کی زندگی اور اس کے مستقبل سے کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ میں ان بدمعاشوں کے مکروہ چہروں سے نقابیں اٹھا دوں گا تاکہ دنیا ان کے چہرے پہچان لے۔"

"مسٹر سرفراز! میں ایک بار پھر آپ کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ غیر ضروری خطرات مول لینے سے گریز کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ.........."

"مجھے یقین ہے کہ خدا میری مدد کرے گا۔"

اتنا کہہ کر وہ وکیل صاحب کے کمرے سے نکل گیا لیکن ابھی وہ جتوئی صاحب کے دفتر سے تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اسے محسوس ہوا دو افراد سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ان میں سے ایک چہرہ جانا پہچانا تھا یہ وہی شخص تھا کہ جو اس کے دوبئی جانے سے قبل اس کا پیچھا کرتا رہا تھا۔ وہ شکل ہی سے کرائے کا بدمعاش نظر آتا تھا۔ ایسی صورت میں جبکہ اس کا تعاقب کیا جا رہا تھا کراچی جانے والی بسوں کے اڈے کی طرف جانا ہرگز دانش مندی نہ تھی۔ اس نے ذرا دیر کو تھم کر اپنے اطراف ایک نظر ڈالی اور سڑک کے کنارے واقع ایک ریسٹوران میں گھس گیا۔

وہ دونوں بدمعاش شام تک اس کے پیچھے لگے رہے۔ شام گہری پڑ جانے کے بعد سرفراز نے ایک رہائشی ہوٹل کا رخ کیا اور انہیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جیسے وہ رات یہیں بسر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن رات گہری پڑ جانے کے بعد وہ کراچی روانہ ہو گیا۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

بس میں سوار ہونے کے بعد اس نے ایک طائرانہ نظر مسافروں پر ڈال کر اپنا اطمینان کرتے ہوئے سوچا۔

"وکیل صاحب واقعی جہاندیدہ آدمی ہیں انہوں نے ٹھیک کہا تھا مجرمانہ ذہنیت کے حامل افراد شکاری کتوں کی طرح چوکنا رہتے ہیں .... نواب لغاری اور شیرازی کو یقین تھا کہ ماہتاب کسی نہ کسی طور وکیل صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گی۔ تب ہی تو انہوں نے اپنے آدمی یہاں تعینات کر رکھے تھے اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ بدمعاش کراچی سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہوں .... اوہ! مجھے حد درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے .... خدا کرے ماہتاب اور خوش بخت بخیریت ہوں۔"

اس نے طے کر لیا کہ کراچی واپسی کے بعد کوئی اور مکان تلاش کرے گا اور وہاں فرضی ناموں سے رہائش اختیار کرنے کے بعد باہر آتے جاتے محتاط رہے گا۔

کراچی پہنچنے کے بعد اس نے خوش بخت کو وکیل صاحب سے ملاقات کا تفصیلی احوال سنانے کے بعد ان دو افراد کا ذکر کیا جو اس کے تعاقب میں رہے تھے تو وہ خاصی متفکر نظر آنے لگی۔

"میرا خیال ہے ہم فوری طور پر یہ مکان بدلنے کی کوشش کریں۔ عین ممکن ہے وہ بدمعاش ہمارا ٹھکانا معلوم کر چکے ہوں اور انہوں نے یہیں سے میرا تعاقب شروع کیا ہو۔"

"کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم کہیں اور چلیں میرا مطلب ہے کراچی سے باہر؟" خوش بخت نے تجویز پیش کی۔

"ہاں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے مگر روزگار کا مسئلہ بھی تو ہے۔ میں چاہتا ہوں ساتھ ہی ساتھ کچھ کام بھی شروع کر دوں تاکہ پیسے کی تنگی نہ ہو۔"

"میرا خیال ہے کچھ دنوں کو تو یہاں سے چلے ہی چلیں خدا رازق .... اور مسبب الاسباب ہے۔"

"ویسے سچ پوچھئے تو مجھے ان دنوں بس ایک ہی جنون ہے کہ کسی طرح نواب لغاری اور شیرازی کو اعتراف جرم پر مجبور کر سکوں۔"

"بہت مشکل نظر آتا ہے یہ۔"

"مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ اگر کسی طرح ہم نواب لغاری کا وہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں جس سے چاند بی بی واقف تھی اور جس سے بقول آپ کے نواب لغاری بے حد خائف ہیں تو .... تو شاید ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ کاش مجھے وہ راز معلوم ہو جائے اور میں نواب لغاری کو اعتراف جرم پر مجبور کر سکوں۔ آپ نے خود ہی تو مجھے بتایا تھا کہ آپ نے ایک دفعہ نواب لغاری کو شیرازی سے یہ کہتے سنا تھا کہ چاند بی بی نے اگر یہ راز کسی کو بتا دیا تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہے گا۔"

"ہاں .... میں نے خود سنا تھا بلکہ محض اسی شبہ میں کہ چاند بی بی نے ماہتاب کو وہ راز بتا دیا ہے نواب لغاری نے ماہتاب بے چاری کو اس کے کمرے میں مقفل کر دیا تھا اور اس کے کسی سے ملنے جلنے پر پابندی لگا دی تھی۔ اگر اس روز میں نے ہنگامہ نہ کیا ہوتا تو شاید وہ ماہتاب کو بند ہی رکھتا۔"

"اوہ..........! کاش چاند بی بی نے وہ راز بتا دیا ہوتا۔" سرفراز کے لہجہ سے تاسف عیاں تھا۔

"اب تو یہ راز معلوم ہونا ناممکن ہے۔"

"ہرگز نہیں .... چاند بی بی ضرور مر گئی ہے لیکن اسے راز جس ذریعے سے معلوم ہوا تھا وہ ذریعہ اب بھی موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں چاند بی بی کی ماں کو تلاش کروں گا اور اس سے وہ راز معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"مگر اس کی ماں..........؟ کیا تمہیں معلوم ہے وہ کہاں رہتی ہے؟"

"تلاش کرنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے .... اتنا مجھے اندازہ ہے کہ وہ ٹھٹھہ یا ٹھٹھہ کے قرب و جوار میں کہیں رہتی ہے۔"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"یعنی اب تم ٹھٹھہ جاؤ گے؟"

"ہم تینوں .... کراچی ہمیں چھوڑنا ہی ہے تو کیوں نہ ٹھٹھہ ہی چلیں ہو سکتا ہے مجھے چاند بی بی کی ماں کو تلاش کرنے اور وہ راز معلوم کرنے کے لئے خاصا وقت درکار ہو ایسی صورت میں آپ دونوں کا بھی وہیں ہونا بہتر ہو گا۔"

انہوں نے رختِ سفر باندھا اور ٹھٹھہ روانہ ہو گئے۔

ٹھٹھہ پہنچنے کے بعد چند دن انہوں نے ایک معمولی سے مسافر خانے میں قیام کیا پھر سرفراز بھاگ دوڑ کے بعد ایک نیم پختہ مکان کرائے پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد سرفراز نے چاند بی بی کے حوالے سے اس کی ماں ماسی جنت کی تلاش شروع کی۔ تپتی دھوپ میں وہ گلی گلی گھومتا پھرتا تا آنکہ وہ ماسی جنت تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

اپنے گھر کے دروازے پر وہ یوں بیٹھی تھی جیسے کسی کی منتظر ہو۔ سرفراز کو دیکھتے ہی اس کے جھریوں بھرے چہرے پر کچھ اس قسم کے تاثرات ابھرے جیسے وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

"ماسی! پہچانیں مجھے، تمہیں یاد ہو گا میں تمہیں اور چاند بی بی کو سردار بیگم کی قبر پر ملا تھا۔"

"ہاں .... ہاں .... سائیں! چاند بی بی کی خبر لائے ہو؟"

"میں تو خود تم سے اس کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔"

"کتنے دن ہو گئے سائیں! اس کی کوئی خبر نہیں ملی میں تو خود اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ خدا معلوم بے چاری کدھر چلی گئی۔" ماسی جنت کے آنسو بہہ نکلے۔

گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر وہ آہستہ سے اٹھی اور اسے اندر گھر میں آنے کی دعوت دیتے ہوئے مڑ گئی۔ وہ اس کی معیت میں اندر بچھی چٹائی پر آ بیٹھا۔ ماسی جنت بار بار ٹھنڈی سانس بھر رہی تھی۔

"ماسی! میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ میں ان لوگوں کو سزا دلوانا چاہتا ہوں جنہوں

نے چاند بی بی پر ظلم کیا تھا۔ ان بدمعاشوں کی وجہ سے میرے ایک بہت اچھے دوست کو بہت تکلیف اٹھانا پڑی ہے مجھے اس سلسلے میں تمہاری مدد چاہئے۔"

"سائیں! بولو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں بوڑھی عورت میرے کو تو بات بھی نہیں کرنا آتی ٹھیک سے .... آپ شہری بابو ہو آپ کو میری مدو کی کیا ضرورت؟"

"ماسی! یہ بتاؤ اس دن قبرستان میں ملاقات کے بعد جب تم دونوں واپس ہوئیں تو پھر کیا ہوا تھا؟"

"پھر سائیں.........!" اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "پھر ہم اگلے ہی دن ٹھٹھہ آ گئے تھے۔ اس کے بعد سائیں بڑے دن گزر گئے ایک روز میں بازار سے کچھ سودا لائی تو گڑ کی شکر کی جو پڑیا تھی نا سائیں اسے جب ہم نے کھولا تو اس میں ماہتاب بی بی اور نواب لغاری کی شادی کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ تصویر دیکھتے ہی چاند بی بی پر دورہ پڑا اور وہ بے ہوش ہو گئی .... پھر اس کو بخار آ گیا سائیں۔ میں نے ڈاگڈر کو دکھایا تو وہ بولا اس کو کراچی لے جاؤ اس کو دل کی بیماری ہے یہ زیادہ دن نہیں جئے گی میں نے بڑی کوشش کی مگر وہ کراچی نہیں جاتی تھی۔ میں نے ڈاگڈر والی بات اس سے چھپائی تھی مگر اس کو تو جیسے آپ ہی پتہ چل گیا تھا۔ بار بار میرے کو بولتی تھی میں مرجاؤں گی مگر مرنے سے پہلے بی بی کو راز ضرور بتا دوں گی۔"

"کیسا راز؟"

"خدا معلوم سائیں! میں بہت پوچھتی تھی مگر وہ میرے کو بتاتی ہی نہیں تھی۔ وہ بولتی تھی میری ماں نے مجھے نواب لغاری کا ایسا راز بتایا ہے کہ میں اسے برباد کر سکتی ہوں۔"

"کیا تم نے اسے ایسا کوئی راز بتایا تھا؟"

"سائیں! میں اس کی ماں نہیں ہوں۔"

"پھر؟"

"میں نے تو اس کو پالا تھا۔ اس کی ماں تو زینت تھی۔"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"کیا چاند بی بی نے تمہیں واقعی وہ راز نہیں بتایا؟"

"سائیں! میرے کو ایسا لگتا ہے اس کو خود کوئی راز معلوم نہیں تھا۔ بس اس کی سمجھ میں پتہ نہیں کدھر سے یہ بات آگئی تھی کہ اس کو کوئی راز معلوم ہے پر اس کو معلوم کچھ نہیں تھا اس کو معلوم ہوتا تو وہ میرے کو ضرور بتاتی۔"

"پھر کیا ہوا؟" .... سرفراز نے بے تابانہ پوچھا۔

"پھر ہم لوگ کراچی گئے۔ میرا بھائی بیمار تھا نا سائیں اس کو دیکھنے جانا تھا۔ چاند بی بی میرے ساتھ تھی۔ ایک دن وہ چپکے سے موتی محل چلی گئی........."

"کیا اس نے موتی محل پہلے بھی دیکھ رکھا تھا؟" سرفراز نے مداخلت کی۔

"ہاں سائیں! وہ میرے کو بتاتی تھی نواب لغاری نے ہسپتال میں داخل کرانے سے پہلے اس کو موتی محل میں بند رکھا تھا۔ سائیں! بی بی کی ایک بات تھی جو راستہ وہ دو مرتبہ دیکھ لیتی پھر بھولتی نہیں تھی .... پھر میں تو اپنے بھائی کی دیکھ بھال میں لگ گئی اور وہ بار بار موتی محل کے چکر لگانے لگی۔ میں اس کو ڈراتی تھی کہ تیرے کو نواب لغاری پکڑ لے گا مگر وہ بولتی تھی مرنا تو ہے مگر میں بی بی کو وہ راز ضرور بتاؤں گی اس چڑی کے پیچھے میں بھی دو بار گئی۔ وہ محل میں چلی جاتی تو میں محل کے ساتھ جھاڑیوں میں چھپ کر اس کا انتظار کرتی تھی۔ ایک دن جب وہ بی بی سے مل کر آ رہی تھی ایک موٹے آدمی نے اس کا پیچھا کیا اس دن میں اُس کے پیچھے نہیں گئی تھی۔ اس نے گھر آ کر میرے کو بتایا کہ وہ بہت تیز بھاگی تھی۔ موٹا آدمی تھوڑی دور اس کے پیچھے آیا پھر چلا گیا۔"

"کیا چاند بی بی اس کو پہچانتی تھی؟"

"ہاں سائیں! وہ بے چارا ماہتاب بی بی کا اپنا آدمی تھا۔ بعد میں اس نے ہماری بڑی مدد کی۔ چاند بی بی چڑی تھی وہ یہ سمجھی کہ نواب لغاری کا آدمی ہے۔ بس وہ جو اس دن بھاگی نا سائیں اس سے اس کی بیماری بڑھ گئی مگر بیماری میں بھی اس کو بی بی کا خیال تھا۔ میرے کو ضد کر کے موتی محل بھیجا کہ بی بی ملیں تو بولنا میں ضرور آؤں گی اور وہ راز بتاؤں گی۔ میرے کو ادھر جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا مگر چاند بی بی سے اتنا پیار تھا کہ میں موتی محل

چلی گئی۔ وہاں وہی بی بی کا آدمی ملا اور اس نے بولا کہ بی بی کہتی ہیں چاند بی بی سے بولو فوراً کراچی سے چلی جائے۔ میں نے اس کو بتایا کہ وہ تو بیمار ہے تو وہ اس کی بیماری کا سن کر میرے ساتھ دیکھنے کو آیا۔ اس نے چاند بی بی کو ڈاگڈر کو دکھایا آپ ہی دوائیاں اور پھل لایا۔ پھر ہم اس کے ساتھ ٹھٹھہ آ گئے اور بی بی کا انتظار کرنے لگے۔ ایک روز ایک عورت میرے گھر آئی اور اس نے مجھ سے بولا کہ ماہتاب بی بی تجھے بلاتی ہیں۔ میں نے کہا چاند بی بی کو بھی؟ اس نے بولا نہیں اسے بعد میں بلائیں گی۔ چاند بی بی نے ضد کی مگر میں اس کو سمجھانے کے بعد اس عورت کے ساتھ چلی گئی۔ راستے میں بازار کے پاس اس نے تانگہ رکوایا اور بولی۔ میں بی بی کے لئے پھل خرید لوں اور بازار میں چلی گئی پھر میں اور تانگے والا ڈھائی تین گھنٹے انتظار کرتے رہے مگر وہ عورت نہیں آئی۔ تانگے والے نے مجھے گالیاں دے کر اتار دیا جب میں گھر آئی تو چاند بی بی نہیں تھی میرے کو بڑی فکر ہوئی کیونکہ اس کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ محلے والوں سے پوچھا تو ایک لڑکے نے بتایا کہ گلی کے نکڑ پر ایک گاڑی کھڑی تھی چاند بی بی ایک آدمی کے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھ کر گئی ہے بس سائیں پھر وہ گھر نہیں آئی۔"

"تم نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی؟"

"سائیں! میں بوڑھی عورت کدھر جاؤں؟ اس کی ماں کو میں نے خط لکھوایا تھا مگر اس نے میرے کو کوئی جواب نہیں دیا۔"

"کیوں؟"

سرفراز کے اس سوال پر وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں چغلی نہیں کر رہی ہوں سائیں مگر اس کی ماں زینت نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ اسے تو گھر بار اور بچی سے زیادہ سنگھار کی فکر رہتی تھی۔ میرا خاوند خدا بخشے کہا کرتا تھا یہ عورت گھر نہیں بسائے گی۔"

"کیا وہ تمہارے پڑوس میں رہا کرتی تھی؟"

"شادی کے بعد زینت کے خاوند غلام علی نے ہمارے ساتھ ہی جھونپڑی ڈال لی

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

تھی۔ پہلے وہ دارالعلوم میں رہتا تھا۔ میرا خاوند غلام علی کا بہت پرانا اور پکا دوست تھا۔"

"غلام علی کام کیا کرتا تھا؟"

"سائیں! وہ قاضی تھا نکاح پڑھاتا تھا اور دارالعلوم میں صبح شام بچوں کو قرآن مجید بھی پڑھایا کرتا تھا۔ بڑا نیک آدمی تھا وہ۔"

"اور زینت؟ غلام علی نے اس سے شادی کب کی تھی؟"

"زینت کا کیا بولوں سائیں؟ .... خدا میرے کو معاف کرے۔ میرا خاوند بتاتا تھا کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔ وہ شادی سے پہلے اتنی بدنام ہو گئی تھی کہ کوئی گاؤں والا اس سے شادی کو تیار نہ ہوتا تھا مگر غلام علی اتنا نیک آدمی تھا کہ اس نے اس سے شادی کر لی۔ شادی کے چھ مہینے بعد ان کے ہاں چاند بی بی پیدا ہوئی.........."

"چھ مہینے بعد!" سرفراز چونکا۔

"ہاں سائیں چھ ماہی بچے بھی تو ہوتے ہیں نا۔ چاند بی بی چھ ماہی تھی .... چاند بی بی کے پیدا ہونے کے بعد ان دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا اور میرے خاوند کی بات سچ ہو گئی۔"

"جھگڑے کا سبب کیا تھا؟"

"دونوں ہی قصوروار تھے۔"

"یعنی زینت اور غلام علی۔"

"نہیں سائیں .... میں دونوں میاں بیوی کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں تو زینت اور نواب لغاری کی بات کر رہی ہوں۔"

"نواب لغاری!" وہ چونک کر بولا۔

"ہاں سائیں۔"

"مگر نواب لغاری کا ان سے کیا تعلق؟ کیا وہ اس زمانے میں ٹھٹھہ میں رہا کرتا تھا؟"

"نہیں سائیں! وہ تو ہمارے لئے بالکل اجنبی تھا وہ پنج موری کے نزدیک ایک مسافر خانے میں آ کر ٹھہرا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ دوسرے شہروں سے اکثر لوگ

تفریح کے لئے آتے ہی رہتے تھے لیکن ایک رات .... جب ہم دونوں میاں بیوی سوئے ہوئے تھے غلام علی نے دروازہ کھڑکا کر ہمیں جگایا اور میرے خاوند کو اپنے ساتھ لے گیا۔ بڑی دیر بعد جب میرا خاوند واپس آیا تو کچھ پریشان نظر آتا تھا۔ میں نے پوچھا تو بولا جنت! میں نے تجھ سے کہا تھا نا یہ عورت غلام علی کا گھر نہیں بسائے گی۔ غلام علی بتا رہا ہے کہ تھوڑی دیر پہلے جب وہ جاگا تو زینت بستر پر نہ تھی۔ اس نے سوچا شاید پانی وانی پینے اٹھی ہو لیکن جب دیر ہو گئی تو اس نے سارے گھر میں دیکھا مگر وہ نہیں ملی۔ وہ بے چارا میرے پاس آ گیا اور مجھے اپنے گھر لے جا کر یہ قصہ سنایا۔ میں نے اس کو مشورہ دیا کہ تھانے میں رپٹ لکھوا دے لیکن جب ہم دونوں رپٹ لکھوانے تھانے جا رہے تھے تو دارالعلوم کی دیوار کے پاس زینت ایک رئیس کے ساتھ پکڑی گئی۔ میں نے حیران ہو کر اپنے خاوند سے کہا۔ رئیس کے ساتھ! تو وہ بولا ہاں پنج موری کے پاس ایک رئیس آ کر ٹھہرا ہے میں اسے پچھلے کئی دنوں سے یہاں دیکھ رہا تھا۔ مسافر خانے کے مالک نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک بڑے رئیس کا بیٹا ہے اور کچھ عرصہ پہلے ہی ولایت سے یہاں آیا ہے۔ یہاں اس کی زمینیں ہیں سنتے ہیں اس کا باپ ولایت میں رہتا تھا اور وہیں مر گیا ہے۔ اپنے خاوند سے میں نے پوچھا مگر زینت کا اس سے کیا تعلق؟ تو وہ بولا جنت! تُو نہیں جانتی اس قسم کی عورتیں کیسی مکار ہوتی ہیں یہ تو شادی سے پہلے ہی اچھی نہیں تھی اب شریف خاوند کی آڑ میں عیاشی کی کوشش کر رہی ہے۔ میں نے پریشان ہو کر کہا اب کیا ہو گا تو میرا خاوند بولا۔ دیکھتی جا نیک بخت کیا ہوتا ہے۔"

"اور صرف دو دن بعد ہی اُن میں خوب جھگڑا ہوا۔"

"کیوں؟"

"ہوا یوں کہ تیسری رات غلام علی نے ان دونوں کو دارالعلوم کے پاس پکڑ لیا۔ بیوی کو تو اُس نے چٹیا سے پکڑ کر زمین پر دے مارا اس لئے کہ کتنا بھی نیک اور شریف کیوں نہ تھا مرد تو تھا غیرت رکھتا تھا اور اُس نے شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لیا اور سنتے ہیں نواب لغاری کا اس نے گریبان پکڑ لیا اور لوگوں سے چیخ چیخ کر بولا۔ ان دونوں کو مار ڈالو

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

انہوں نے گناہ کیا ہے۔ سائیں کہتے ہیں نواب لغاری نے الٹا غلام علی کو خوب مارا سب لوگ تماشہ دیکھتے رہے اور نواب لغاری نے اُسے ٹھوکریں مار مار کر اُس کا برا حال کر دیا اور اُس کے منہ پر تھوک کر چلا گیا۔ سائیں! قسمت کی بات ہے میرا خاوند بھی اس رات حیدر آباد گیا ہوا تھا شاید وہ ہوتا تو غلام علی کو بچا لیتا۔ اگلے روز جب میرا خاوند آیا تو میں نے اُسے سارا قصہ سنایا وہ غلام علی کے گھر گیا مگر غلام علی نہ ملا پھر وہ دارالعلوم گیا مگر وہ وہاں بھی نہ ملا۔ بس .... پھر وہ کبھی نظر نہیں آیا۔ بے چارا غیرت مند آدمی تھا' خدا جانے کدھر منہ کر گیا۔"

"اور زینت؟"

"سائیں! وہ کافی دن اِدھر رہی لیکن محلے میں سے کوئی اس سے بات نہ کرتا تھا۔ سارے مردوں نے اپنی عورتوں کو منع کر دیا تھا کہ اُس سے بات نہ کریں۔ پھر وہ حیدر آباد چلی گئی۔ سنتے ہیں بڑے ٹھاٹھ سے رہتی ہے۔"

"اُس کی گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟"

"خبر نہیں سائیں۔"

"غلام علی نے اپنی بیٹی کی بھی خبر نہیں لی؟"

"اُس نے تو پھر شکل ہی نہیں دکھائی میرا خاوند بولتا تھا بچی کے بارے میں اس کو شک تھا کہ وہ اس کی اولاد نہیں ہے۔"

"اوہ! کیا ایسا ہی تھا؟"

"یہ تو اللہ جانتا ہے سائیں میرے کو کیا معلوم!"

چاند بی بی صورت شکل میں کس سے ملتی تھی میرا مطلب ہے ماں سے یا باپ سے؟"

"کسی سے نہیں۔"

"ہوں........." سرفراز نے ہنکارا بھرا۔

اس کے خیال میں وہ اس راز تک پہنچ چکا تھا جس سے نواب لغاری خائف تھا۔

کیا چاند بی بی نواب لغاری اور زینت کی اولاد تھی؟ لیکن اُس کی شکل ماہتاب سے کیوں ملتی تھی؟

یہ سوال کوڑیالے سانپ کی مانند اُس کے ذہن میں لہرا رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ اُسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ یہی وہ راز تھا جو نواب لغاری کی زندگی کا اہم راز تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اس راز کی صحت کی تصدیق کیوں کر کی جائے؟

"ماسی یہ بتاؤ چاند بی بی تمہارے پاس کب سے تھی؟"

"سائیں! وہ بڑی بدنصیب تھی۔ چھوٹی سی تھی تو باپ چلا گیا۔ بڑی ہوئی تو اُس کی اپنی سگی ماں اُس سے پیار نہیں کرتی تھی۔ زینت بولتی تھی یہ اولاد نہیں ہے میرے پیر کی زنجیر بن گئی ہے مگر چاند بی بی مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ میری اپنی کوئی اولاد نہیں تھی نا سائیں! میں اس کو بہت پیار کرتی تھی وہ بھی اپنی ماں سے زیادہ میرے کو پیار کرتی تھی۔ میرے کو اماں بولتی تھی۔ جب زینت حیدر آباد جانے لگی تو میں نے اُس کی بڑی منت کی کہ اس لڑکی کو مجھے دے دے مگر وہ نہیں مانی اور اُسے ساتھ لے گئی لیکن سائیں آپ کو حیرت ہو گی کہ وہ ماں کے .... پاس سے بھاگ کر میرے پاس آ جاتی تھی۔ کتنی بار تو ریل والوں نے اس کو پکڑا۔ پھر جب وہ پاگلوں کے ہسپتال سے بھاگی تو بھی سیدھی میرے پاس آئی .... سائیں! ایک بات میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی کہ اُس کے دماغ میں کیسی خرابی تھی۔ آپ میری بات کا یقین کرنا جو بات تم اس کو ایک بار سمجھا دو اگر وہ اُس کو غور سے سن کر دماغ میں بٹھا لیتی تو پھر وہ بات کبھی اُس کے دماغ سے نہیں نکلتی تھی۔"

رات سر پر آ رہی تھی۔ سرفراز کا خیال تھا ماسی جنت سے اُسے جتنی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں وہ حاصل کر چکا تھا چنانچہ اس نے اجازت چاہی۔

"سائیں! اس کی کوئی خبر تم کو ملے تو میرے کو ضرور بتانا۔ آپ خود سوچو اس عمر میں میں اس کو کدھر تلاش کرتی پھروں۔ دکھ کی بات ہے نا سائیں! میں نے ہمیشہ اُس کو اپنی اولاد سمجھا لیکن آج کتنے دن ہو گئے میرے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا.........؟" بڑی بی کی آواز بھرا رہی تھی۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

سرفراز کا جی چاہا اُسے جھوٹی تسلی دے دے لیکن اگلے ہی لمحہ یہ خیال برق کی مانند اُس کے ذہن میں کوندا کہ حقیقت آج نہیں تو کل کھلنی ہی تھی وہ لمحہ' وہ سچا لمحہ یہی کیوں نہ ہو چنانچہ اُس نے آزردگی سے کہا۔

"ماسی! مجھے یقین ہے اس دنیا میں اس کے دکھ پورے ہو چکے ہیں۔"

وہ مونڈھے پر ڈھے گئی اس نے سر دیوار سے ٹکا دیا اور کپکپاتی آواز میں بولی۔

"آپ کو کس نے بتایا سائیں؟"

"مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا لیکن چند باتیں ایسی ہیں جو اس وقت میں آپ کو نہیں بتا سکتا لیکن سمجھ لو کہ چاند بی بی مر چکی ہے۔"

"اُسے کس نے مارا؟"

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ بات تو آنے والا وقت بتائے گا کہ اُسے کسی نے مارا ہے یا وہ آپ اپنی موت مری ہے۔ البتہ اُسے بہت احترام کے ساتھ اُسی جگہ دفن کیا گیا ہے جہاں دفن ہونے کی اُسے آرزو تھی۔"

"ہائے' وہ مر گئی ایسی جوانی کی موت اور میں اس کی موت کی خبر سننے کو زندہ رہی۔ مالک! تُو نے مجھے یہ خبر سننے کو کیوں زندہ رکھا۔ اُس کا پہلا چولا میں نے ہی تو سیا تھا۔ میں نے ہی اُسے چلنا سکھایا تھا اور جب اس نے ماں کہنا سیکھا تو پہلی بار میرے کو ہی ماں بولا تھا۔ یااللہ وہ گئی اور میں رہ گئی۔" اس نے دونوں ہاتھ سینے پر مارے۔

وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

سرفراز کا دل اُس کی آہ و زاری پر کڑھ رہا تھا۔ کس قدر دل شکستہ اور حرماں نصیب نظر آتی تھی وہ۔

"ماسی! تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے چاند بی بی کے بارے میں مجھے اتنی باتیں بتائیں۔ تم فکر مت کرو میں اس کے دشمن سے انتقام لے کر رہوں گا۔ اب اگر تم مجھے زینت کا پتہ بتا سکو تو بڑی مہربانی ہو گی۔"

سرفراز کے اس سوال پر ماسی جنت کے چہرے پر بکھرے حزن و ملال کے سایوں کی

جگہ خوف اور حیرانی نے لے لی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا تھم گئے اور وہ بولی۔

"اس کا پتہ کیوں چاہئے؟"

"ماسی! میں نے بتایا نا تمہیں کہ چاند بی بی کی موت کی آڑ میں میری ایک عزیزہ کو زندہ درگور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مجھے اُس کی مدد کرنی ہے اور اُس کے لئے مجھے نواب لغاری کا وہ راز معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ راز صرف اور صرف زینت ہی بتا سکتی ہے۔"

"سائیں! وہ اچھی عورت نہیں ہے۔ آپ اُس کے پاس جانے کی غلطی مت کرنا۔"

"میرا اُس کے پاس جانا بہت ضروری ہے ماسی!" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"میرے کو لگتا ہے سائیں آپ اُس کے پاس ضرور جاؤ گے۔ میں نے پتہ نہیں بھی بتایا تو بھی تم اس کو تلاش کر لو گے۔ ٹھہرو میں پتہ دیتی ہوں۔"

وہ اٹھی اور طاق میں سے کاغذ کا ایک مڑا تڑا سا پرزہ لا کر اُسے تھماتے ہوئے بولی۔

"اس پر زینت کا پتہ لکھا ہے۔ تم اپنے پاس لکھ لو اور میرے کو دے دو ہو سکتا ہے کبھی خط لکھوانے کی ضرورت پڑ جائے مجھے .... ہو سکتا ہے چاند بی بی واپس آ جائے۔"

سرفراز نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پتہ اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے لگا۔

وہ گھر پہنچا تو خوش بخت اور ماہتاب دونوں اس کی منتظر تھیں۔ تاہم فوری طور پر نہ خوش بخت نے کچھ پوچھا نہ اُس نے بتایا۔ وہ دونوں ہی ماہتاب کے سامنے اس قسم کی باتوں کے تذکرے سے محتاط رہتے تھے۔ انہیں اندازہ تھا وہ ذہنی طور پر بہت بکھری ہوئی تھی اور ایسے میں معمولی سی فکر بھی اُس پر اعصابی تناؤ طاری کر سکتی تھی لیکن ماہتاب بچی نہ تھی وہ جانتی تھی سرفراز اُسی کی خاطر مارا مارا پھر رہا تھا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آیا تو خوش بخت باورچی خانے میں کھانا گرم کر رہی تھی۔ ماہتاب کمرے میں بچھی دری پر کسی مجسمہ کی مانند ساکت و جامد بیٹھی دیوار سے ٹیک لگائے چھت کو گھور رہی تھی۔

"کیا بات ہے ماہتاب؟"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

سرفراز کے اس سوال کے جواب میں موٹے موٹے آنسو اُس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

"اوہو! پھر وہی حماقت تم تو بہت حوصلے والی عورت ہو رو کر خود کو بزدلوں میں شمار کرانا چاہتی ہو کیا؟" سرفراز اُس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا آپ اور آپا کب تک میرا ساتھ دیں گے۔ ایک دن .... ایک نہ ایک دن تو آپ لوگ بھی اکتا ہی جائیں گے۔ بدنصیبی کا ساتھ کوئی کب تک دے سکتا ہے۔" وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"تمہیں یاد ہے ماہتاب میں نے بہت پہلے ایک بار تم سے کہا تھا کہ اگر میں اپنی پوری زندگی کے عوض بھی تمہیں ایک پل کی خوشی فراہم کر سکا تو یہ میری خوش نصیبی ہو گی۔ میں آج بھی اپنے اسی عہد پر قائم ہوں۔ کیا تم مجھے یہ احساس دلانا چاہتی ہو کہ میں غیر ہوں اور مجھے اپنی حدود میں رہنا چاہیئے۔"

"نہیں .... ایسا نہیں ہے۔ آپ کو میں نے کبھی غیر نہیں جانا لیکن میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتی۔"

"ارے! میں تمہیں پریشان نظر آ رہا ہوں۔" وہ ہنسا۔

"میرا جی چاہتا ہے مر جاؤں۔ خدا کے واسطے مجھ پر اتنا کرم کیجیئے کہ کہیں سے زہر لا دیں۔"

وہ سسک سسک کر رو پڑی۔

تب ہی خوش بخت کھانا لے آئی۔ روٹی کی چنگیر اور سالن کی پلیٹ دری پر رکھنے کے بعد وہ ماہتاب کا شانہ تھپتھپا کر بولی۔

"میری جان سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ رو رو کر تو تم اپنی آنکھیں برباد کر لو گی۔ خدا اپنے پیارے بندوں ہی کو آزمائش میں ڈالتا ہے' ہمیں اُس کی آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

خاصی دیر وہ دونوں اُسے سمجھاتے رہے۔ خوش بخت کے اصرار پر وہ منہ ہاتھ دھو کر

کھانا کھانے کے لئے سرفراز کے سامنے آ کر بیٹھی تو یہ عزم کہ وہ ماہتاب کو اُس کا اصل مقام دلوا کر رہے گا اُس کے دل کی گہرائیوں میں دور تک پھیل گیا۔ کون کہہ سکتا تھا شاہزادیوں کی طرح زندگی گزارنے والی یہ نرم و نازک لڑکی ان حالات کا شکار ہو گی۔ اُس کا جی چاہا اٹھے اور اس سر تا پا سوگوار حسن کو گلے سے لگا لے مگر کس ناتے وہ ایسا کرنے کی جرأت کرتا؟

کھانے کے بعد وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ ماہتاب کی شرکت اس گفتگو میں برائے نام تھی اس نے سننے پر اکتفا کیا۔ پھر خوش بخت نے اُسے خواب آور گولی دی جس کے بغیر وہ ان دنوں سو ہی نہ پاتی تھی۔ اس کے سونے کے بعد سرفراز نے دھیرے دھیرے ماسی جنت سے اپنی ملاقات کا احوال خوش بخت کو سنا دیا اور بولا۔

"میں کل یا پرسوں چاند بی بی کی ماں زینت کے پاس جا رہا ہوں۔"

"سرفراز! جب تم باہر چلے جاتے ہو تو میں ڈرتی رہتی ہوں۔ مجھے یہی خوف ستاتا رہتا ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دیا جائے۔"

"اللہ مالک ہے۔ آپ دعا کرتی رہا کیجیئے۔ خدا نے چاہا تو ماہتاب کے بدخواہوں کو ان کے کئے کی سزا مل کر رہے گی۔ آپ میری فکر قطعاً نہ کیجیئے البتہ ماہتاب کے ذہن سے بُرے دنوں کی یادیں مندمل کرنے کی کوشش کیجیئے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسا مرحلہ آئے کہ ہمیں ماہتاب کو سامنے لانے کی ضرورت پڑ جائے ایسے موقع پر ماہتاب کا نارمل ہونا ضروری ہے۔"

"میں کوشش کر رہی ہوں لیکن ہسپتال والوں نے جس طرح اُسے ٹریٹ کرنے کی کوشش کی تھی اُس کے اثرات دیر ہی سے ختم ہوں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ماہتاب کو وہاں سے نکال لائی ورنہ یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ کچھ دن اور وہاں رہ جاتی تو بڑی مشکل ہو جاتی۔"

☆======☆======☆

اگلے دن سرفراز ان دونوں کے لئے کم از کم دو ہفتے کی اجناس خرید لایا تاکہ اُس کے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

جانے کے بعد انہیں کھانے پینے کی دقت نہ ہو۔ ماہتاب کو اُس نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ ایک کنٹریکٹ کے سلسلے میں کراچی جا رہا ہے اور اگلی صبح حیدر آباد روانہ ہو گیا۔ دوپہر کے لگ بھگ وہ ماسی جنت کے دیئے ہوئے پتہ پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے شہر کے وسط میں واقع اس اوسط درجہ کے مکان کے دروازے پر دستک دی تو ایک عمر رسیدہ عورت نے دروازہ کھولا۔

"زینت بیگم تم ہی ہو؟"

"نہیں سائیں! ہم تو نوکر ہے۔ مالکن اندر ہے مالکن سے ملو گے؟"

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عورت نیم وا دروازے پر اُسے کھڑا چھوڑ کر اندر چلی گئی اور ذرا دیر بعد ہی ادھ کھلے دروازے تک آئی اور اُسے اپنے ہمراہ اندر لے گئی۔ وہ ملازمہ کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوا تو اُس نے خود کو ایک چالیس پینتالیس سالہ عورت کے روبرو پایا۔

کمرے کی آرائش اچھی خاصی تھی وہ ایک کھلی کھڑکی کے نزدیک بیٹھی سیب چھیلنے میں مصروف تھی۔ کھڑکی گلی میں کھلتی تھی اور گلی کا منظر واضح تھا۔ سرفراز کے اندر داخل ہونے پر اُس نے پیشانی پر تیوریاں ڈالتے ہوئے اُسے ناقدانہ نگاہوں سے دیکھا۔ اُس سے قبل کہ سرفراز کچھ کہتا اُس نے کرخت لہجہ میں یہ پوچھ کر اُسے حیران کر دیا۔

"کیا تم مجھ سے میری بیٹی کے بارے میں کچھ کہنے آئے ہو؟"

سرفراز اُس کے سوال کا جواب دینے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اُس نے پہلے سے زیادہ ناگوار تاثرات کے ساتھ کہا۔

"جو کچھ کہنا چاہتے ہو جلدی کہو اور جاؤ۔"

"آپ مجھے بیٹھنے کی اجازت تو دیں گی؟"

"بیٹھو۔"

اُس نے انتہائی ناگواری سے اُس پر سر سے پاؤں تک ایک نظر ڈالی۔ اُس کے لہجہ اور نگاہوں کی کاٹ ایسی تھی کہ وہ تلملا کر رہ گیا۔ اُسے یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہیں

ہوئی کہ اس عورت سے نرمی سے بات نہیں بنے گی چنانچہ اُس نے آپ کے بجائے تم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم جانتی ہو کہ تمہاری بیٹی کچھ عرصہ سے لاپتہ ہے؟"

"کیا تم مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ وہ مر چکی ہے؟"

سرفراز ہونقوں کی طرح اُس کا منہ دیکھتا رہا گیا پھر درشتی سے بولا۔ "مجھے حیرت ہے کہ میں ایک ماں کو اپنی اولاد کے بارے میں اس قسم کی گفتگو کرتے سن رہا ہوں۔"

"تمہیں میری بیٹی سے دلچسپی کیا ہے آخر؟"

"وہی جو ایک ہمدرد انسان کو کسی مصیبت کے مارے انسان سے ہو سکتی ہے۔"

"تمہیں میرا پتہ کس نے دیا؟" وہ سیب کی قاش منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"آدمی ڈھونڈنے پر آئے تو خدا بھی مل جاتا ہے تم تو ایک معمولی عورت ہو۔"

"اوہ! مجھے یقین ہے یہ حماقت جنت نے کی ہو گی کیا اسی نے تمہیں یہاں بھیجا ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر کیوں آئے ہو تم؟ کیا دلچسپی ہے تمہیں میری بیٹی سے؟ تم اس سے کس طرح واقف ہو؟"

"میں نے ایک رات اس بدنصیب لڑکی کی مدد کی تھی۔"

"انتہائی حماقت کی تھی تم نے۔"

"میرا خیال تھا ایک ماں ہونے کے ناتے تم یہ ضرور جاننا چاہتی ہو گی کہ اس بدنصیب لڑکی پر کیا گزری؟ وہ کیسے مری؟ اور کیا ہوا؟"

"بات کو الجھاؤ مت۔ سیدھی سیدھی بات کرو۔ تمہیں چاند بی بی کی گمشدگی' اس کے مرنے یا جینے سے کیا دلچسپی ہے؟" وہ شیرنی کی طرح دھاڑی۔

"اگر تم سننا ہی چاہتی ہو تو سنو مجھے چاند بی بی کی موت سے اس لئے دلچسپی ہے کہ اُس کی موت کی آڑ میں میری ایک عزیزہ کی زندگی سے کھیلنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُسے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

جیتے جی مردہ قرار دے دیا گیا ہے اور اس گھناؤنے فعل میں دو افراد ملوث ہیں جن میں سے ایک نواب لغاری ہے۔ میں ان دونوں بدمعاشوں کو اُن کے کئے کی سزا دلوا کر رہوں گا۔"

"مجھے اس سے کیا غرض یہ تمہارا معاملہ ہے۔"

"بلاشبہ میرا ہی معاملہ ہے لیکن تم اس قدر غیر جانبدار ہرگز نہیں ہو جتنی نظر آنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مجھے نواب لغاری کے ماضی کے بارے میں معلومات درکار ہیں اور مجھے یقین ہے اس سلسلے میں تمہارے علاوہ میری مدد کوئی نہیں کر سکتا۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"بکواس نہیں تلخ حقیقت کہو .... نواب لغاری کے ماضی کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے وہ تمہیں بتانا ہو گا ورنہ........."

"ورنہ کیا......... کیا تم مجھے رسوا کر دو گے؟ اگر تم یہی دھمکی دینا چاہ رہے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے دھمکا کر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکو گے اور میں تمہیں نواب لغاری کے بارے میں جھوٹے سچے افسانے سناؤں گی۔ میں کوئی ڈگڈگی نہیں ہوں۔ کیا سمجھے تم؟ اس میں شک نہیں کہ ایک غلط فہمی نے مجھے پستی میں دھکیل دیا تھا لیکن طویل ریاضت کے بعد میں ان پستیوں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہوں اور اب جو کچھ میں ہوں وہ شاید تمہارے گمان میں بھی نہ ہو گا۔ میں باجی اللہ والی کہلاتی ہوں۔ ہر مہینے میری جانب سے یتیموں کے لئے پلاؤ زردے کی دو دیگیں یتیم خانے بھیجی جاتی ہیں۔ قرب و جوار کی عورتیں مجھ سے وظائف سیکھنے آتی ہیں۔ علی الصباح میرے دروازے پر بے شمار عورتیں اپنے اور اپنے بچوں پر دم کروانے کے لئے موجود ہوتی ہیں۔ محلے کی مسجد کا مؤذن اور امام میری اس کھڑکی کے نزدیک سے گزرتے ہوئے جو دن بھر کھلی رہتی ہے، مجھے سلام کرنا نہیں بھولتے۔ میں نے کچھ کھویا ہے تو کچھ پایا بھی ہے۔ میری ایک آواز پر محلے کے نوجوان لڑکے اور مرد تمہارا حلیہ بگاڑنے کے لئے یہاں موجود ہوں گے، وہ دیکھو......... کیا نام ہے تمہارا.........؟ سامنے مسجد کا مؤذن آ رہا ہے تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا وہ کتنی تعظیم دیتا ہے مجھے؟"

سرفراز لب سر بمہر کئے بیٹھا رہا۔ چند لمحے خاموش بیت گئے۔ کچھ دیر بعد ایک باریش نورانی چہرے والا آدمی کھڑکی کے نزدیک سے گزرا تو اُس نے باآواز بلند کہا۔

"السلام علیکم باجی اللہ والی۔"

"وعلیکم السلام۔" بڑے رعب داب سے جواب دیا گیا۔

"دیکھا تم نے؟" وہ مؤذن کے آگے بڑھ جانے کے بعد فخریہ نگاہوں سے سرفراز کی جانب دیکھ کر بولی پھر اُس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے پامال کر دیا گیا تھا لیکن میں نے عہد کیا تھا کہ میں اپنا مقام حاصل کر کے رہوں گی۔ اُس کے لئے میں نے کئی برس ریاضت کی اور آخرکار ایک مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ ایک غلط فہمی کے سبب میرا سر جھکا دیا گیا تھا لیکن اب .... میں لوگوں سے سر اٹھا کر بات کرتی ہوں۔ میں اُن سے برابر کی سطح پر ملتی ہوں۔ لوگ میرے بارے میں پیٹھ پیچھے کیا کہتے ہوں گے اس کی مجھے پرواہ نہیں، میرے سامنے کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ میرے بارے میں ایک لفظ بھی غلط کہہ سکے۔ میں چاہوں تو تمہیں دھکے دے کر نکلوا سکتی ہوں۔"

"آپ میری جانب سے کسی غلط فہمی کی شکار نہ ہوں۔" سرفراز نے اُس کے لئے تم کے بجائے آپ کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "میں تو نواب لغاری کو سزا دلوانا چاہتا ہوں۔ کاش آپ جان سکتیں کہ وہ کس قدر مکار آدمی ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر تمہیں اُس سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو جاؤ اُس سے جا کر نمٹو مجھ سے کیا لینے آئے ہو۔ میں دوسروں کے معاملات میں دخل دینا پسند نہیں کرتی۔"

"لگتا ہے آپ نواب لغاری سے خوفزدہ ہیں۔"

"یہ تمہاری بھول ہے میں کبھی کسی سے خوفزدہ نہیں ہوئی۔"

"کسی اور میں اور نواب لغاری میں بہت فرق ہے۔ نواب کو سوسائٹی میں ایک بلند مقام حاصل ہے وہ ایک بڑے رئیس کی اولاد ہے اور ایک اونچے خاندان کا چشم و چراغ .... اس کے بارے میں کوئی بھی آسانی سے لب کشائی نہیں کر سکتا۔"

"ہونہہ! اونچا خاندان۔" اُس کا لہجہ انتہائی ترش اور انداز تحقیر آمیز تھا۔ جس

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

حقارت سے اس نے آخری چند الفاظ کہے وہ خاصے معنی خیز تھے لیکن اُس نے بظاہر اُسے کوئی اہمیت نہ دی اور سپاٹ لہجے میں بولا۔

"میں نواب لغاری کے خاندان کے بارے میں کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتا مجھے اس سلسلے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں۔"

"کورے تو تم نواب لغاری کے سلسلے میں بھی نظر آتے ہو۔"

"نہیں یہ بات آپ وثوق سے نہیں کہہ سکتیں۔ نواب لغاری کے بارے میں بہرحال میں تھوڑا بہت ضرور جانتا ہوں۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ مجھے یقین ہے وہ چاند بی بی کا باپ تھا۔"

ذرا دیر کو وہ کسی مجسمہ کی مانند بے حس و حرکت بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی پھر گود میں رکھی پلیٹ مسہری پر رکھتی شعلہ بار نگاہوں سے اُسے دیکھتی زخمی شیرنی کی مانند اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے دہانے کے گوشے تھرک رہے تھے۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ سرفراز کا گلا دبا دیتی۔

"تم .... تم .... تمہاری .... یہ مجال کیسے ہوئی کہ تم .... اِس قسم کی بات کہہ سکو .... تم نے چاند بی بی کے باپ کے بارے میں کچھ کہنے کی جرأت کیسے کی .... تمہیں اس کے باپ کے بارے میں کیا معلوم .... جاؤ .... چلے جاؤ .... دفع ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گی .... چلے جاؤ۔" وہ دانت پیستی ہوئی غصے کے عالم میں بولی۔

سرفراز ان لمحوں کی قدر و قیمت اور اہمیت سے آشنا تھا۔ اُسے احساس تھا لوہا گرم ہے چنانچہ اُس نے بھرپور ضرب لگائی۔ "میرے خیال میں اب آپ یہ بتانے میں زیادہ تامل سے کام نہیں لیں گی کہ نواب لغاری کو آپ کب سے جانتی ہیں؟"

"دفع ہو جاؤ .... چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

"میں چلا جاؤں گا بشرطیکہ آپ یہ بتا دیں کہ دارالعلوم کے باغ میں نواب لغاری سے

آپ کی خفیہ ملاقاتوں کا مقصد کیا تھا .... کیا تمہیں گناہ کے لئے وہی جگہ ملی تھی؟"

زخمی شیرنی کی طرح بپھری ہوئی وہ عورت ریت کے ڈھیر کی طرح بکھر گئی .... اپنا سر ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اُس نے شکستہ لہجہ میں کہا۔

"میرے خاوند کو بھی یہی غلط فہمی ہوئی تھی .... حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"پھر .... پھر کیا بات تھی؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتی .... میں کچھ نہیں بتا سکتی .... میں شاید کبھی کچھ نہ بتا سکوں۔"

"کیا واقعی .... نواب لغاری چاند بی بی کا باپ نہیں؟"

"اوہ! چاند بی بی کے باپ کے بارے میں کچھ مت کہو۔ تم اُسے نہیں جانتے .... نہیں جانتے تم اُسے۔" وہ ذہنی اذیت کی شکار نظر آتی تھی۔

"پھر حجرے میں نواب لغاری آپ کے ساتھ کیوں پایا گیا تھا؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔

"کیا واقعی آپ کچھ نہیں بتائیں گی؟"

"نہیں۔"

"کیا آپ واقعی نواب لغاری کے کسی راز سے واقف ہیں؟" سرفراز نے اُسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

آن کی آن میں اُس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ خوفزدہ نظر آتی تھی۔ اُس نے سرفراز کی جانب دیکھے بغیر ہی کہا۔

"میں کچھ نہیں بتا سکتی لیکن یہ یقین رکھو کہ جو کچھ تم نے کہا یا جو دنیا نے سمجھا تھا میرے نزدیک وہ ایک ناقابلِ برداشت گالی ہے۔"

"میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ میں جا رہا ہوں لیکن یہ یاد رکھئے گا کہ آپ کی اور نواب لغاری کی خفیہ ملاقاتوں کا راز چھپا نہیں رہے گا میں یہ راز دریافت کر کے رہوں گا

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

.... ہو سکتا ہے کہ جلد ہی نواب لغاری کی بابت کوئی اہم خبر آپ تک پہنچے۔" وہ اُس کے چہرے کو گھورتے ہوئے بولا۔

"اُس کا نام مت لو مجھے اُس سے نفرت ہے۔"

زینت کی اس بات پر سرفراز کا چونکنا یقینی تھا۔

وہ تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا لیکن جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ زبان نہیں کھولے گی تو وہ اُس کے نزدیک جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔ "خدا حافظ۔" اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

زینت کے مکان سے نکل کر وہ تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ ایک طویل القامت شخص اس کے عقب سے آیا اور جان بوجھ کر کندھا ٹکراتا آگے نکل گیا۔

"کیا بات ہے بھائی آنکھیں ہیں یا..........؟"

ابھی اس کا جملہ نامکمل ہی تھا کہ وہ شخص مڑا۔ سرفراز کو اُسے پہچاننے میں دیر نہیں لگی یہ انہی دو آدمیوں میں سے ایک تھا جو کچھ عرصے سے مستقل اُس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ وہ شعلہ بار نگاہوں سے سرفراز کو دیکھتا اُس کے نزدیک آیا اور بلا تردد اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اس سے قبل کہ سرفراز مدافعت کرتا اُس کے عقب سے ایک دوسرا شخص جھپٹا اور انہوں نے اندھا دھند اس پر گھونسے برسانا شروع کر دیئے۔ راہگیروں نے بیچ بچاؤ کرانا چاہا مگر وہ دونوں اچھل اچھل کر اس کے چہرے پر اور پیٹ میں گھونسے برساتے رہے۔

"کیا بات ہے بھائی کیوں مار رہے ہو بے چارے کو؟" راہ گیروں نے اظہارِ تاسف کیا۔

"اجی! یہ بدمعاشی کرتا ہے۔ راستہ چلتے چلتے خواہ مخواہ شعبدہ بازی کرتا ہے۔ سالا کندھا مارتا ہے۔"

انہوں نے سرفراز کو کچھ کہنے کی مہلت ہی نہ دی اور مار مار کے ادھ موا کر دیا اور پھر آناً فاناً گلی سے گزرتے ایک خالی رکشہ کو روک کر اس میں سوار ہوئے اور فرار ہو گئے۔ سرفراز وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس کا نچلا ہونٹ بری طرح پھٹ گیا تھا۔ بائیں آنکھ

کے پپوٹے پر خاصی ضرب لگی تھی۔ ایک دانت ہل گیا تھا اور جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ ہجوم منتشر ہونے لگا لیکن دو تین آدمی اُس کے نزدیک کھڑے رہے۔ وہ اس سانحہ کی تفصیلات جاننے کے لئے مضطرب تھے لیکن سرفراز نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ ان بدمعاشوں سے قطعاً ناواقف ہے۔

"ہاں بھائی! غنڈہ گردی عام ہو گئی ہے شریف آدمی تو اب سڑک پر بھی نہیں چل سکتا۔" ایک بڑے میاں نے اظہارِ ہمدردی کیا۔

ایک نوجوان لڑکا اُسے قریبی ڈاکٹر کے پاس لے گیا جس نے مرہم پٹی کر کے رخصت کر دیا۔ وہاں سے سرفراز ایک لمباری ہوٹل پہنچا اور گرم گرم چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اُس نے آپ ہی آپ سوچا۔

"تو گویا نواب لغاری نے اپنے کارندے میرے پیچھے سائے کی طرح لگا رکھے ہیں۔ بڑا بدمعاش ہے یہ نواب لغاری .... اسے یقین تھا میں زینت کے پاس ضرور پہنچوں گا .... خیر میرے ساتھ جو مرضی آئے کریں لیکن اُن کے ناپاک ہاتھ خوش بخت اور مہتاب تک نہیں پہنچنے چاہئیں۔"

شام سر پر تھی وہ رات گزارنے کے لئے کسی مسافر خانے کی تلاش میں نکلا اور جلد ہی اوسط درجہ کے ایک مسافر خانے میں خاصی غیر معقول شرح پر رات کا کھانا اور پلنگ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

رات گئے تک اس کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا رہا۔ زینت کے کہے ہوئے لفظ بازگشت کی صورت میں بار بار اُس کے ذہن میں ابھر رہے تھے۔ ڈوب رہے تھے۔ اُس کے چہرے کے مختلف تاثرات سرفراز کے تصور میں ہر بار ایک نئے سوال کے ساتھ موجود ہوتے۔ خاصی ذہنی تگ و دو کے بعد بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ زینت اور نواب لغاری کے پاس کوئی ایسا راز تھا جس کا تعلق نواب لغاری کی ماں سے تھا۔ کیونکہ جہاں تک نواب لغاری کے باپ کا تعلق تھا وہ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے ایسی صورت میں زینت بیگم کا طنزاً یہ کہنا "ہونہہ! معزز خاندان!.........." خاصا معنی خیز تھا۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"ہو سکتا ہے نواب لغاری کے والد نے کسی ایسی ویسی عورت سے شادی کر لی ہو۔"

اُس نے سوچا۔

صبح جب وہ بمشکل دو گھنٹے سونے کے بعد بیدار ہوا تو چوٹوں کی تکلیف میں اضافہ ہو چکا تھا لیکن اُسے اپنی تکلیف سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ زینت سے ملاقات کے نتیجہ میں ذہن میں جاگزیں ہو جانے والے اس شبہہ کی تصدیق کیسے ہو جس کا تعلق نواب لغاری کی ماں سے تھا۔

اس کے استفسار پر ایک بار خوش بخت نے بتایا تھا کہ نواب لغاری سے سردار چانڈیو کی محض دوستی تھی۔ ان کے درمیان دور پار کی رشتہ داری یا خاندانی تعلقات ہرگز نہ تھے۔ نوابِ لغاری کے والد نواب آفتاب لغاری پیدائشی طور پر بدہیئت تھے۔ ان کی پیٹھ پر ایک بدنما کوبڑ تھا۔ وہ کوتاہ قامت اور کریہہ الصورت تھے۔ ان کے بازو غیر معمولی طور پر چھوٹے اور ہاتھ غائب تھے۔ جسمانی عیوب کی بنا پر وہ اوائل عمر ہی سے شدید قسم کے احساسِ کمتری میں مبتلا تھے۔ ان کا حلقۂ احباب نہ ہونے کے برابر تھا۔ احساسِ کمتری کے باعث وہ اپنے خاندان والوں سے بھی ملنے سے کتراتے تھے۔ خلاف طبیعت ذرا سی بات انہیں ازحد مشتعل کر دیا کرتی تھی۔ اُن کے والد نے اپنی زندگی ہی میں موتی محل ان کے نام کر دیا تھا۔ نواب آفتاب لغاری تقریباً بیس سال کی عمر میں اپنے آبائی گاؤں سے کراچی آ گئے تھے۔ ان کے والد نے ان کے اخراجات کے لئے خاصی معقول رقم مقرر کر رکھی تھی۔ باپ کی موت کے بعد انہیں پنج موری کے نزدیک کچھ زرعی زمین اور کئی لاکھ کا ترکہ ملا تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہی اپنے حصے کی زمین فروخت کر کے خاموشی سے شادی کرنے کے بعد وہ ولایت چلے گئے جہاں سے پھر کبھی وہ وطن واپس نہیں آئے۔ نواب لغاری بھی ولایت میں پیدا ہوئے اور نوجوانی کی عمر تک وہیں رہے۔ والدین کے انتقال کے بعد نواب لغاری پاکستان آ گئے تھے اور یہیں کراچی میں اُن کی ملاقات سردار چانڈیو سے ہوئی جو بعد میں ایسی رفاقت میں تبدیل ہوئی کہ بستر مرگ پر سردار صاحب نے اپنی کامنی سی بیٹی ماہتاب کا ہاتھ نواب لغاری کے ہاتھ میں دے دیا۔ جو اپنے والد کے

قدم پر چلتے ہوئے اپنے خاندان والوں سے بالکل کٹ کر زندگی گزار رہے تھے۔

☆======☆======☆

اگلے دن وہ فجر کے دھندلکے میں ٹھٹھہ روانہ ہو گیا۔ وہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا۔ وہ کسی طور پر نہیں چاہتا تھا کہ نواب لغاری کے کارندے ٹھٹھہ میں اُس کے ٹھکانے کا پتہ لگا سکیں۔ چنانچہ بس اسٹاپ سے گھر کا رخ کرنے کے بجائے وہ خاصا لمبا چکر کاٹنے کے بعد بہت احتیاط کے ساتھ گھر پہنچا۔

خوش بخت نے دروازے میں موجود شگاف سے جھانک کر اطمینان کر لینے کے بعد ہی دروازہ کھولا۔

"کوئی اہم خبر؟" اُس نے سرفراز کے اندر آتے ہی بے تابانہ پوچھا۔

"ابھی ہم تفتیشی مراحل میں ہیں۔" سرفراز نے دھیرے سے کہا۔

وہ اندر پہنچا تو ماہتاب ایک تصویر بنانے میں مصروف تھی۔ تکمیل کے مراحل میں ایزل پر موجود تصویر میں ایک خزاں رسیدہ درخت اپنی تمام تر ویرانیوں اور بدرنگی سمیت موجود تھا۔ یہ تصویر بلاشبہ ماہتاب کی اندرونی کیفیات کی مظہر تھی خود وہ بھی تو اُن دنوں کسی خزاں رسیدہ درخت کی مانند ویران اور لنج منج نظر آتی تھی۔

"معزز خاتون! یہ موسم خزاں نہیں ہے۔" سرفراز نے بشاشت سے کہا۔

"نہ سہی ہم تو خزاؤں میں گھرے بیٹھے ہیں۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"ایک سچے آرٹسٹ کا کمال تو یہی ہے کہ وہ دیکھنے والے کو زندگی کے حسن سے گرم جوش مصافحہ پر مجبور کر دے۔"

وہ مسکرا دی لیکن یوں جیسے ستارہ ٹوٹ کر تاریکیوں میں گم ہو جائے۔ پھر ایک نظر سرفراز پر ڈال کر بولی۔ "جس نمائش میں آپ گئے تھے وہ کیسی رہی؟"

"فرسٹ کلاس۔" اس نے خوش بخت کی جانب دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

وہ کچھ نہیں بولی لیکن آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ "میں سب جانتی ہوں۔"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

دن تمام ہوا رات کے کھانے کے بعد ماہتاب جلد ہی سو گئی۔ سرفراز باہر آنگن میں بیٹھا رات گئے تک خوش بخت کو زینت سے ملاقات کی روداد سنانے کے بعد باتیں کرتا رہا۔ وہ اس کے اس خیال سے متفق نظر آتی تھی کہ نواب لغاری کے راز کا تعلق اس کی ماں سے ہی تھا لیکن اب سوال یہ تھا کہ نواب لغاری کی ماں کے بارے میں تفصیلات کہاں سے معلوم ہوں۔

خاصی دیر سوچ بچار کے بعد سرفراز نے خوش بخت سے پوچھا۔

"کیا آپ نواب لغاری کے عزیزوں سے واقف ہیں؟"

"نہیں .... البتہ میں نے سنا ہے کہ خیرپور میں نواب آفتاب لغاری کے ایک بھائی رہتے ہیں۔"

"ان کا پتہ کس طرح چلے؟"

"چنداں دشوار نہیں' ان کا شمار خیرپور کی مقتدر ہستیوں میں ہوتا ہے۔"

"کیا نام ہے اُن کا؟"

"نواب اورنگ زیب لغاری۔"

"نام تو سنا ہوا لگتا ہے .... یہ وہ تو نہیں جو سیاستدان بھی رہے ہیں؟"

"وہی ہیں۔"

"ہوں .... تو اس کا مطلب یہ ہے اب مجھے خیرپور جانا ہو گا۔"

"سرفراز! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ مشکلات اور خطرے مول نہ لیں' نواب لغاری اچھا آدمی نہیں ہے مجھے خوف آتا ہے کہ........"

"خوش بخت بہن! انسان کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اُس کی موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

"وہ تو ہے مگر احتیاط بھی تو لازم ہے۔ زندگی خدا کی امانت ہے اُس کی حفاظت لازم ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔ آپ فکر نہ کیجئے۔"

اگلے دن سرفراز نے ضرورت کا کچھ سامان خرید کر گھر پہنچایا اور خیرپور جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"میری وجہ سے آپ کو کتنی پریشانی اٹھانا پڑ رہی ہے۔" ماہتاب بوجھل لہجہ میں بولی۔

"میں .... مجھے .... کیسی پریشانی؟ میں تو اپنے ایک ذاتی کام کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔"

"میں بچی نہیں ہوں سرفراز! ایک شاطر اور عیار مرد کے ساتھ کچھ عرصہ گزارنے کے بعد مجھ میں حالات سے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت آ گئی ہے۔ میں جانتی ہوں آپ .... لیکن خدا نخواستہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچی تو میں کبھی اپنے آپ کو معاف نہ کروں گی۔"

"اگر تم جانتی ہی ہو تو ٹھیک ہے .... حوصلہ رکھو ماہتاب .... ہمت نہ ہارو اور دعا کرتی رہو۔ خدا ہماری مدد کرے گا۔" سرفراز نے سمجھایا۔

خیرپور پہنچنے کے بعد اُسے نواب اورنگ زیب لغاری تک پہنچنے میں کچھ دقت ضرور ہوئی مگر وہ ہمت نہ ہارا۔ نواب اورنگزیب لغاری ستر بہتر برس کے لگ بھگ تھے لیکن اس عمر میں بھی اُن کا رعب داب قابل دید تھا۔ ان کے چہرے پر متانت اور ٹھہراؤ تھا۔ اپنا تعارف کرانے کے بعد سرفراز نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"نواب صاحب! انتہائی معذرت کے ساتھ آپ سے ایک نجی نوعیت کا استفسار کرنا چاہتا ہوں۔"

اُس کی اِس بات پر ان کے چہرے پر شکنوں میں اضافہ ہو گیا اور وہ سپاٹ لہجہ میں بولے۔ "کیا بات ہے؟"

"نواب صاحب! .... میں .... میں نواب آفتاب لغاری مرحوم کی اہلیہ کے بارے میں جاننے کی جسارت کر رہا ہوں۔"

آن کی آن میں نواب اورنگ زیب کا چہرہ تمتما اٹھا۔ بوڑھی آنکھوں میں غیض و غضب لشکارے مارنے لگا اور انہوں نے کرختگی سے پوچھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"نواب صاحب! آپ کا تعاون میری ایک عزیزہ کا مستقبل بلکہ اُس کی پوری زندگی بچا سکتا ہے۔ اُسے نئی زندگی دلوا سکتا ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"نواب صاحب! مجھے آپ کے خاندانی وقار کا تہہ دل سے احساس ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے یہ جرأت نہیں کرنی چاہئے تھی لیکن نواب آفتاب لغاری کے صاحب زادے نواب عالمتاب لغاری کی اہلیہ بدقسمتی سے میری ایک عزیزہ ہیں اور ان دنوں وہ ایک ناگہانی افتاد کی شکار ہیں اُن کی مدد کی خاطر.........."

لیکن اُس کی بات پوری سننے سے قبل ہی نواب صاحب بولے۔

"ٹھیک ہے.......... ٹھیک ہے آپ جس نیت سے بھی آئے ہوں میں آپ کی مدد کرنے سے یکسر قاصر ہوں جہاں تک عالمتاب کا تعلق ہے میں اُس سے کبھی نہیں ملا۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں۔ میری اپنی مصروفیات اتنی ہیں کہ مجھے اس عمر میں بھی فرصت نہیں۔ ایسی صورت میں، میں آپ کیا مدد کر سکتا ہوں سوائے یہ کہنے کے کہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میرے بھائی نے شادی کی بھی تھی یا نہیں۔"

سرفراز اُن کے آخری جملے پر چونک کر رہ گیا۔

نواب صاحب کے اندازِ گفتگو سے اس کے لئے یہ اندازہ کرنا محال نہ تھا کہ نواب عالمتاب لغاری کے بارے میں اُن کی رائے اچھی نہ تھی۔ نواب صاحب کے رعب و جلال اور اُن کی محل نما کوٹھی، کے رعب و جلال نے اُسے مزید کچھ پوچھنے کی اجازت نہ دی۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"شکریہ نواب صاحب! میں اجازت چاہوں گا۔"

"دیکھو نا صاحب زادے تمام زندگی اپنوں سے کٹ کر رہنے والے ایک ایسے شخص کی موت کے بعد جو ایک نہ دو پورے پچیس سال وطن سے باہر رہا ہو اور وہیں مر بھی گیا ہو کوئی بھی یہ دعویٰ کر سکتا تھا کہ وہ اُس کی اولاد ہے اور جائیداد کا وارث بھی۔"

اب کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ نیم خم ہوتے ہوئے اُس نے نیازمندانہ

اظہار کے ساتھ اجازت چاہی اور "لغاری ہاؤس" سے باہر نکل آیا۔

وہ ہواؤں کے دوش پر سوار تھا۔ آپ ہی آپ اُس نے بڑے اشتیاق سے سوچا۔

"صرف اور صرف ایک جملہ نواب لغاری سے اُس کی عزت، شہرت اور دولت سب کچھ چھین لینے کو کافی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ نواب آفتاب لغاری کی اولاد نہیں ہے۔

لیکن اس کا ثبوت؟ اس سوال نے اگلے ہی لحہ اُس کے ذہن میں سر اٹھایا۔

"میں زینت کو اس راز کی پردہ کشائی.......... اس کی تصدیق پر مجبور کر دوں گا۔" اس نے فیصلہ کن لہجہ میں سوچا۔

اور ایک بار پھر وہ زینت کے پاس جا پہنچا۔

"پھر آ گئے تم!" وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"زینت بیگم صاحبہ! آپ کو یہ جان کر یقیناً مسرت ہو گی کہ بالآخر میں نے نواب لغاری کا وہ راز دریافت کر لیا ہے جس کی امین آپ ہیں۔"

اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"نواب آفتاب لغاری نے شادی نہیں کی تھی اور نواب عالمتاب لغاری اُن کی اولاد نہیں ہے یہی ہے نا وہ راز؟"

"بکواس کرتے ہو تم۔ نواب آفتاب نے شادی کی تھی۔" اُس نے پُرزور تردید کی۔

"کیا آپ اُن کی شادی میں شریک تھیں؟"

"میں.......... میں.......... میرا اُس سے کیا تعلق؟"

"پھر آپ اتنے وثوق سے یہ بات کیسے کہہ رہی ہیں؟"

"مجھے معلوم ہے۔"

"کیسے؟.......... کیسے معلوم ہے آپ کو؟ اُن کی شادی کے وقت تو شاید آپ ایک چھوٹی سی بچی ہوں گی۔"

"بکواس مت کرو۔ مجھے معلوم ہے اُن کی شادی ہوئی تھی۔"

"ثبوت؟"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"دارالعلوم کے نکاح رجسٹر میں اندراج موجود ہے آج سے بیالیس سال پہلے مولانا جوکھیو نے ان کا نکاح پڑھایا تھا۔"

"آپ کو یہ بات کیسے معلوم؟"

سرفراز کے اس سوال پر وہ بوکھلا گئی۔ وہ اپنا ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ "جاتے ہو یا دھکے دے کر نکلواؤں تمہیں؟"

"اس کی ضرورت نہیں میں خود جا رہا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا اور باہر نکل گیا اُس کا دماغ اس وقت پوری طرح کام کر رہا تھا۔

جو کچھ اب تک سامنے آیا وہ اُس کے لئے خاصا حیران کن تھا۔ نواب اورنگ زیب لغاری نے جو بات کہی تھی وہ تو اُس کے گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی لیکن زینت نے کس قدر وثوق سے اِس بات کی تردید کی تھی اور نہ صرف تردید بلکہ کامل یقین کے ساتھ کہا تھا کہ نکاح رجسٹر میں اندراج موجود ہے لیکن جب اُس نے زینت سے یہ پوچھا کہ یہ بات اُسے کیوں کر معلوم ہے تو اس کی بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔ پھر وہ جھنجلا کر بولی تھی جاتے ہو یا دھکے دے کر نکلواؤں۔ اس لمحہ اُس نے سرفراز کو رعب میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن اُس کے چہرے پر چھائی مردنی نے اُس کے خوفزدہ ہونے کی چغلی کھائی تھی۔

زینت نے آخر یہ بات اس قدر وثوق سے کیسے کہی؟

کیا نواب لغاری کی ماں یا آفتاب لغاری سے اِس کا کوئی تعلق تھا؟

کیا نواب آفتاب لغاری نے ٹھٹھہ میں شادی کی تھی؟

یہ اور اس قسم کے ان تمام سوالوں کا جواب جو اس وقت اُس کے ذہن میں سر اٹھا رہے تھے۔ اگر کہیں سے مل سکتا تھا تو وہ نکاح رجسٹر ہی تھا۔ بڑی عجیب بات تھی جوں جوں سرفراز پیش قدمی کرتا تھا حالات اور واقعات اسی قدر معنی خیز اور تعجب انگیز صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ عقیدہ کشائی کی لگن اُسے کشاں کشاں ٹھٹھہ کے دارالعلوم تک لے گئی۔

دارالعلوم کے مہتمم مولانا وقارالدین سولنگی کے انتظار میں، اُسے کئی گھنٹے دارالعلوم

کے برآمدے میں بیٹھنا پڑا۔ مولانا سولنگی اپنے کسی شاگرد کی رسم آمین کے سلسلے میں مدعو تھے۔ مغرب کے بعد جب وہ واپس ہوئے تو سرفراز نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ مولانا صاحب انتہائی خوش مزاج اور باتونی لگتے تھے۔ سرفراز کی بات سن کر انہوں نے کہا۔

"صاحب! میں کل صبح ہی آپ کو پرانے رجسٹر دکھا سکوں گا۔ اس لئے کہ پرانے رجسٹر اندر الماری میں ہیں اور اتنی بوسیدہ حالت میں ہیں کہ انہیں بہت احتیاط سے نکالنا پڑے گا۔"

"مولانا صاحب! آپ کے پاس کتنے پرانے اندراجات مل سکتے ہیں؟"

"دیکھیں سائیں! جتنی پرانی بات آپ کر رہے ہیں عام طور پر اتنے پرانے اندراجات نہیں ملا کرتے لیکن خوش قسمتی سے اس دارالعلوم کا انتظام گزشتہ کئی دہائیوں سے کسی نہ کسی ذمہ دار شخص کی زیر نگرانی میں رہا ہے۔ اس لئے ممکن ہے آپ کو مطلوبہ اندراج مل جائے۔ گزشتہ بیس بائیس سال سے تو میں مہتمم ہوں۔ مجھ سے پہلے مولانا اسلام علی ہوا کرتے تھے۔ وہ بڑے ذمہ دار اور فرض شناس آدمی تھے اور اُن سے پہلے مولانا ابراہیم علی جوکھیو ہوا کرتے تھے۔ مولانا جوکھیو کے بارے میں تو میں نے سنا ہے کہ مرحوم بہت خوش خط اور مرصع قلمی نکاح نامے خود تیار کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دستاویز نہ صرف فریقین بلکہ اُن کی آئندہ نسلوں کے لئے بھی ایک یادگار ہوا کرتی ہے۔ مولانا جوکھیو کے بعد مولانا غلام علی مہتمم مقرر ہوئے اُن کی فرض شناسی کی تو آج بھی مثالیں دی جاتی ہیں۔ انہوں نے تو نہ صرف اپنے زمانے کے بلکہ مولانا جوکھیو کے زمانے کے رجسٹروں کی بھی نقلیں تیار کی تھیں۔"

"وہ کس لئے؟"

"سائیں! میں نے سنا ہے کہ ایک دفعہ کمشنر صاحب کی عدالت میں ایک ہاری نے گاؤں کی ایک خوبرو دوشیزہ پر اپنی زوجہ ہونے کا دعویٰ دائر کیا۔ جبکہ لڑکی انکار کرتی تھی۔ اس زمانے میں نہ تو آج کل کی طرح نکاح فارم ہوتے تھے اور نہ اُن کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ قاضی صاحبان نکاح پڑھا کر دعائے خیر کر دیا کرتے تھے اور بس۔ اب جو یہ مقدمہ

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

چاہا تو مولانا جوکھیو صاحب کو عدالت میں طلب کیا گیا۔ جنہوں نے بقول اس شخص کے نکاح پڑھایا تھا۔ بدقسمتی سے اس وقت مولانا جوکھیو حیات نہ تھے لیکن اس شخص کی خوش قسمتی تھی کہ اُن کے زمانے کا نکاح رجسٹر جملہ اندراجات' فریقین کے انگوٹھوں کے نشانات اور گواہوں کے دستخطوں کے ساتھ موجود تھا۔ وہ شخص بے چارا مولانا غلام علی کے پاس آیا اور درخواست کی کہ وہ چل کر شہادت دیں۔ مولانا غلام علی صاحب عدالت میں گئے اور گواہی دی۔ فیصلہ اس شخص کے حق میں ہوگیا۔ اس موقع پر وکیل صاحب نے مولانا غلام علی سے کہا کہ اگر وہ دارالعلوم میں موجود تمام نکاح رجسٹروں کے اندراجات کی نقل کر کے اُن کے دفتر میں جمع کرا دیں تو یہ ایک بڑا کام ہو گا کیونکہ دارالعلوم میں ان رجسٹروں کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ تھا جبکہ وکیل صاحب کے دفتر میں اہم دستاویزات کی حفاظت کا پورا پورا انتظام تھا۔ مولانا غلام علی نے دن رات ایک کر کے اُن اندراجات کی نقل تیار کی اور تمام نقول وکیل صاحب کے دفتر میں جمع کرا دیں۔ اُس کے بعد وہ سال بہ سال نقل جمع کرواتے رہے۔ وکیل سومرو صاحب مولانا غلام علی صاحب کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے کیونکہ گاؤں کے زیادہ تر مقدمے وکیل صاحب ہی کے پاس جایا کرتے تھے۔ ان نقلوں سے انہیں بڑی آسانی ہو گئی تھی۔"

"مولانا صاحب! جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے میں نے تو یہی سنا ہے کہ ہر نکاح کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور اُسے رجسٹر بھی کیا جاتا تھا۔"

"سائیں! ایسا تو اب ہونے لگا ہے نا.......... آپ جس زمانے کی بات کر رہے ہیں اس زمانے میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا۔"

"اچھا......... یہ فرمایئے مولانا صاحب کل میں کس وقت آپ سے ملوں؟"

"آپ صبح کسی بھی وقت آ جاؤ سائیں رہتے کہاں ہو آپ؟"

"میں تو کراچی سے آیا ہوں۔"

"صرف اسی کام کے لئے؟"

"جی ہاں۔"

"کیا کوئی مقدمہ وغیرہ ہے جس کے لئے ضرورت پڑ گئی؟"

"یوں ہی سمجھئے۔"

"پھر آپ ایسا کرو سائیں عشاء کی نماز کے بعد مجھ سے مل لو میں آپ کو رجسٹر دکھا دوں گا۔"

"بڑی مہربانی آپ کی۔"

مولانا صاحب دارالعلوم کے احاطے میں موجود اپنے مکان کی جانب چلے گئے اور سرفراز مسجد کے صحن میں جا بیٹھا۔

عشاء کی نماز کے بعد سرفراز مولانا صاحب کی طرف لپکا مگر اسی دوران مولانا صاحب از خود چند دوسرے افراد کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔ سرفراز کو ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔ دوران گفتگو مولانا صاحب نے اسے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ وہ وہیں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ فراغت پا کر مولانا صاحب اس کی طرف آئے اور بولے۔

"میں نے کھانا یہیں منگوا لیا ہے کھانے کے بعد آپ کو اندر لے چلوں گا۔"

"آپ نے ناحق تکلیف کی۔"

"ارے بھائی تکلیف کیسی؟ میزبانی کا شرف تو بڑی مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔"

ذرا دیر بعد ایک لڑکا تھال میں کھانا سجائے آ پہنچا۔ مولانا صاحب نے سرفراز کے ساتھ صحن مسجد میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ وہ کھانے کے بعد اُسے اپنے ہمراہ حجرہ میں لے گئے۔ حجرہ میں بلب روشن تھا۔ حجرہ خاصا تنگ تھا۔ مغربی دیوار میں ایک چوبی دروازہ موجود تھا جس پر موٹا سا آہنی تالا لٹک رہا تھا۔ مولانا صاحب نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر تالے کی چابی انگلیوں کے بیچ تھامی اور تالا کھولنے کے لئے نیم خم ہو گئے۔ تالا کھولنے کے لئے انہیں خاصی جدوجہد کرنی پڑی۔

"یہ تالا بھی بس یونہی ہے میرا ایک شاگرد کہا کرتا ہے مولانا سائیں! یہ تالا تو آپ جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو دے دیں تاکہ کسی قیدی کے بھاگنے کا امکان نہ رہے۔"

مولانا صاحب کی اس بات پر سرفراز مسکرا کر رہ گیا۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"اور یہ دروازہ تو کم از کم ساٹھ ستر سال پرانا ہے اس کی ٹیڑھی کیلوں سے بس میں ہی واقف ہوں یعنی اگر اندر سے بند ہو جائے تو لگتا ہے جام ہو کر رہ گیا۔ جب تک آپ اسے ایک خاص طریقے سے اٹھا کر اوپر کی سمت نہ دبائیں کھلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔" مولانا صاحب نے مزید کہا۔

خاصی تگ و دو کے بعد بالآخر دروازہ کھل گیا۔

"سائیں! اندر آ جاؤ آپ .... مگر ذرا دیکھ کے اندر روشنی کا انتظام نہیں ہے۔"

سرفراز اندر داخل ہو گیا۔ اندر بڑا اندھیرا تھا۔ حجرے سے آنے والی روشنی اس تنگ و تاریک کوٹھری کی دہلیز ہی نیم روشن کر پا رہی تھی۔ سرفراز نے جیب سے ماچس کی ڈبیا نکال کر ایک تیلی جلائی اور اس تنگ و تاریک کوٹھری کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ اس کوٹھری کی تین دیواروں میں طاق تھے جن میں قرآن مجید' سپارے اور انتہائی بوسیدہ مجلد کتابیں دھری تھیں۔ ایک بڑے سے طاق میں اوپر تلے کئی خستہ حال رجسٹر رکھے تھے۔ کوٹھری کی فضا میں پرانے کاغذوں کی مخصوص بو رچی بسی تھی۔

دیا سلائی کی لو تھرتھرانے لگی اور دھیرے دھیرے ماند پڑ گئی تو سرفراز نے دوسری تیلی جلائی۔ مولانا سولنگی صاحب نے طاق میں اوپر تلے رکھے رجسٹروں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہیں تمام رجسٹر آپ کو بیالیس برس قبل کا اندراج مطلوب ہے نا؟"

"جی ہاں۔"

سرفراز نے بجھتی ہوئی تیلی پھینک کر نئی تیلی جلائی اور مولانا صاحب کے نزدیک جا کھڑا ہوا۔ انہوں نے تلاش کے بعد ایک ضخیم رجسٹر نکالا اور بولے۔

"سائیں! آپ خود دیکھ لو۔ میری نظر اتنی کام نہیں کرتی آپ ماشاء اللہ جوان آدمی ہو۔ آؤ حجرہ میں چل کر بیٹھتے ہیں اُدھر آپ آرام سے دیکھ لینا۔"

سرفراز ان کے ہمراہ حجرہ میں پہنچا اور فرش پر بچھی چٹائی پر بیٹھ کر اس نے صدق دل سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے رجسٹر کا پہلا صفحہ کھول لیا۔ مولانا سولنگی اس کے نزدیک ہی

دو زانو ہو بیٹھے۔ سرفراز ورق پر ورق الٹتا چلا گیا اور ہر اندراج کا بغور جائزہ لیتا رہا لیکن ڈیڑھ گھنٹے کی محنت کے بعد جب وہ آخری صفحہ پر پہنچا تو مطلوبہ اندراج نایافت تھا۔ سرفراز نے مایوسی کے عالم میں سر اٹھاتے ہوئے مولانا سے کہا۔

"مولانا صاحب! اس رجسٹر میں تو میں مطلوبہ اندراج نہیں پا سکا۔ ممکن ہے ایک سال آگے یا پیچھے ہو۔ آپ کو زحمت تو ہو گی لیکن اگر آپ مجھے دوسرے رجسٹر دیکھنے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو میں تمام عمر شکر گزار رہوں گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم اس کام کو صبح کر لیں۔"

"بہتر۔"

"آپ کا قیام کہاں ہے؟"

"میں .... دراصل آج ہی یہاں پہنچا تھا اور سیدھا آپ ہی کے پاس آیا۔ رات کو میں دارالعلوم کے برآمدے ہی میں پڑ رہوں گا۔"

"سائیں! آپ میرے غریب خانے پر چلو' چار قدم کا فاصلہ ہے۔"

"آپ کو زحمت ہو گی۔"

"زحمت کیسی بابا؟ آپ کا اپنا گھر ہے۔"

مولانا صاحب نے رجسٹر واپس طاق میں رکھا۔ دروازہ مقفل کیا اور سرفراز کو لے کر اپنے مکان تک پہنچے۔

"سائیں! میری رفیقہ حیات مر چکی ہے۔ بچے شادی بیاہ کے بعد اپنے اپنے گھر کے ہو گئے۔ اب تو میں ہوں اور دارالعلوم بس رات گزارنے کو یہاں آ جاتا ہوں۔" مولانا سولنگی نے کہا۔

"مجھے ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ اس درجہ تعاون فرمائیں گے۔"

"سائیں! چار دن کی زندگی ہے اس میں بھی اگر آدمی کسی کے کام نہ آ سکے تو ایسی زندگی کا فائدہ!"

"لوگ اس نہج پر سوچنے لگیں تو یہ دنیا گلزار بن جائے' مولانا صاحب!" سرفراز

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

مولانا سولنگی سے از حد متاثر نظر آتا تھا۔

اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد مولانا صاحب اُسے اپنے ہمراہ لے کر پھر حجرہ میں پہنچے اور حسب سابق بدقت تمام کوٹھری کا دروازہ کھولنے کے بعد انہوں نے سرفراز سے کہا۔

"سائیں! میں رجسٹر آپ کو نکال دیتا ہوں۔ پھر آپ اپنا کام کرنا اور میں تلاوت کروں گا۔ اپنے کام کے بعد ناشتہ کریں گے ٹھیک ہے نا!"

سرفراز نے تائید میں سر ہلا دیا۔ مولانا صاحب نے چالیس' اکتالیس اور تینتالیس برس قبل کے رجسٹر نکالے اور سرفراز کے حوالے کر دیئے۔ وہ حجرہ میں آ بیٹھا اور ورق گردانی کرنے لگا۔ مولانا صاحب اُس کے قریب ہی بیٹھ کر تلاوت کرنے لگے۔

یکے بعد دیگرے سینکڑوں اوراق پلٹنے کے بعد بالآخر اکتالیس برس قبل کے اس رجسٹر میں ایک صفحہ پر اُسے مطلوبہ اندراج مل گیا۔ یہ نواب آفتاب لغاری سکنہ کراچی اور آسیہ بی بی ولد علی محمد چنا سکنہ ٹھٹھہ کے نکاح کا اندراج تھا۔ صفحہ نمبر ایک سو سینتالیس کے زیریں حصے میں موجود یہ اندراج تنگی داماں کا شاکی نظر آتا تھا۔ اس رجسٹر میں ہر اندراج کے بعد ایک سطر خالی چھوڑ دی گئی تھی یہ شاید اس لئے کہ کیا گیا تھا کہ ایک ہی نظر میں یہ معلوم ہو سکے کہ کوئی اندراج کہاں سے شروع ہوا اور کہاں ختم ہوا۔

سرفراز نے اپنے مطلوبہ اندراج کا اس کے محل وقوع کے لحاظ سے بغور معائنہ کیا۔ ہر اندراج کے شروع میں دائیں جانب موجود نمبر شمار کے خانہ میں نمبر شمار لکھے ہوئے تھے۔ صفحہ نمبر ایک سو سینتالیس پر نمبر شمار کے لحاظ سے دو سو تیئیسویں نمبر پر حسن اتفاق سے سرفراز ہی کے ایک ہم نام اور خدیجہ بی بی کے نکاح کا اندراج تھا۔ اُس کے نیچے نواب آفتاب لغاری اور آسیہ بی بی کے نکاح کا اندراج تھا لیکن اس اندراج کے دائیں جانب موجود حاشیہ میں کوئی نمبر شمار نہ تھا۔ اگلے صفحہ پر دو سو چوبیں اور دو سو پچیسویں نمبر پر دو بھائیوں کی شادیوں کا اندراج تھا۔ سرفراز کے لئے پہلی حیران کن بات تو نمبر شمار کا غائب ہونا تھی اور اس اندراج کے بارے میں دوسری قابل توجہ بات یہ تھی کہ صفحے کے انتہائی زیریں حصہ میں اُسے یوں لکھا گیا تھا جیسے زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی گئی ہو اگرچہ

خط اور سیاہی میں سرِ مُو فرق نظر نہ آتا تھا تاہم نمبر شمار کا غائب ہونا اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔

اپنی نوٹ بک نکال کر اس نے صفحہ نمبر اندراج نوٹ کیا اور اس کے ساتھ ہی دو سو تیئس' چوبیس اور پچیس نمبر پر موجود اندراجات بھی نوٹ کر لئے۔ پھر تینوں رجسٹر بحفاظت اپنی جگہ پر رکھنے کے بعد وہ مولانا صاحب کے نزدیک جا بیٹھا جو ہنوز تلاوت میں مصروف تھے۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد مولانا صاحب نے جھکی ہوئی گردن اٹھائی۔ قرآن مجید جزدان میں لپیٹا اور بڑے عجز و احترام سے قرآن مجید حجرہ کے طاق میں رکھنے کے بعد اُس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔

"سائیں! مل گیا۔"

"جی ہاں۔"

"شکر ہے خدا کا آپ کا کام تو ہوا۔ ویسے سائیں اتنے پرانے اندراج کا مل جانا بڑی بات ہے۔ اب دیکھو نا ایسی باتوں ہی سے تو خدا کے اعجاز کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ آپ کا ایک ایسا کام ہو گیا جو عام حالت میں بہت دشوار بلکہ شاید ناممکن نظر آتا ہے۔ خدا کی شان بڑی ہے جب وہ کوئی کام پورا کروانا چاہتا ہے نا سائیں تو پہلے ہی سے انتظام کر کے رکھتا ہے .... چلو اس نے آپ کو اپنی بارگاہ سے مایوس نہیں لوٹایا۔"

"آپ کی کرم فرمائی کا بھی بے حد شکریہ مولانا صاحب۔ اب ایک کام میں میری مدد اور فرمایئے۔"

"اوشاد سائیں!"

"آپ نے فرمایا تھا کہ ان رجسٹروں کی نقول وکیل سومرو صاحب کے دفتر میں جمع کروائی گئی تھیں کیا آپ مجھے ان کا پتہ بتا سکتے ہیں؟"

"سائیں! وہ تو عرصہ ہوا فوت ہو گئے۔ اب تو اُن کی جگہ اُن کے صاحب زادے منظور سومرو صاحب وکالت کرتے ہیں اور ہمارے علاقے کے زیادہ تر مقدمے انہی کے پاس ہوتے ہیں۔" مولانا صاحب نے بتایا۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

"آپ اگر مجھے ان کا پتہ دے سکیں تو بڑی نوازش ہو گی۔"

مولانا وقارالدین سولنگی صاحب نے اُسے منظور سومرو کے دفتر کا پتہ بتایا پھر اُسے بصد اصرار اپنے ہمراہ لے جا کر ناشتہ کرایا اور اُس کے بعد سرفراز عجز و نیاز کا اظہار کرتا اُن سے رخصت ہوا۔

لیکن ابھی وہ دارالعلوم سے تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ اُس کے عقب سے کسی نے فائر کیا اور گولی اُس کا بایاں بازو چھوتی معجزانہ طور پر اُسے کوئی نقصان پہنچائے بغیر گزر گئی۔ پلک جھپکتے خطرے کی بُو سونگھتے ہی وہ اوندھا زمین پر گر پڑا۔ بہت تیزی سے ایک کار اُس کے نزدیک سے گزری اور کار سے کسی نے دوسرا فائر کیا۔ دوسری گولی بھی معجزانہ طور پر اُس کے بالکل نزدیک ہی زمین میں دھنستی چلی گئی۔

کتنی ہی دیر وہ دم سادھے آنکھیں موندے زمین پر اوندھا پڑا رہا اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو سوالیہ چہروں کے درمیان گھرا ہوا پایا۔

"کیا ہوا تھا بھائی؟" کسی نے پوچھا۔

"اب وہ انہیں کیا بتاتا۔ اس نے بمشکل تمام کہا۔ "میں خود نہیں جانتا۔"

"نہیں بھائی بغیر کسی سبب کے کوئی اندھا دھند گولیاں نہیں برساتا۔ کوئی بات ضرور ہے۔" ایک اور شخص بولا۔

"سائیں! آدمی کو شرافت سے زندگی گزارنی چاہئے کیوں دشمنیاں مول لیتے ہو۔" ایک اور ہمدرد نے کہا۔

سرفراز خاموش رہا۔ خاموشی میں عافیت تھی۔

ہجوم چھٹ جانے کے بعد وہ دزدیدہ نگاہوں سے اپنی اطراف کا جائزہ لیتا آگے بڑھا اور ایک خالی تانگے کو رکنے کا اشارہ کیا۔

ایڈووکیٹ منظور سومرو کے دفتر تک پہنچنے میں اُسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ راستہ بھر وہ ایک جانب کو سمٹا ہوا سہما ہوا بیٹھا رہا۔

سہ منزلہ بوسیدہ عمارت کے دفتر میں پہنچا تو دن کے وقت بھی بلب روشن پائے

منظور سومرو مصروف تھے۔ خاصی دیر انتظار کے بعد جب وہ منظور سومرو کے پاس پہنچا اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو کھچڑی بالوں والے وکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کاش! اس وقت میرے والد صاحب حیات ہوتے تو یقیناً بے حد مسرور ہوتے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے مولانا غلام علی نے جو محنت کی ہے وہ بہت سوں کا بھلا کرے گی۔"

ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے منظور سومرو نے اپنے کلرک کو بلا کر کہا۔ "صاحب کو ایک میرج سرٹیفکیٹ چاہئے۔ آپ ریکارڈ روم سے رجسٹر نکلوا کر اُن کا مطلوبہ اندراج تلاش کریں اور سرٹیفکیٹ دے دیں۔"

"مگر سر میرج سرٹیفکیٹ تو.........."

"میں جانتا ہوں .... میں جانتا ہوں مگر صاحب کو تقریباً اکتالیس سال پرانی میرج کا سرٹیفکیٹ چاہئے۔"

"آپ کا مطلب ہے سر یہ ریکارڈ ان رجسٹروں میں ہے جن کا ذکر بڑے وکیل صاحب کیا کرتے تھے۔" بوڑھے وکیل نے پوچھا۔

"ہاں وہی اور چونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب کا تصدیق شدہ ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے اس لئے ہم سرٹیفکیٹ دے سکتے ہیں اگرچہ یہ ایک غیر معمولی طریق کار ہے۔ بہرحال آپ ایسا کریں صاحب سے ایک درخواست لے لیں کہ انہیں سرٹیفکیٹ چاہئے اور ضروری فیس وغیرہ بھی .... سمجھ گئے آپ؟ جائیں صاحب آپ اُن کے ہمراہ چلے جائیں۔"

"بڑی مہربانی۔" سرفراز نے کہا اور کلرک کے ہمراہ ایک دوسرے کمرے میں آگیا۔

کلرک اپنی میز کی دراز سے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر کمرے سے باہر چلا گیا اور سرفراز کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کچھ دیر قبل پیش آنے والے ناخوشگوار واقعہ پر غور کرنے لگا۔

خاصی دیر بعد معمر کلرک ایک مجلد رجسٹر اپنی بغل میں دبائے کمرے میں واپس آیا اور رجسٹر میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

"میں حیران ہوں کہ آپ کو اتنے پرانے میرج سرٹیفکیٹ کی ضرورت کیوں پیش

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

آئی۔ اب تو ان میاں بیوی کے بچے بھی بوڑھے ہو رہے ہوں گے۔ یہ تو ایک غیر معمو
اتفاق ہے کہ ہمارے پاس اتنا پرانا ریکارڈ موجود ہے۔"

"جی۔" سرفراز نے اسی جواب پر اکتفا کیا۔

"ایسا ہے صاحب مجھے ایک ضروری دستاویز ٹائپ کرنی ہے۔ تب تک آپ درخواست لکھ دیں کہ مجھے فلاں فلاں سنہ کا فلاں صاحب کا فلاں خاتون سے نکاح کا سرٹیفکیٹ چاہئے۔"

سرفراز نے کلرک کی اجازت سے میز پر سے پیڈ اٹھایا اور پانچ سات منٹ میں درخواست لکھ کر اس کے آگے رکھ دی۔

"میں ذرا یہ دستاویز ٹائپ کرلوں پھر آپ کا کام کرتا ہوں۔ معاف کیجئے گا آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں .... اگر آپ اجازت دیں تو میں خود دیکھ لوں تاکہ آپ متعلقہ اندراج تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو۔" سرفراز نے اپنی خدمات پیش کیں۔

"ہاں .... دیکھ لیں .... مگر .... ذرا احتیاط سے۔" کلرک نے قدرے تامل سے جواب دیا۔

"آپ فکر نہ کریں۔"

سرفراز نے رجسٹر سنبھالا اور کلرک ٹائپ رائٹر کی جانب متوجہ ہو گیا۔ سرفراز رجسٹر کا پہلا صفحہ کھولا تو اس صفحہ پر لکھا تھا۔

"اس رجسٹر میں موجود تمام اندراجات دارالعلوم ٹھٹھہ میں موجود اصل رجسٹر حرف بحرف نقل کئے گئے ہیں اور بوقتِ ضرورت شہادت کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں ڈپٹی کمشنر جناب ڈی ایچ ڈی سوزا کے دفتر میں اصل اور نقل کا حرف بحرف موازنہ کر اور تصدیق کی جاتی ہے کہ تمام اندراجات اصل رجسٹر کے عین مطابق ہیں۔"

اس کے نیچے ڈپٹی کمشنر ڈی ایچ ڈی سوزا کی مہر اور دستخط موجود تھے۔

دوسرے صفحہ پر لکھا تھا۔

"میں ذاتی طور پر مولانا غلام علی کا ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے ایک گرانقدر کام انجام دیا۔ مجھے امید ہے مستقبل میں اس سے بہت سوں کا بھلا ہو گا۔"

اُس کے نیچے ایڈووکیٹ نذیر سومرو کی مہر اور دستخط موجود تھے۔

سرفراز نے فوری طور پر اوراق الٹ کر دو سو تیئیسویں نمبر شمار پر پہنچنے کے بجائے کچھ دیر فضول ورق گردانی کرنی مناسب سمجھی وہ کلرک کو کسی شبہہ میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تاہم جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ پورے طور پر اپنے کام میں محو ہے تو اس نے احتیاط سے یکے بعد دیگرے بیسیوں اوراق پلٹے اور دو سو تیئیسویں نمبر پر موجود اندراج کے نیچے نگاہ مرکوز کر دی۔ وہاں دو سو چوبیں اور دو سو پچیسویں نمبر پر دو بھائیوں کی شادیوں کا اندراج تھا۔ دو سو تیئیسویں نمبر پر سرفراز کے ہم نام اور خدیجہ بی بی کے نکاح کا اندراج تھا مگر اصل رجسٹر کے برعکس اس نقل میں دو سو تیئیسویں اور دو سو چوبیسویں نمبر کے درمیان نواب آفتاب لغاری اور آسیہ بی بی کے نکاح کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔

یہ دریافت سرفراز کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ کر دینے کے لئے بہت کافی تھی۔

رجسٹر کھلا ہوا اس کے سامنے پڑا تھا اور زبانِ حال سے اصل داستان سنا رہا تھا اور یہ ثابت کر رہا تھا کہ دارالعلوم کے رجسٹر میں موجود اندراج سراسر ایک فراڈ تھا۔ اب سرفراز کے شبہ پر مہرِ تصدیق لگ چکی تھی۔ نواب اورنگ زیب لغاری نے جس شبہ کا اظہار کیا تھا وہ واقعتاً درست نکلا تھا۔ گویا نواب آفتاب لغاری نے شادی نہیں کی تھی۔

نواب لغاری کی زندگی کا اہم راز یقیناً یہی تھا۔

یہی وہ راز تھا جس سے وہ خائف تھا۔

یہی وہ راز تھا جس سے زینت واقف تھی۔

یہی وہ راز تھا جس کی خاطر اُس نے چاند بی بی کو محبوس کر رکھا تھا۔

اور وہ اہم راز اس وقت سرفراز کے ہاتھوں میں تھا۔

نوابی ٹھاٹھ، دولت، عزت، شہرت، نواب لغاری کا کچھ بھی تو نہیں! میرے پاس اس کا ثبوت ہے میں اس کی زندگی کا اہم ترین راز دریافت کر چکا ہوں۔ میری زبان سے اس

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

راز کے افشا ہوتے ہی وہ ہر چیز سے محروم ہو کر رہ جائے گا۔ اس کی حیثیت ایک قلاش سے بڑھ کر نہ ہو گی۔ قلاش بھی ایسا جو مجرم بھی ہے۔ اگر.......... نواب اورنگ زیب لغاری ماہتاب کی مدد پر آمادہ ہو جائیں اور نواب آفتاب لغاری پر فراڈ ہونے کا دعویٰ کر دیں تو اس کی قلعی کھل کر رہ جائے گی پھر.......... اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کے سوا کچھ بھی نہ ہو گا۔ سرفراز نے آپ ہی آپ سوچا۔

اُس نے بہت خاموشی سے رجسٹر واپس میز پر رکھ دیا اور کلرک کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد جب کلرک اپنا کام ختم کر کے اس کی جانب متوجہ ہوا تو وہ بولا۔

"جناب! مجھے تو ملا نہیں آپ ہی دیکھئے۔"

کلرک نے رجسٹر اٹھایا اور ورق گردانی کے بعد ایک صفحہ پر جا رکا۔ بڑی دیر وہ حرف بحرف پڑھتا رہا پھر سرفراز کی درخواست کی لکھی ہوئی تاریخ پر ایک نظر ڈالی پھر بہت دیر تک اسی صفحہ پر دیکھتا رہا پھر اگلا ورق پلٹا اس پر موجود اندراجات کا بغور جائزہ لیا اور تذبذب کے عالم میں سرفراز کی جانب دیکھ کر بولا۔

"آپ کو تاریخ تو یاد ہے نا؟"

"جی ہاں میں نے بالکل صحیح تاریخ درخواست میں درج کی ہے۔"

"جناب! اس تاریخ کو نواب آفتاب لغاری اور آسیہ بی بی نام کے فریقین کے نکاح کا کوئی اندراج نہیں ہے اس رجسٹر میں۔"

"اچھا..........!" سرفراز نے مصنوعی حیرانی اور فکرمندی کا اظہار کیا پھر بولا۔ "بڑی مہربانی ہو گی آپ کی۔ اگر آپ مجھے یہی دو سطریں ٹائپ کر کے اور وکیل صاحب سے تصدیق کروا کے دے دیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے آپ یہ لکھ کر دے دیں کہ وکیل صاحب کے ریکارڈ میں موجود اس رجسٹر میں نواب آفتاب لغاری اور آسیہ بی بی کے نکاح کا اندراج نہیں ہے۔"

"اس سلسلے میں آپ وکیل صاحب سے بات کریں۔" کلرک نے جواب دیا۔

سرفراز منظور سومرو کے پاس پہنچا اور کسی نہ کسی طور منظور سومرو سے اس بات کا تحریری ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اُن کے دفتر میں موجود رجسٹر میں نواب آفتاب لغاری اور آسیہ بی بی کا نکاح مندرج نہیں۔

اس دستاویز کے حاصل کرنے سے سرفراز کا مقصد یہ تھا کہ وہ دارالعلوم کے رجسٹر میں موجود اندراج کو فراڈ ثابت کر سکے۔

یہ ثبوت حاصل کرنے کے بعد سہ پہر کے لگ بھگ اُس نے ایک بھٹیار خانے کا رخ کیا۔ پیٹ بھر کر کھانا کھایا چائے پی اور کچھ دیر ستانے کے بعد جب وہ مولانا سولنگی کے پاس جانے کے لئے بھٹیار خانے سے نکلا تو آسمان ابر آلود تھا۔

مولانا سولنگی کے پاس جانے کا مقصد یہ تھا کہ اسے منظور سومرو کے دفتر میں موجود رجسٹر کے محفوظ ہونے کا تو یقین تھا مگر دارالعلوم میں موجود رجسٹر قطعاً غیر محفوظ تھے۔ وہ مولانا صاحب کو اعتماد میں لے کر دارالعلوم میں موجود اس رجسٹر کو کسی محفوظ جگہ پر منتقل کروا دینا چاہتا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت اُسے پیش کیا جا سکے لیکن ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ تیز بارش نے آ لیا۔ تانگے والے نے آدھے راستہ میں تانگہ روک دیا اور راستہ خراب ہونے کے باعث آگے جانے سے انکار کر دیا۔ ناچار سرفراز نے وکیل صاحب کے ہاں سے حاصل کی ہوئی اہم دستاویز اپنی نوٹ بک کے چرمی کور کے اندر بحفاظت رکھی اور نوٹ بک جیب میں رکھنے کے بعد تانگے سے اتر گیا۔

گھنگھور اندھیارا تھا۔ بارش میں بھیگتا ہوا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دارالعلوم کو جانے والے راستے کی جانب رواں دواں تھا۔ لحہ بہ لحہ تیز ہوتی بارش اور بڑھتی ہوئی تاریکی میں اسے ان بدمعاشوں کا بھی خوف تھا جو اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ مولانا سولنگی کے مکان تک پہنچتے پہنچتے وہ شرابور ہو گیا۔ اس کی دستک پر مولانا صاحب نے دروازہ کھولا اور اُسے دیکھتے ہی درشتی سے بولے۔

"چابیاں کہاں ہیں؟"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیسی چابیاں؟"

"حجرے کی چابیاں اور کیسی چابیاں؟ میں یہاں کھونٹی پر گچھا ٹانگ گیا تھا.......... مجھے اپنے ایک عزیز سے ملنے کے لئے سجاول جانا تھا۔ میں وہاں سے ابھی کچھ دیر پہلے ہی واپس آیا ہوں۔ جب میں آیا تو میرے کمرے کی پچھلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور چابیاں غائب تھیں۔ کیا تم لے گئے تھے؟"

"نہیں مولانا صاحب! میں تو وکیل منظور سومرو کے پاس سے آ رہا ہوں۔"

"سائیں! اس میں تو بڑے کام کی چابیاں ہیں۔ اگر آپ نے لی ہیں تو دے دو مہربانی ہو گی ورنہ مجھے ساری چابیاں دوبارہ بنوانی پڑیں گی۔ مجھے بڑی پریشانی ہو جائے گی۔" مولانا سولنگی رسانیت سے بولے لیکن ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ غصہ پینے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

"خدا کی قسم مولانا صاحب میں نے چابیاں نہیں لیں .... آیئے آپ میرے ساتھ چلیں مجھے یقین ہے چابیاں جس نے بھی چرائی ہیں وہ مسجد کی طرف ہی گیا ہو گا۔ جلدی کریں مولانا ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے۔"

مولانا صاحب نے تذبذب کے عالم میں اُس کی طرف دیکھا اور بولے۔ "اتنی بارش میں؟"

"وقت ضائع مت کیجئے۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔"

"بابا! اتنا اندھیرا ہے تم مجھے کدھر لے جاؤ گے جو لے گیا ہے لے جانے دو کیا کرے گا چابیاں لے جا کر خزانے کی چابیاں تو ہیں نہیں خدا اپنے گھر کی خود حفاظت کرے گا۔"

"ہمارا جانا بہت ضروری ہے مولانا صاحب!" سرفراز نے عجلت میں کہا۔

تب ہی ایک نوعمر لڑکا بھیگتا ہوا مولانا صاحب کے دروازے تک آیا اور اُس نے کہا۔ "مولانا سائیں! مسجد کے حجرے کے ساتھ جو کوٹھری ہے اس کے اندر کوئی آدمی گھسا ہوا ہے۔"

"مولانا صاحب! خدا کے واسطے جلدی چلیں ورنہ میں اکیلا ہی جا رہا ہوں۔"

"چلو سائیں!"

لڑکا انہیں اطلاع کرنے کے بعد دوبارہ مسجد کی جانب دوڑ گیا تھا۔ ہر سُو تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ سرفراز نے مولانا صاحب کے ساتھ ساتھ چلنا چاہا مگر ان کی رفتار سُست تھی چنانچہ مجبوراً اسے کہنا پڑا۔

"مولانا صاحب! آپ خیال نہ کریں تو میں ذرا تیزی سے چلا جاؤں۔"

"بابا! چل رہا ہوں میں بھی۔ بوڑھا آدمی ہوں۔ آپ کی طرح تیز تو چل نہیں سکتا۔"

"ہمارا وہاں جلدی پہنچنا ضروری ہے۔"

جونہی وہ مسجد کے صحن میں پہنچے وہی لڑکا دوڑتا ہوا اُن کے نزدیک آیا اور بولا۔ "مولانا سائیں! حجرے کے ساتھ جو کوٹھری ہے اس میں آگ لگ گئی ہے۔ حجرے میں دھواں ہی دھواں ہے۔"

اتنا سنتے ہی سرفراز نے مولانا سولنگی کا بازو چھوڑا اور حجرے کی جانب لپکا۔ حجرے میں دھواں ہی دھواں تھا اور حجرے کی مغربی دیوار میں موجود شاہ بلوط کے بھاری بھرکم دروازے کو اندر سے بُری طرح پیٹا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے دروازہ کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ اندر سے کسی کے چیخنے چلانے کی آواز بھی آ رہی تھی جیسے کوئی مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ سرفراز نے حجرہ سے باہر نکل کر ایک گہری سانس لی اور بے حد پریشانی کے عالم میں اِردگرد کا جائزہ لیا۔ مولانا سولنگی اس کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے سرفراز سے پوچھا۔

"لگتا ہے اندر آگ لگ گئی ہے اور کوئی شخص اندر موجود بھی ہے اس لئے کہ باہر سے دروازہ کھلا ہوا ہے مگر اندر سے بند ہے۔"

"اوہ! اگر ایسا ہے تو وہ دروازہ آسانی سے نہیں کھلے گا اس کو تو ایک خاص طریقے سے کھولنا اور بند کرنا پڑتا ہے۔ اس دروازے کی کل سے تو میں ہی واقف ہوں۔"

فضا میں کاغذوں کے جلنے کی بو حلول کرتی جا رہی تھی۔ شعلوں کے روشن سائے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

دروازے اور فرش کے درمیانی خلا سے چھن چھن کر باہر آ رہے تھے۔ دروازہ بری طرح پیٹا جا رہا تھا۔

دروازے کا قبضہ دبا کر اُسے پوری طاقت سے اوپر اٹھاؤ۔" مولانا سولنگی حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر پوری قوت سے چلا کر بولے۔

"آگ .... آگ .... آگ..........." کوئی بری طرح چلایا۔

لیکن جب تک لوگ پانی لے کر دوڑے شاہ بلوط کا مضبوط دروازہ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ لکڑیوں کے چٹخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

لوگوں نے پانی کی بالٹیاں اور کنستر اٹھا لئے تھے لیکن حجرے میں اس قدر دھواں تھا کہ کوئی اندر جانے کی جرأت نہ کر پا رہا تھا۔ اندھا دھند لوگوں نے پانی حجرے کے اندر اچھالنا شروع کر دیا۔

"کوئی جا کر آگ بجھانے والوں کو اطلاع کرے۔" مولانا سولنگی چلائے۔

اچانک ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "خدا کے واسطے بچاؤ۔ اندر میرا مالک ہے۔"

"کون ہے اندر؟ .... کون ہے تمہارا مالک؟" سرفراز نے پوچھا۔

"نواب صاحب۔"

"اوہ!"

سرفراز کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ نواب لغاری کو سزا دینے کا جو عہد اُس کے ذہن میں جاگزیں تھا پلک جھپکتے رفو چکر ہو گیا اور اس کی جگہ اس خیال نے لے لی کہ اسے یوں المناک موت نہیں مرنا چاہئے۔

"جلدی کرو پانی ڈالو۔" وہ چلایا۔

"سائیں! اندر بہت دھواں ہے دم گھٹ جائے گا۔" ایک شخص بولا۔

"کوئی گیا آگ بجھانے والوں کو اطلاع کرنے؟" کسی نے پوچھا۔

"گیا بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے اندر کاغذ ہی کاغذ ہیں۔ آگ دروازے تک پہنچ چکی ہے جب تک آگ بجھانے والا انجن آئے گا آگ ہر چیز کو راکھ کر چکی ہو گی۔" مولانا بولے۔

"میرے مالک کو بچاؤ۔" وہی شخص بری طرح چلایا۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" مولانا نے مایوسی سے کہا۔

جب تک آگ بجھانے والا انجن پہنچا شعلے ماند پڑ چکے تھے۔ پچھلی جانب سے فائر بریگیڈ والوں نے پانی کی موٹی دھار چھوڑی لیکن اس وقت تک شاہ بلوط کا دروازہ ڈھے چکا تھا۔

آگ بجھنے کے بعد جب سیاہ دروازہ اٹھایا تو دروازے کے نیچے سے ایک جھلسی ہوئی لاش نکلی جسے دیکھتے ہی وہ شخص جو اپنے مالک کی مدد کے لئے گڑگڑا رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

لوگ دھکم پیل کرتے آگے بڑھنے لگے۔ عورتیں دارالعلوم کے احاطے میں سراسیمہ کھڑی تھیں، بچے کھڑے ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے۔ قرب و جوار میں بسنے والے لوگ ٹڈی دل کی مانند دارالعلوم کے احاطے اور صحنِ مسجد میں بکھرے نظر آ رہے تھے۔

"کون تھا یہ؟"

"کیوں آیا تھا؟"

"آگ کیسے لگی؟"

"آگ کس نے لگائی؟"

"اسے کوئی جانتا بھی ہے یا نہیں؟"

"کیا بالکل جل گیا؟"

"سانس ہے یا ختم؟"

"جھلس گیا ہو گا؟"

"پہچانا جاتا ہے یا نہیں؟"

یہ اور اس قسم کے دوسرے ان گنت سوالات لوگ ایک دوسرے سے کر رہے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھے۔ سرفراز خاموش کھڑا دیکھ رہا تھا سن رہا تھا۔

کسی نے قریبی تھانے میں اطلاع کر دی تھی اور پولیس والے آ پہنچے تھے۔

"کوئی ہے جو اس شخص سے واقف ہو؟" ایک پولیس والے نے پوچھا۔

"جناب! یہ متوفی کا نوکر بتاتا ہے خود کو۔" مولانا سولنگی صاحب نے اس شخص کی جانب اشارہ کیا۔

"کیا تم جانتے ہو اس شخص کو؟" اسی پولیس والے نے پوچھا۔

"ہاں! یہ مالک تھا میرا.........."

"یہاں کیوں آیا تھا؟"

"خبر نہیں' میرے کو تو مالک نے یہ بولا تھا کہ ادھر ضروری کام ہے۔"

"تم لوگوں نے اُسے بچانے کی کوشش نہیں کی؟" دوسرے پولیس والوں نے اردگرد کھڑے لوگوں سے پوچھا۔

"کی تھی سائیں .... سب سے زیادہ کوشش تو انہوں نے کی۔" مولانا صاحب نے سرفراز کی جانب اشارہ کیا۔

"کیا آپ اس شخص سے واقف ہیں؟" پولیس والے نے ٹارچ کی روشنی فرش پر بے حس و حرکت پڑے جھلسے ہوئے شخص کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے کہا۔

اس نے سر جھکا کر دیکھا اور لرز کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک جھلسا ہوا چہرہ تھا.......... وہ چہرہ جس سے وہ ناواقف ہوتے ہوئے بھی بہت اچھی طرح واقف تھا جس کی ایک دو نہیں بیسیوں تصویریں اُس نے دیکھ رکھی تھیں۔ اس نے پولیس والے کے سوال پر دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔ اب جبکہ نواب لغاری پر خدا کا عتاب نازل ہو چکا تھا اس کی زندگی کے اہم ترین راز کی پردہ کشائی فضول تھی۔

دارالعلوم کے حجرے میں آگ لگ جانا اور ایک شخص کا جھلس کر ہلاک ہو جانا شاید اتنی اہم بات نہ ہوتی اور اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار دے دیا جاتا اگر متوفی کا تعلق ایک معزز خاندان سے نہ ہوتا.......... جائے واردات پر پہنچ کر پولیس نے لاش تحویل میں لے

لی تھی۔ عینی گواہوں کے بیانات لئے گئے۔ نواب لغاری کے ملازم کو حراست میں لے لیا گیا۔ لاش کی شناخت کی خاطر موتی محل سے رابطہ قائم کیا گیا۔ نواب لغاری نے مالی' چوکیدار' شوفر اور خانساماں کی ملازمتیں کچھ عرصہ قبل ہی بحال کی تھیں۔ ملازمین نے اپنے مالک کی شناخت کی اور لاش پوسٹ مارٹم کے بعد پورے اعزاز کے ساتھ کراچی میں دفنا دی گئی۔ اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ یہ خبر بڑے زور شور سے شائع ہوئی۔

جن عینی گواہوں کے بیانات لئے گئے ان میں سرفراز' مولانا وقارالدین سولنگی اور اس نوعمر لڑکے کے بیانات بہت اہم تھے جس نے مولانا سولنگی کو آگ لگنے کی خبر دی تھی۔ مولانا سولنگی کے بیانات کی روشنی میں پولیس کی توجہ بطور خاص سرفراز پر مرکوز رہی لیکن سرفراز اصل واقعہ اور نواب لغاری سے ناواقف ہونے کے مؤقف پر ڈٹا رہا۔

بالآخر نواب لغاری کی موت پر پُراسرار المناک سانحہ کا ٹھپہ لگا کر پولیس نے اپنی تفتیش اختتام کو پہنچا دی۔

سرفراز کئی دن کی ذہنی تکان کے بعد گھر پہنچا تو ماہتاب اور خوش بخت دونوں اس کی منتظر تھیں۔ خوش بخت کچھ پریشان اور متفکر سی نظر آتی تھی۔ سرفراز کا خیال تھا وہ دونوں نواب لغاری کی موت کی خبر سے ناآشنا ہوں گی کیونکہ وہ مواصلاتی طور پر باہر کی دنیا سے کٹی بیٹھی تھیں لیکن خوش بخت کے چہرے پر بکھری پریشانی اور تفکر نے سرفراز کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہیں اس تک خبر پہنچ تو نہیں گئی تاہم اس نے ماہتاب کی موجودگی میں استفسار کرنا مناسب نہ جانا البتہ ماہتاب کے اِدھر اُدھر ہوتے ہی اُس نے استفسار کیا تو وہ بولی۔

"ہاں! میں واقعی بہت پریشان ہوں۔ اگر آج تم نہ آ گئے ہوتے تو آج رات میں ماہتاب کو لے کر یہاں سے چلی گئی ہوتی۔"

"کیوں؟"

"کل سہ پہر کی بات ہے میں لیٹی ایک کتاب پڑھ رہی تھی اور ماہتاب سو رہی تھی کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے شگاف سے جھانکا تو دروازے پر دس بارہ سال کا ایک لڑکا کھڑا تھا میں نے اندر ہی سے پوچھا کون ہے؟ بولا دروازہ کھولو بی بی' آپ کے لئے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک خط ہے۔ میں نے پوچھا کس کا خط؟ اس پر وہ بولا بی بی! میں گلی کے نکڑ پر رہتا ہوں یہ خط کسی نے آپ کو بھجوایا ہے۔ میں نے یہ جانا کہ ہو سکتا ہے یہ خط تمہاری طرف سے ہو چنانچہ میں نے دروازہ آہستہ سے نیم وا کیا اور ہاتھ بڑھا کر خط لینے کے بعد دروازہ بند کر لیا۔ لفافہ پر میرا نام درج تھا اور تحریر نامانوس تھی۔ لفافہ چاک کر کے میں نے پرچہ نکالا تو دو سطروں میں لکھا تھا۔ "میں گلی کے نکڑ پر آپ کا منتظر ہوں۔ بارِ خاطر نہ گزرے تو تشریف لائیں' شیرازی۔" میں یہ رقعہ پڑھ کر دم بخود رہ گئی۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا اس خبیث کو ہمارا پتہ کیسے معلوم ہوا؟ تھوڑی دیر تک تو میرا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر رہا پھر یہ بات سمجھ میں آئی کہ مجھے اس سے مل لینا چاہئے اس لئے کہ ہو سکتا ہے اس سے نہ ملنے کی صورت میں کسی ایسی بات سے بے خبر رہ جاؤں جو ہمیں نقصان پہنچانے کا سبب بن سکے۔ چنانچہ میں نے ایک چٹ پر ماہتاب کے نام لکھا کہ میں ڈاک خانے تک ضروری کام سے جا رہی ہوں فکر مت کرنا اور یہ چٹ ماہتاب کی انگوٹھی میں پھنسانے کے بعد میں نے چادر اوڑھی اور دروازہ باہر سے مقفل کرنے کے بعد گلی کے نکڑ تک جا پہنچی۔ شیرازی سچ مچ میرا منتظر تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ مسکرا دیا علیک سلیک ہوئی۔ میرے ذہن میں موتی محل میں گزارے ہوئے دن اور اُس کی عیاریاں گھوم گئیں۔ میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ اس نے بڑی نرمی سے کہا۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم یہاں کھڑے ہونے کے بجائے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے باتیں کرتے جائیں؟ میں نے بغیر کچھ کہے قدم آگے بڑھا دیئے۔ وہ بھی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور دو چار قدم چلنے کے بعد بولا' آپ حیران ہو رہی ہوں گی کہ میں آپ تک کس طرح پہنچا؟ میں نے دھیرے سے کہا۔ حیرانی کی کیا بات آدمی جب تک آب و گل کی اس دنیا میں رہے اپنا پتہ دیتا ہی رہتا ہے۔ میری اس بات پر وہ ہنس کر بولا۔ بہت خوب! آپ کی انہی باتوں نے تو مجھے آپ کا اسیر کر رکھا ہے میرے جی میں تو آئی کہ اس کا منہ تھپڑا دوں مگر حالات کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ برداشت کر جاؤں چنانچہ میں خاموش رہی۔ بہرحال میرے لئے یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ اُس نے ہمارا پتہ یا تو خود

تمہارا پیچھا کر کے معلوم کیا ہو گا یا اپنے کسی کارندے کے ذریعے یہ کام کروایا ہو گا۔ تھوڑی دور تک وہ الٹی سیدھی باتیں کرتا رہا اس کے بعد اُس نے بڑی نخوت سے کہا ماہتاب کے اس ہمدرد کو بتا دیجئے گا کہ وہ شیرازی سے ٹکر لینے کی کوشش نہ کرے۔ شیرازی ایک ذہین اور فطین آدمی ہے۔ وہ دماغ سے کام لیتا ہے نہ کہ ہاتھ سے' نواب لغاری تو اس لحاظ سے انتہائی بدقسمت رہا کہ وہ شیرازی جیسا عاقل اور دانا دوست رکھنے کے باوجود اُس کی صلاحیتوں سے استفادہ .... نہ کر سکا۔ اس لئے کہ وہ جلد باز اور ہٹیلا تھا۔ نتیجہ اس نے خود بھگتا۔ کاش اس نے میری بات مانی ہوتی اور مجھ سے مشورہ کیا ہوتا۔ مجھے بعض اہم اور ضروری معاملات میں اپنا رازدار بنانے سے کبھی نہ کتراتا تو یوں بے بسی کی موت نہ مرتا۔ میں چلتے چلتے رک گئی میں نے حیران ہو کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولا کیا آپ نے خبر نہیں پڑھی۔ میں نے تذبذب کے عالم میں کہا کون سی خبر؟ وہ آرزدہ ہو کر بولا۔ نواب لغاری مر گئے ہیں۔ انتہائی پُراسرار حالات میں۔ ذرا دیر کو تو میرے قدم سن ہو کر رہ گئے پھر میں نے بمشکل تمام قدم اٹھائے اور ہمت کر کے پوچھا۔ آپ نے زحمت کیسے کی؟ میرے اس سوال کا اس نے جو جواب دیا اس نے مجھے بھنا کر رکھ دیا.........." خوش بخت رک گئی۔

"کوئی خاص بات؟" سرفراز نے پوچھا۔

"خاص بات کیا ہوتی۔ پہلے بڑی دیر تک میری شان میں قصیدہ سرا رہا اور بولا میں عورت' ذہانت اور حوصلہ میں مثلث کے وہ تین نقاط سمجھتا ہوں جو کبھی نہیں مل سکتے لیکن مجھے یہ اقرار کرنے میں کوئی عار نہیں کہ آپ وہ پہلی عورت ہیں جس نے میرے اس یقین پر شدید ضرب لگائی ہے اور آپ ہی وہ آخری عورت ہیں جو تاابد میرے دل کے نہاں خانوں میں براجمان رہیں گی۔ میں خون کے گھونٹ پیتی یہ لغویات سنتی رہی لیکن جب اس نے یہ کہا کہ میں آپ کی رفاقت کا متمنی ہوں تو میرا خون کھول اٹھا تاہم میں نے بظاہر بڑے تحمل سے کہا۔ میں ایک بار شادی کر چکی ہوں اور جو کچھ قسمت میں لکھا تھا وہ برداشت کیا اب میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ میری اس بات پر وہ ایک دم ہی روہانسا

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

نظر آنے کی اداکاری کرنے لگا اور گلوگیر لہجہ میں بولا کاش میں آپ کو اپنا دل چیر کر دکھا سکتا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ ایک لمحہ اس قدر کمزور تھا سرفراز کہ اگر وہ میری بہن کا بدترین بدخواہ نہ ہوتا تو شاید وہ لمحہ مجھے زیر کر لیتا۔ اُس کے چہرے پر جس قسم کے تاثرات تھے میں اُن کی وضاحت سے یکسر قاصر ہوں لیکن میں نے اس کمزور لمحہ کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا میں نے فوراً ہی خود کو سمجھایا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ سراسر مکاری اور عیاری ہے۔"

"ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ہر شخص نہ تو کاملاً اچھا ہوتا ہے اور نہ کاملاً بُرا۔ ان بُرے لوگوں کے دلوں میں بھی نرم گوشے ہوتے ہیں۔"

سرفراز کی اس بات پر وہ کچھ نہیں بولی۔

"ماہتاب کے بارے میں اُس نے کوئی بات کی؟" سرفراز نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ اُس کے بارے میں ایک لفظ نہیں بولا۔"

"اور میرے بارے میں؟"

"تمہارے بارے میں اُس نے اتنا ہی کہا کہ اُسے سمجھا دینا شیرازی سے ٹکر لینے کی کوشش نہ کرے۔"

"پھر؟"

"پھر وہ چلا گیا۔ اگرچہ اُس نے جاتے جاتے مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ محض مجھ سے ملنے کے لئے حیدر آباد سے ٹھٹھہ آیا تھا لیکن میرا دل ڈر رہا تھا۔ میں گھر واپس آئی تو ماہتاب سو رہی تھی۔ چنانچہ میں نے وہ چٹ جو میں اس کے نام چھوڑ گئی تھی اس کی انگوٹھی سے نکال لی اور اسے کچھ نہیں بتایا لیکن تب سے میں بہت پریشان ہوں میں گزری ہوئی رات پل بھر کو نہیں سو سکی۔ مجھے یہی خوف تھا کہ کچھ ہو نہ جائے اور یہ خوف مجھے اب بھی ہے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج اگر تم نہ آئے تو میں رات کی تاریکی میں ماہتاب کو یہاں سے لے کر کہیں اور چلی جاؤں گی لیکن خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔"

"نواب لغاری کے انجام کی بابت شیرازی نے کچھ بتایا؟"

"نہیں .... نہ اُس نے کچھ بتایا اور نہ میں نے پوچھنا مناسب سمجھا لیکن میں یہ جاننے کے لئے بے تاب ہوں۔ شیرازی کہہ رہا تھا اخبار میں خبر چھپی ہے کیا تمہاری نظر سے گزری؟" خوش بخت ایک سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

سرفراز نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولا۔ "واقعی خدا بعض لوگوں کو تو اُن کے اعمال کی سزا دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔"

اور اُس نے دھیرے دھیرے تمام واقعات اُسے سنا دیئے۔ خوش بخت تمام واقعات سن کر ذرا دیر کو تو گم صم سی رہ گئی۔

"کیا آپ ماہتاب کو یہ خبر سنائیں گی؟ خدا جانے ان پر اس خبر کا کیا ردعمل ہو۔" سرفراز کو خاصی تشویش تھی۔

"حقیقت کا علم اسے جلد یا بدیر ہونا تو ہے لہٰذا کیوں نہ بروقت بتا دیا جائے۔ تم فکر نہ کرو سرفراز! ماہتاب کو میں رسانیت سے سب کچھ بتا دوں گی اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں جلد از جلد یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے کیونکہ شیرازی سے کوئی بعید نہیں۔"

"آپ اس سلسلہ میں زیادہ فکرمند مت ہوں اب میں آ گیا ہوں خدا نے چاہا تو شیرازی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ ہم بہت جلد یہاں سے کراچی چلے جائیں گے۔"

"کراچی؟"

"جی ہاں۔ اب یہاں رکنے کا کوئی معقول جواز نظر نہیں آتا۔ کراچی جانے سے ہمیں دو فائدے ہوں گے اوّل تو کراچی جیسے بڑے شہر میں ہمارا کوئی بدخواہ بآسانی ہم تک نہیں پہنچ سکے گا اور دوسری بات یہ کہ وہاں میں اپنا کوئی کام شروع کر سکوں گا۔" سرفراز نے وضاحت کی۔

"ٹھیک ہے۔" خوش بخت نے اُس کی تائید کی۔

اگلے روز خوش بخت نے بڑی رسانیت سے ماہتاب کو نواب لغاری کی موت کی خبر سنا دی۔ یہ خبر اس کے لئے اگر خوشی کی خبر نہ تھی تو بُری بھی نہ تھی۔ نواب لغاری نے کون سا سکھ چین دیا تھا اسے جو وہ اس کی خاطر آنسو بہاتی۔ اس کے ساتھ تو جتنے دن

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزرے تھے بے حد اذیت میں گزرے تھے جن کی یاد آج بھی اُسے لرزا دیا کرتی تھی۔

کتنا بدقسمت انسان تھا نواب لغاری کہ ماہتاب کبھی اس راز سے واقف نہ ہو سکی کہ وہ اس سے کس درجہ محبت کرتا تھا۔ دولت کی ہوس' احساسِ کمتری اور ایک عیار شخص کی دوستی نے ماہتاب کو اس سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تیسرے روز وہ تینوں کراچی روانہ ہو گئے۔ چند دن انہوں نے شہر سے دور ویران اسٹوڈیو میں گزارے۔ اس کے دوران سرفراز کرائے کے مکان یا فلیٹ کی تلاش میں رہا لیکن کراچی جیسے بڑے اور مہنگے شہر میں اوّل تو کرائے پر مکان ملنا آسان نہ تھا اور جو کہیں امید نظر آئی تو پیشگی اور کرایہ اتنا زیادہ طلب کیا جاتا کہ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ بالآخر اس نے انتہائی مجبور ہو کر اس سلسلہ میں فروغ کی مدد چاہی اور اُسے اعتماد میں لے کر سرسری طور پر حالات سے آگاہ کرنے کے بعد بولا۔

"ہو سکے تو اپنا اثر و رسوخ کام میں لا کر چھوٹا موٹا فلیٹ دلوا دو۔"

"اگر تم مناسب سمجھو تو میرا فلیٹ حاضر ہے۔" فروغ نے اپنی خدمات پیش کیں۔

فوری طور پر سرفراز اس کی پیشکش کا کوئی جواب نہ دے سکا اس سلسلے میں وہ دونوں بہنوں سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ انہوں نے سنا تو خوش بخت بولی۔

"بھئی اگر وہ تمہارا اتنا ہی اچھا دوست ہے جتنا کہ تم بتا رہے ہو تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" پھر اس نے دبی زبان سے کہا۔ "بس ذرا شریف آدمی ہونا چاہئے۔"

"مجھے تو اس پر بھروسہ ہے لیکن خدانخواستہ .... میرا مطلب ہے کچھ گڑبڑ ہوئی اُس کی جانب سے یا ہم نے کسی قسم کی دقت محسوس کی تو ہم فوری طور پر کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیں گے یوں بھی اسٹوڈیو تو ہے ہی اپنا ہم جب چاہیں وہاں جا سکتے ہیں۔"

چنانچہ وہ تینوں فروغ کے ہاں منتقل ہو گئے۔ اس سلسلے میں سرفراز نے یہ شرط رکھی کہ نصف کرایہ وہ ادا کرے گا۔ فروغ نے قدرے تامل سے یہ شرط قبول کر لی۔ جلد ہی سرفراز کو چند آرڈرز مل گئے اور وہ کام میں مصروف ہو گیا۔ فروغ کو اعتماد میں لے کر سرفراز نے اُسے تمام قصہ سنا دیا تھا۔

بہت جلد ماہتاب کے چہرے کی گم گشتہ رونقیں لوٹنے لگیں۔ اب وہ مسکراتی' قہقہے لگاتی' خوش گپیاں کرتی۔ فروغ کو اُس نے منہ بولا بھائی بنا لیا تھا حقیقت یہ تھی کہ فروغ سرفراز سے دوستی کا حق ادا کر رہا تھا لیکن اب بھی اگر ماہتاب سے موتی محل میں گزارے ہوئے دنوں کی بابت بھولے سے بھی بات کی جاتی تو وہ اداس ہو جاتی اور وہ دن جو اُس نے موتی محل سے قصر چانڈیو تک پہنچنے کے دوران دماغی ہسپتال میں گزارے تھے ان کا تو ذکر ہی اُسے لرزا دیا کرتا تھا۔ سرفراز نے بارہا اُس کے ذہن کو یہ یاد کرنے پر مجبور کرنا چاہا کہ وہ کس دن اور کس تاریخ کو موتی محل سے حیدر آباد روانہ ہوئی تھی اور پھر کیا ہوا مگر ان دنوں کے ذکر پر اُس کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے اور وہ اپنا سر بے بسی سے ہاتھوں میں تھام کر رہ جاتی۔

موسم سرما سبک خرامی سے بیت گیا۔

مارچ کے چمکتے اور سنہری دن آ گئے۔ ماہتاب کا چہرہ ایک بار پھر بہار کی رعنائیوں میں ڈوبا نظر آنے لگا۔ سرفراز کو یوں محسوس ہوتا جیسے قصر چانڈیو میں گزارے ہوئے وہ دن پھر واپس آ گئے ہیں جنہوں نے اسے ماہتاب کی قربت کا شرف بخشا تھا۔ بیتے ہوئے دن ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرا رہے تھے۔ سرفراز کو سامنے پا کر اُس کے عارض گلگوں ہو جاتے۔ وہ گھر کے کاموں میں خوش بخت کا ہاتھ بٹاتی اپنے ہاتھوں سے سرفراز کے لئے چائے بناتی لیکن اسے چائے پیش کرتے وقت ماہتاب کی نظریں جھکی رہتیں۔ ہاتھ کپکپاتے رہتے اور نتھنے سمٹنے سکڑنے لگتے تھے۔ اس سے جب سرفراز نظر اٹھا کر اُسے وارفتگی سے دیکھتا تو ماہتاب سمٹ کر رہ جاتی۔ خوش بخت ان دونوں کے دلوں میں پلنے والے لطیف جذبوں سے ناآشنا نہ تھی۔ وہ تو ان کی محبت کی بہت پرانی امین تھی چنانچہ ایک شام اس نے سرفراز سے کہا۔

"میں ماہتاب کو ایک بھرپور اور خوش و خرم زندگی گزارتے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"میں سمجھتا ہوں وہ پہلے سے خاصی بہتر نظر آتی ہیں۔" سرفراز نے خوش بخت کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

"سرفراز.........!" خوش بخت نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولی۔ "میں تب بھی ماہتاب کو خوش دیکھنے کی متمنی تھی لیکن بدقسمتی سے سردار صاحب کی طے کی ہوئی منگنی توڑنا نہ میرے اختیار کی بات تھی نہ ماہتاب کے۔ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کی بدقسمتی یہ ہے وہ اپنی زندگی کے بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں .... بہرحال اب جبکہ ماہتاب ایک لالچی اور خودغرض شوہر کے تسلط سے آزاد ہو چکی ہے میں چاہتی ہوں کہ.........." وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"جی.........!" سرفراز نے بے تابانہ کہا۔

"خدا جانے اب تم اس بات کو کیسا سمجھو لیکن میری دلی خواہش ہے کہ تم ماہتاب کا ہاتھ تھام لو۔ مجھے یقین ہے اُسے تم سے زیادہ مخلص اور بے غرض آدمی نہیں مل سکتا۔"

"مگر میں تو آج بھی اتنا ہی تہی دامن ہوں۔"

"مجھے شرمندہ مت کرو سرفراز! میرے اور ماہتاب کے نزدیک نہ اس وقت دولت اور خاندانی جاہ و حشم کی کوئی اہمیت تھی نہ آج ہے مگر اس وقت کچھ ایسی مجبوریاں تھیں جنہوں نے ہمیں پابجولاں کر رکھا تھا۔ انتہائی مجبوری کے عالم میں مجھے تم سے یہ کہنا پڑا تھا کہ یہ ناممکن ہے لیکن میں اس قرض کو چکانا چاہتی ہوں۔ کاش میں تمہیں اپنا دل چیر کر دکھا سکتی سرفراز کہ ماہتاب مجھے کس قدر عزیز ہے۔ میں اسے خوش دیکھنا چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم ہی اُسے خوش رکھ سکتے ہو۔"

"میرے لئے تو یہ ایک اعزاز ہو گا لیکن آپ نے ماہتاب سے بات کی؟"

"تم کیا سمجھتے ہو اس کی خواہش بھی یہی نہ ہو گی۔"

"میرے لئے یہ انتہائی فخر کی بات ہے۔" سرفراز نے نیازمندانہ انداز میں کہا۔

اگلے ہی ہفتہ وہ دونوں بہت سادگی سے ازدواجی بندھنوں میں جکڑ گئے۔ سچ ہے بعض محبتیں آزمائشوں اور کٹھن راستوں سے گزر کر سرخرو ہوتی ہیں۔

سرفراز، ماہتاب اور خوش بخت کی خوشیوں میں فروغ بھی شریک تھا۔ ماہتاب زندگی کی لذتوں سے جی بھر کر لطف اندوز ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کس قدر بدنصیب ہیں

وہ لوگ جو سچی خوشیوں کے بجائے دولت کی چاہ میں بھاگتے ہیں۔ سرفراز حالات کے پیشِ نظر بظاہر خاموش بیٹھ گیا تھا لیکن اس کا وہ عزم جس کی خاطر اس نے گزرے دنوں نگر نگر کی خاک چھانی تھی آج بھی تازہ دم اور جواں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رُوئے زمین پر اب صرف ایک ہی شخص ایسا تھا جس کا اقرار جرم یہ ثابت کر سکتا تھا کہ ماہتاب مری نہیں بلکہ زندہ ہے اور مرنے والی چاند بی بی تھی۔ شیرازی کی جانب سے وہ غافل ہرگز نہ تھا۔ خوش بخت کے اس خدشے سے اُسے مکمل اتفاق تھا کہ اب وہ لالچی اور عیار شخص ماہتاب کی بقیہ جائیداد پر نگاہیں لگائے بیٹھا تھا جو سردار صاحب کی وصیت کے مطابق خوش بخت کے نام منتقل ہو جانی چاہئے تھی۔ خوش بخت کو تو یقین تھا کہ اسی لالچ میں وہ اس سے ملنے بھی آیا تھا۔ بہرحال وہ جس مقصد کے تحت بھی لطیف آباد میں جما بیٹھا تھا سرفراز کے لئے اطمینان کا باعث تھا۔ ورنہ عین ممکن تھا اس کے فرار ہو جانے یا روپوش ہو جانے کے خدشہ کے تحت وہ عجلت میں کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھتا۔ اب وہ اس بات کا منتظر تھا کہ دشمن پر اونگھ طاری ہو جائے تاکہ وہ اس پر بھرپور حملہ کر سکے۔

اس دوران کسی کو بتائے بغیر وہ ایک بار موتی محل بھی جا چکا تھا۔ کئی ہزار گز پر پھیلا ہوا موتی محل آسیب زدہ نظر آتا تھا۔ اس پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ چوکیدار نے اُس کے استفسار پر بتایا پچھلے دنوں نواب اورنگ زیب لغاری یہاں آئے تھے اس کے علاوہ وہ اور کوئی بات ایسی نہ بتا سکا جو کارآمد ہوتی۔ موتی محل کے تمام ملازمین خدا جانے کہاں کہاں جا چکے تھے۔ ورنہ عین ممکن تھا ان میں سے کوئی کچھ بتا سکتا۔ موجودہ چوکیدار کو نواب اورنگ زیب لغاری نے کچھ عرصہ پہلے ملازم رکھا تھا۔ اُسے موتی محل اور اس کے مکینوں کے ماضی کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔

☆======☆======☆

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

سرفراز کی زوجیت میں آ جانے کے بعد ایک روز ماہتاب نے اُس سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اس کے ہمراہ اپنی ماں کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے جانا چاہتی ہے۔ خوش بخت اس کے حق میں نہ تھی اس کے خیال میں وہاں جانا خطرے کو دعوت دینا تھا لیکن سرفراز کے نزدیک ماہتاب کی خواہش کا احترام لازم تھا چنانچہ وہ نہ صرف خود تیار ہو گیا بلکہ کسی نہ کسی طور اس نے خوش بخت کو بھی اپنے ہمراہ چلنے پر تیار کر لیا۔ تاہم خوش بخت کے ایما پر انہوں نے سفر کا آغاز سہ پہر کے وقت کیا تاکہ جب لطیف آباد پہنچیں تو شام گہری پڑ چکی ہو۔

نیم تاریکی میں جب وہ تینوں قبرستان پہنچے تو سردار بیگم کی قبر کے دائیں پہلو میں موجود اس قبر کے سرہانے جس کی لوح پر ماہتاب کا نام کندہ تھا انہوں نے ایک عورت کو قبر پر سر اوندھائے دیکھا۔ انہوں نے قبرستان میں نصب بجلی کے کھمبوں سے آنے والی ملگجی روشنی میں ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا اور دبے پاؤں سردار بیگم کی قبر کی جانب بڑھتے ہوئے سرفراز کے ایما پر وہ دونوں گھنے درختوں کی آڑ میں ہو گئیں۔ سرفراز اس عورت کے نزدیک پہنچا اور کھنکار کر اس کی توجہ حاصل کرنی چاہی۔ اس نے سر اٹھایا اور سرفراز کو سر تا پا حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن کر گئی۔ وہ زینت تھی چاند بی بی کی ماں!

"تم!" بے اختیار سرفراز کے منہ سے نکلا۔

وہ دیوانہ وار اٹھی اور اپنی بھیگی ہوئی متورم آنکھیں سرفراز پر مرکوز کر دیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم یہ سمجھتے تھے ناکہ میرے سینے میں ماں کا دل نہیں ہے .... نہیں ایسا نہیں تھا .... مجھ .... پر تو پابندیاں تھیں .... پہرے ٹوٹنے

ہی میں اپنی بیٹی کی تلاش میں نکلی اور دیکھو اس کے پاس پہنچ گئی۔ اب واپس جانے کو دل نہیں چاہتا میرا .... میری بچی کیوں مر گئی .... اتنی جلدی کیوں مر گئی ....؟ ابھی اس نے دیکھا ہی کیا تھا اور ذرا دیکھو تو سہی بے ایمان نے اس کے نام کے بدلے سردار بیگم کی بیٹی کا نام لکھ دیا۔"

"ہاں افسوس تو اسی بات کا ہے کہ چاند بی بی کی موت کی آڑ میں نواب لغاری اور اس کے ایک شاطر دوست نے ماہتاب کی زندگی سے کھیلنے کی کوشش کی۔"

"میں نے سنا تھا سردار بیگم کی بیٹی ماہتاب ہو بہو میری بیٹی سے ملتی ہے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھانے کے لئے میں قصر چاندیو بھی گئی تھی مگر وہاں تو سب نے مجھے پاگل سمجھا۔ سب یہی کہتے ہیں ماہتاب تو مر گئی .... کہیں ایسا تو نہیں ماہتاب مر گئی ہو اور میری چاند بی بی زندہ ہو۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ ویسے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ماہتاب بی بی مر گئی ہیں لیکن تم تو ماں ہو تم نے تو چاند بی بی کو جنم دیا تھا .... تم تو دنیا کے ہر دوسرے آدمی سے زیادہ اچھی طرح اسے پہچان سکتی ہو۔"

"ہاں .... ہاں .... میں اسے پہچان سکتی ہوں۔"

"وہ تو خیر اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس کے دکھ پورے ہو چکے۔ ہاں اس کی مجسم تصویر ماہتاب بی بی زندہ ہیں اگر تم چاہو تو میں تمہیں ماہتاب سے ملوا سکتا ہوں لیکن اس کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔ میرا مطلب ہے ماہتاب کے یہاں آنے کے بارے میں........."

"ہاں .... بالکل نہیں بتاؤں گی۔"

"اور دوسری شرط یہ ہے کہ تمہیں میرے ایک سوال کا جواب دینا ہو گا۔"

"بولو؟"

"یہ بتاؤ نواب لغاری سے تم کب سے واقف تھیں؟"

سرفراز کے اس سوال پر وہ چند ثانیوں تک تذبذب کے عالم میں بیٹھی رہی پھر اس

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ سوال تم نے اس وقت بھی پوچھا تھا جب وہ زندہ تھا لیکن اس وقت میں اس سوال کا جواب دینے سے معذور تھی۔ اس وقت شاید تم میری گردن بھی اڑا دیتے تو میں تمہارے اس سوال کا جواب نہ دے پاتی لیکن اب جبکہ وہ مرچکا ہے اور میں بالکل آزاد ہو چکی ہوں میں تمہارے سوال کا جواب دے سکتی ہوں۔"
اتنا کہہ کر وہ رکی پھر اس نے قدرے توقف سے کہا۔ "میرا خاوند غلام علی دارالعلوم کا مہتمم تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ علاقے میں نکاح بھی پڑھاتا تھا۔ وہ واقعی بہت نیک اور غیرت مند آدمی تھا۔ غلام علی سے شادی کے بعد میرے ہاں چاند بی بی پیدا ہوئی۔ چاند بی بی چھوٹی سی تھی کہ ایک غلط فہمی نے میرا بسا بسایا گھر اجاڑ دیا.........." وہ ذرا دیر کو رکی پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولی۔

"میں چھوٹی سی تھی کہ میرا باپ جو نواب آفتاب لغاری کی زمینوں کا ہاری تھا مر گیا۔ باپ کے مرنے کے بعد میری ماں محنت مزدوری کر کے اپنا اور میرا پیٹ پالنے لگی لیکن میرا چچا اور چچی اسے بہت تنگ کرتے تھے۔ تنگ آ کر میری ماں ٹھٹھہ سے کراچی چلی گئی اور وہاں اس نے نواب آفتاب لغاری کے محل میں نوکری کر لی لیکن میرا چچا مجھے ماں سے چھین کر واپس لے کر ٹھٹھہ آ گیا۔ میں چھوٹی سی تھی لیکن وہ منظر میں کبھی نہیں بھول سکتی جب میری کمزور ماں میرے ظالم چچا کے آگے ہاتھ جوڑ کر بلک بلک کر روئی تھی۔ وہ مجھے اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر میرے ظالم چچا کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ چودہ پندرہ برس گزر گئے۔ میں ماں کی شفقت سے محروم' چچی کی جھڑکیاں اور مار کھا کھا کر زندگی گزارتی رہی۔ میرے کئی پیغام بھی آئے مگر چچی میری شادی کر کے مفت کی نوکرانی سے ہاتھ نہ دھونا چاہتی تھی۔ تنگ آ کر میں ایک بڑی غلطی کر بیٹھی میں نے کسی نہ کسی طرح موتی محل کا پتہ معلوم کر لیا اور ایک رات اپنے چچا کے گھر سے بھاگ کر کراچی پہنچ گئی لیکن موتی محل پہنچ کر مجھے پتہ چلا کہ کئی برس ہوئے نواب آفتاب لغاری اور میری ماں نے شادی کر لی ہے اور شادی کے بعد وہ دونوں ولایت چلے گئے ہیں۔ اس خبر نے مجھے بہت مایوس کیا۔ اب میں چچا کے گھر بھی واپس نہ جا سکتی تھی۔

میری پریشانی دیکھتے ہوئے موتی محل کے رکھوالے خان بابا نے اپنے ایک دوست کے بیوی بچوں کے ساتھ جو برابر والی کوٹھی میں مالی تھا میرے رہنے کا انتظام کر دیا کافی دن میں وہاں رہی لیکن پرایا گھر تھا کب تک پڑی رہتی۔ بے شرم بن کر ایک روز پھر اپنے چچا کے گھر جا پہنچی۔ چچا اور چچی نے مجھے خوب مارا پیٹا اور گھر سے نکال دیا۔ اس پریشانی کے عالم میں غلام علی نے مجھ سے شادی کر کے مجھے سہارا دیا۔ پھر چاند بی بی پیدا ہوئی۔ چاند بی بی چھوٹی سی تھی کہ ایک روز دوپہر کے وقت جب میں گھر میں اکیلی تھی ایک اجنبی نے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ تو بولا میں تمہارا بھائی ہوں' ولایت سے آیا ہوں میرا نام عالمتاب لغاری ہے۔ میں نے اسے اندر بلایا اور بٹھایا۔ ماں کا حال پوچھا تو اس نے بتایا وہ کئی سال ہوئے مر چکی تھی۔ نواب آفتاب لغاری کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ حال ہی میں فوت ہوئے تھے۔ عالمتاب نے مجھے بتایا کہ وہ ٹھٹھہ دو مقاصد کے تحت آیا تھا اوّل تو ماں نے اسے میرے بارے میں بتا رکھا تھا دوسرے اسے اپنی زمینوں کا حساب کتاب کرنا تھا اور زمین اپنے نام منتقل کروانی تھی۔ مجھے تلاش کرتے کرتے وہ بالآخر مجھ تک پہنچ گیا تھا۔ اس سے مل کر میں بہت روئی۔ ماں اس دن مجھے بہت یاد آئی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ چلا گیا لیکن اس نے مجھے ہدایت کی کہ جب تک وہ نہ کہے میں اس سے اپنے رشتے کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔ میں نے پوچھا کیوں تو بولا جب وقت آئے گا بتا دینا لیکن میری اجازت کے بغیر کسی سے کچھ نہ کہنا اس کے بعد وہ کئی بار میرے گھر آیا لیکن جب آتا چوری چھپے۔ میں نے اس سے بہت کہا کہ کم از کم غلام علی سے تو مل لے لیکن اس نے کہا فی الحال وہ نہیں مل سکتا۔ اس نے مجھے قسم دی کہ میں کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں لیکن اس کے چوری چھپے آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ محلے والے طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ میں نے اس سے کہا اب یہ بتانا ضروری ہو گیا ہے کہ تم میرے بھائی ہو تو اس نے سختی سے منع کر دیا۔

ایک روز وہ مجھ سے ملنے آیا تو بہت پریشان تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو بولا جائیداد میرے نام منتقل ہونے میں ایک بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ میرے پاس اس

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ماں نے نواب صاحب سے شادی کی تھی مگر کیوں؟ میں نے پوچھا تو اس نے کہا۔ میں نے اپنے تمام کاغذات اچھی طرح دیکھ لئے ہیں مگر ان میں نکاح نامہ موجود نہیں ہے۔ جبکہ نکاح نامہ ہونا بہت ضروری ہے ورنہ ممکن ہے نواب اورنگ زیب لغاری کچھ گڑبڑ کر دیں گے کیونکہ پاکستان آنے کے بعد جب میں اپنے چچا نواب اورنگ زیب لغاری سے ملا تو انہوں نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ تم خود کو میرا بھتیجا تو کہتے ہو تمہارے پاس اس کا ثبوت کیا ہے؟ میں ان کو بھی کوئی جواب نہیں دے سکا تھا مگر اب تو بڑی مشکل ہو گئی ہے۔ اگر نکاح نامہ نہ ملا تو نہ صرف جائیداد کی منتقلی میں دقت ہو گی بلکہ نواب اورنگ زیب لغاری بھی باتیں بنا سکتے ہیں۔ عالمتاب کی بات سن کر میں بے حد پریشان ہو گئی۔ میں نے فکرمند ہو کر کہا۔ "اب کیا ہو گا؟" اس پر اس نے کہا اب صرف تم ہی میری مدد کر سکتی ہو۔ میں نے کہا بھائی میں کیا کر سکتی ہوں۔ مجھے بتاؤ تمہاری خاطر مجھے جان بھی دینی پڑی تو دوں گی۔

اس پر اس نے مجھ سے دارالعلوم کے حجرے کی چابیاں مانگیں مگر مشکل یہ تھی کہ دارالعلوم کی چابیاں دن بھر غلام علی کے پاس رہتی تھیں۔ رات کو وہ گچھا سرہانے رکھ لیتا تھا۔ میں یہ چابیاں رات ہی کو اسے دے سکتی تھی۔ اس پر اس نے کہا۔ ٹھیک ہے تم رات کو چابیاں لے کر دارالعلوم آ جانا' میں انتظار کروں گا۔ رات کو میں چابیاں لے کر وہاں پہنچی تو وہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ چابیاں لے کر اس نے حجرے کی کوٹھری کھولی اور کوٹھری میں رکھے رجسٹر دیکھے پھر ایک رجسٹر چادر میں لپیٹ لیا اور بولا بس اب کام ہو جائے گا لیکن یہ رجسٹر رکھنے کے لئے ایک دفعہ اور چابی کی ضرورت پڑے گی اس دروازے کی چابی مجھے دے دو۔ میں نے اس سے کہا تم فکر نہ کرو جب تمہیں چابی کی ضرورت ہو گی بتا دینا میں آ جاؤں گی لیکن میں چابی نہیں دے سکتی۔

اس نے میری بات سے اتفاق کیا اور ہم دونوں دارالعلوم سے نکل آئے لیکن جیسے ہی ہم دونوں باہر نکلے غلام علی اور جنت کے میاں نے ہمیں دیکھ لیا۔ عالمتاب تو بھاگ گیا مگر میں کہاں جاتی۔ بھائی نے اپنی جان کی قسم نہ دی ہوتی تو میں غلام علی کو بتا دیتی کہ یہ

شخص غیر نہیں میرا بھائی تھا مگر اس نے تو قسم دے رکھی تھی۔ غلام علی نے مجھے بہت بُرا بھلا کہا لیکن جنت اور اس کے میاں کی نیکی کہ انہوں نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔

تیسری رات عالمتاب نے مجھے چابی لے کر آنے کو کہا۔ میں نے غلام علی کے گہری نیند سو جانے کے بعد گچھا نکالا اور دارالعلوم پہنچ گئی۔ عالمتاب نے کوٹھری کھول کر رجسٹر اپنی جگہ واپس رکھا اور میرا بہت شکریہ ادا کیا اور بولا بہن! میں نے اپنی ماں کو وہ مقام دلا دیا ہے جو شاید وہ جیتے جی حاصل نہ کر سکی تھی اب نواب اورنگ زیب تو کیا کوئی ایک لفظ نہیں کہہ سکتا۔ اب میں نواب آفتاب لغاری کا قانونی وارث ہوں۔ تب میری سمجھ میں سارا قصہ آیا لیکن جب ہم دونوں واپس ہو رہے تھے تو حجرے کے دروازے سے نکلتے ہوئے ہم غلام علی سے ٹکرا گئے۔ اس نے کچھ پوچھا نہ گچھا شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لیا۔ وہ غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ میں نے مجبوراً زبان کھولنی چاہی مگر عالمتاب نے مجھ سے کہا خبردار اگر کچھ بتایا تم نے' بس اس بات پر غلام علی کا شک اور بڑھ گیا اور اس نے عالمتاب کا گریبان پکڑ لیا۔ عالمتاب نے اسے ایک جھٹکا دے کر نیچے گرایا اور مار مار کر لہولہان کر دیا۔ میں چیختی رہی۔ مگر میری کسی نے نہ سنی۔ میں نے مجبور ہو کر عزت کی خاطر قسم بھی توڑ دی اور چلا چلا کر کہا۔ خدا کی قسم یہ میرا بھائی ہے مگر لوگ سمجھے میں عیب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ غلام علی تو اسی رات چلا گیا اور کبھی نہیں آیا بہت نیک اور بڑا غیرت مند آدمی تھا۔

دو تین دن کے بعد عالمتاب میرے پاس آیا تو میں نے اُسے بتایا کہ محلے والے مجھے بدکردار سمجھنے لگے ہیں اور میری اس بات کو جھوٹ سمجھتے ہیں کہ تم میرے بھائی ہو۔ میری اس بات پر وہ ہنسا اور بولا شکر ہے تم نے قسم ایسے وقت توڑی جب اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا خیر تم فکر مت کرو۔ میں تمہیں جلد ہی حیدرآباد میں مکان خرید دوں گا تم آرام سے وہاں رہنا لیکن آج کے بعد تم کسی کو یہ نہ بتاؤ گی کہ تمہاری اور میری ماں ایک تھی۔ وعدے کے مطابق عالمتاب نے کچھ عرصہ بعد مجھے حیدرآباد میں ایک مکان خرید دیا اور ہر مہینہ اخراجات کے لئے رقم بھی دینے لگا مگر اس نے مجھ پر یہ پابندی لگا دی کہ میں اس کی

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

اجازت کے بغیر کہیں آ جا نہیں سکتی۔ اتفاق سے قصر چانڈیو میں میری ایک رشتے کی بہن صغریٰ ملازم تھی وہ بیمار پڑی تو سردار بیگم نے مجھے خط لکھا۔ میں وہاں جانا نہیں چاہتی تھی مگر مجبوراً جانا پڑا۔

جب میں واپس آئی تو عالمتاب بہت غصے ہوا کیونکہ میں اس کی اجازت کے بغیر گئی تھی۔ اس نے مجھے برا بھلا کہا اور غصے ہو کر چلا گیا۔ اس کی اس حرکت پر مجھے بہت غصہ آیا۔ اس کی خاطر تو میں نے اپنا گھر اجاڑ لیا تھا اور وہ ذرا سی بات پر آنکھیں نکال رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں خوب روئی۔ چاند بی بی مجھے روتے دیکھ کر خود بھی رونے لگی۔ میں نے اسے تسلی دی اور غصہ کے عالم میں اس کے سامنے میں غلطی سے یہ کہہ گئی کہ یہ سمجھتا کیا ہے خود کو' اگر میں چاہوں تو اس کا راز فاش کر کے اسے تباہ و برباد کر سکتی ہوں۔ بس یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی اور اس کے بعد وہ ہمیشہ یہی سمجھتی رہی کہ وہ نواب لغاری کے ایک راز سے واقف ہے حالانکہ اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ بدقسمتی سے ایک بار پھر عالمتاب سے میری تُو تُو میں میں ہو گئی۔ میں روئی تو چاند بی بی نے عالمتاب پر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ تم میری ماں کو کیوں رلاتے ہو۔ میں تمہارا ایسا راز جانتی ہوں کہ تمہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دوں گی۔ عالمتاب اس وقت تو چلا گیا لیکن اگلی بار جب وہ حیدر آباد آیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ وہ چاند بی بی کا علاج کرانا چاہتا ہے۔ اس وقت تک میں اس کی فطرت سے واقف ہو چکی تھی لہٰذا میں نے منع کیا مگر وہ زبردستی اُسے کراچی لے گیا اور دماغی ہسپتال میں داخل کرا دیا لیکن ایک رات وہ وہاں سے بھاگ نکلی اور ماسی جنت کے پاس پہنچ گئی جس سے وہ بہت مانوس تھی۔ اسی رات وہ تمہیں بھی ملی اور بعد کے حالات تو تمہیں مجھ سے بہتر معلوم ہیں .... بس یہ ہے سارا قصہ .... تم دیکھو میں کیسی بدنصیب ہوں۔ باپ مر گیا۔ ماں سے جدا ہوئی۔ چچا چچی کے ظلم جھیلے۔ گھر اجڑا۔ بیٹی مری اور آخر میں وہ بھائی بھی مر گیا جس کی خاطر میں نے دنیا بھر کی بدنامی مول لی۔ وہ جیسا بھی تھا میری ماں کی کوکھ سے جنم لیا تھا اس نے۔ وہ بڑا پیارا تھا مجھے .... وہ مجھے دکھ دیتا' ستاتا تو میں اُسے اوپری دل سے کوس بھی دیا کرتی تھی لیکن پھر میں ساری ساری رات اللہ

سے کہتی تھی میری بددعائیں اور کوسنے مجھ کو لگا دے اس کا تو ماتھا بھی گرم نہ ہو مگر وہ بھی چلا گیا .... اس کے جانے کے بعد کوئی پابندی نہیں رہی مجھ پر۔ اب یہاں آ گئی ہوں اپنی بچی کے پاس .... اب کہیں نہیں جاؤں گی۔"

یہ داستان سنا کر وہ تھم گئی۔ پھر اِدھر اُدھر متلاشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اب تو دکھا دو مجھے چاند بی بی کی صورت۔"

سرفراز نے ماہتاب کو پکارا تو وہ درختوں کی آڑ سے .... خوش بخت کے ہمراہ نکلی اور ان کے نزدیک آ کر دونوں نے نقابیں الٹ دیں۔

ملگجی روشنی میں اس نے پہلے خوش بخت کو دیکھا پھر ماہتاب کو اور دیوانہ وار اُس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور بے اختیار چومتی چلی گئی۔ یہ منظر اس قدر رقت انگیز تھا کہ سرفراز اور خوش بخت بھی دلگیر ہو گئے۔ کچھ دیر بعد زینت سرفراز کی جانب متوجہ ہوتی ہوئی بولی۔

"مجھے تو یہ چاند بی بی لگتی ہے۔"

"مگر یہ چاند بی بی نہیں ماہتاب ہیں۔"

"میری بیٹی ہو یا سردار بیگم کی کیا فرق پڑتا ہے۔ دونوں کی صورتیں بھی ایک تھیں اور دونوں کا باپ بھی ...."

وہ کہتے کہتے رک گئی اور اپنے منہ پر یوں ہاتھ دھر لیا جیسے کوئی غلط بات اس کے منہ سے نکل گئی ہو۔

"تم رک کیوں گئیں؟" سرفراز نے پوچھا۔

"کچھ نہیں .... کچھ نہیں ...." اس کے لہجے سے گھبراہٹ مترشح تھی۔

تاہم سرفراز بہت کچھ سمجھ چکا تھا اور جو کچھ وہ سمجھا تھا وہ اس کے لئے انتہائی حیران کن تھا۔

فاتحہ خوانی کے بعد جب سرفراز نے زینت سے کہا۔ "اب چلیں؟"

"کہاں؟"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اپنے گھر نہیں جاؤ گی تم؟"

"میں سب کچھ چھوڑ آئی ہوں۔ میری بچی ساری عمر پیار کے لئے ترستی رہی۔ اب میں اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی میں اس کا سارا قرض چکاؤں گی.........." پھر وہ بے بسی سے بولی۔ "خدا جانے اس کا قرض چکا بھی سکوں گی یا نہیں!"

"اب تمہارے یہاں رہنے سے فائدہ؟"

"دل.......... دل ٹھنڈا رہتا ہے .... بچہ ماں کے سینے سے لگا ہو تو بڑی ٹھنڈ رہتی ہے۔"

سرفراز اور خوش بخت کے لاکھ سمجھانے بجھانے پر بھی وہ وہاں سے جانے کو راضی نہ ہوئی اگرچہ انہوں نے اسے اپنے ساتھ رکھنے کی پیشکش بھی کی۔

اُسے وہیں چھوڑ کر جب وہ تینوں قبرستان کے دروازے سے باہر نکل رہے تھے تو گورکن نے ان کے استفسار پر کہا۔

"سائیں! پاگل ہو گئی ہے وہ عورت سردار چانڈیو کی بیٹی ماہتاب بی بی کی قبر کو اپنی بیٹی کہتی ہے۔"

"وہ ٹھیک کہتی ہے۔" سرفراز نے جی ہی جی میں کہا اور ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے تینوں قبرستان سے باہر نکل آئے۔

اور اسی رات آخری بس سے وہ کراچی کے لئے روانہ ہو گئے۔

اگلے دن اس وقت جب ماہتاب سرفراز کے لئے بطور خاص پڈنگ بنانے میں مصروف تھی سرفراز نے سرگوشی میں خوش بخت سے کہا۔

"کل رات آپ نے زینت کی ایک بات پر غور کیا تھا؟"

"ہاں.......... بات خاصی معنی خیز تھی۔"

"آپ کون سی بات سمجھ رہی ہیں؟"

"وہی جس کی طرف تمہارا اشارہ ہے۔"

"گویا اس بات نے صرف مجھی کو حیران نہیں کیا۔"

"نہ صرف تمہیں اور مجھے بلکہ ماہتاب کو بھی۔"

"کیا..........؟ کیا ماہتاب نے آپ سے کچھ کہا؟"

"ہاں .... مگر وہ زینت کو پاگل سمجھتی ہے۔"

"جبکہ ایسا نہیں ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے تب بھی کم از کم مجھے تو یہی یقین ہے کہ زینت جیسی عورت پاگل ہو کر بھی عقل کی باتیں کر سکتی ہے۔ اس کی اس بات پر میں کل رات سے سنجیدگی سے غور کر رہا ہوں اور میرا دماغ جانے کہاں کہاں پہنچ رہا ہے۔ ایک بات بتائیے کہ سردار مصطفیٰ علی چانڈیو کے آفتاب لغاری سے مراسم تھے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ ہو سکتا ہے ان کے مراسم ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ ہوں کیونکہ بہرحال موتی محل اور قصرِ ماہتاب ساتھ ساتھ واقع ہیں۔"

"ہوں .... ہوں.........." سرفراز نے یوں گردن ہلائی جیسے کوئی غیر معمولی بات اس کے ذہن میں آئی ہو پھر اس نے پوچھا۔ "کیا قصر ماہتاب ان دنوں بالکل خالی پڑا ہے۔"

"نہیں .... دیکھ بھال اور صفائی ستھرائی کے لئے ایک پرانا ملازم اور اس کا کنبہ وہاں رہتا ہے۔"

اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر سرفراز اسی دن قصر ماہتاب جا پہنچا۔

قصر ماہتاب کے بوڑھے چوکیدار کے ساتھ اسے بہت دیر مغز کھپانا پڑا تب کہیں اتنا معلوم کرنے میں کامیاب ہو سکا کہ برسوں پہلے موتی محل کے چوکیدار بابا گل خان مرحوم کی ایک عزیزہ قصر ماہتاب میں آ کر رہی تھی لیکن اس کا نام اسے یاد نہ تھا۔ تاہم سرفراز کی درخواست پر وہ اسے اندر لے گیا۔ چوکیدار کی بیوی نے اسے بتایا کہ بابا گل خان کی اس عزیزہ کا نام زینت تھا اور وہ کافی دن یہاں رہی تھی۔

"کیسی تھی وہ لڑکی؟"

"خوبصورت تھی۔" سرفراز کے سوال کا بڑی بی نے بلاتردد جواب دیا۔

"کیا سردار علی چانڈیو نے اس کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا؟"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اعتراض..........!" بڑھیا معنی خیز انداز میں ہنسی پھر بولی۔ "اعتراض کیسا وہ تو بڑے ٹھاٹھ سے مالکوں کی طرح یہاں اندر رہتی تھی۔"

"کیا مطلب؟" سرفراز نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"بتادوں؟" اس نے میاں کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی اجازت مطلوب ہو۔

"نہیں.......... مالک زندہ ہوں یا مردہ ان کے راز نہیں کھولا کرتے۔"

"اب میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ میرا خاوند ناراض ہوتا ہے۔" بڑھیا نے کہا۔

"اتنا تو بتا سکتی ہو کہ جن دنوں وہ یہاں آکر رہی تھی کیا سردار چانڈیو بھی یہاں تھے؟" سرفراز نے سوال کیا۔

وہ پھر اسی طرح معنی خیز انداز میں ہنسی اور بولی۔ "وہ تو ادھر سے جانے کا نام نہیں لیتے تھے۔ اتنے زیادہ دن تو وہ نہ اس سے پہلے کبھی رہے تھے نہ اس کے بعد.......... خود ہی اگر وہ یہاں سے بھاگ نہ جاتی تو شاید.........."

"میں نے تجھ سے کیا کہا؟" بوڑھے چوکیدار نے بڑے غصہ سے کہا۔

"میرا خاوند ناراض ہوتا ہے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

سرفراز کو اب کچھ پوچھنے کی حاجت بھی نہ رہی تھی۔

لیکن تجسّس جو تصدیق کا طلب گار تھا بہت جلد اسے لطیف آباد کے قبرستان لے گیا۔ گورکن نے اس کے استفسار پر بتایا زینت اس وقت اپنی جھگی میں ہے جو کونسلر جوکھیو صاحب نے اس پر ترس کھا کر قبرستان کی دیوار کے ساتھ ہی ڈلوا دی ہے۔ وہ زینت کی جھگی تک پہنچا تو وہ اسے دروازے ہی پر بیٹھی مل گئی۔ ہفتہ بھر میں وہ اور بھی کمزور ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے اور گہرے ہو گئے تھے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور کپڑے گرد آلود تھے۔ سرفراز کو حالات کی بے ثباتی اور وقت کی بے مہری پر رونا آ گیا۔ کیا یہ وہی عورت تھی جو بڑے ٹھسے سے رہا کرتی تھی۔ جسے اپنے اوپر بڑا زعم تھا۔ سرفراز کو اس پر اس قدر رحم آیا کہ اس کا جی چاہا اس سے کچھ پوچھے گچھے بغیر واپس لوٹ جائے لیکن اس نے از خود ہی چاند بی بی کا ذکر چھیڑ دیا۔ ایک ایک جملے پر اس کی آنکھیں دس

دس آنسو بہا رہی تھیں۔

بالآخر سرفراز نے ہمت کر ہی لی اور بولا۔ "کتنی عجیب بات ہے دونوں بہنوں کی صورتیں ہی ایک سی نہ تھیں بلکہ مقدر بھی ایک سے رہے۔"

سرفراز کی اس بات پر زینت نے چونک کر اسے دیکھا اس کے چہرے پر چھائی مردنی گہری پڑ گئی اور وہ لرزتی آواز میں بولی۔ "بہنیں!.......... کون سی بہنیں؟"

"ماہتاب اور چاند بی بی۔"

زینت نے اپنا سر سرکنڈوں کی دیوار کے ساتھ ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر لیں اور یوں کراہی جیسے شدید اذیت میں مبتلا ہو۔

"کیا سردار بیگم کو پتہ تھا کہ چاند بی بی سردار صاحب کی بیٹی ہے؟" سرفراز نے کاری ضرب لگائی۔

زینت نے نفی میں سر ہلا دیا اور بمشکل تمام بولی۔ "یہ بات تو سردار چانڈیو کو بھی معلوم نہیں تھی.......... تمہیں.......... تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟" اس لمحہ وہ شکست خوردہ نظر آئی تھی شاید وہ تھک چکی تھی۔

"کوئی راز سدا راز نہیں رہتا۔" سرفراز نے آہستہ سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

زمین پر بیٹھی اس خستہ حال عورت کو دیکھ کر جو اپنی کٹیا سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے انتہائی آزردہ بیٹھی تھی کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی عورت ہے جو کبھی بڑے زعم میں مبتلا تھی۔

سرفراز اپنی فراست سے ایک اور راز دریافت کر چکا تھا۔ وہ راز جو ایک عورت کی زندگی کا اہم راز تھا جس کا علم اگر نواب لغاری کو ہو گیا ہوتا تو شاید اپنے راز کی حفاظت کی خاطر وہ زینت کو آسائشیں فراہم نہ کرتا۔

کاش سفید لباس میں ملبوس ماہتاب کی ہمشکل اس حرماں نصیب لڑکی کو جو سردار بیگم کو دیوانہ وار چاہتی تھی اس کی زندگی میں یہ معلوم ہو گیا ہوتا کہ ماہتاب اس کی اپنی بہن ہے۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆======☆======☆

کافی دن بعد کا ذکر ہے ایک شام سرفراز اور فروغ خریداری کے لئے الفنسٹن اسٹریٹ پر واقع ایک شاپنگ سنٹر گئے۔ خریداری کے بعد فروغ سامان اٹھائے شاپنگ سنٹر سے نکل رہا تھا اور سرفراز کاؤنٹر پر ادائیگی کے بعد مڑا ہی تھا کہ اس نے گٹھے ہوئے جسم والے ایک پستہ قامت شخص کو جو بیش قیمت لباس میں ملبوس تھا' جس کی چندیا پر بال نہ ہونے برابر تھے' شاپنگ سنٹر کے دروازے پر دیکھا۔ سرفراز کے لئے اسے پہچاننا دشوار نہ تھا۔ اس نے اسے پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔ نواب لغاری کی موت کے بعد سے تو اُس نے شیرازی پر نگاہیں جما رکھی تھیں۔ شیرازی کو' سرفراز اُس کی نظروں سے چھپ کر اس سے پہلے بھی حی بار دیکھ چکا تھا۔ بلاشبہ وہ شیرازی ہی تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی سرفراز ٹھٹک کر رہ گیا۔ اسے یقین تھا جس طرح شیرازی اس کے لئے اجنبی صورت نہیں اسی طرح وہ بھی شیرازی کے لئے نامانوس چہرہ نہ ہو گا لیکن اگلے ہی لمحہ اُس کی آنکھوں نے ایک عجیب و غریب اور معنی خیز منظر دیکھا۔ شاپنگ سنٹر میں داخل ہوتے وقت جب شیرازی کی نظر شاپنگ سنٹر سے نکلتے ہوئے فروغ پر پڑی تو وہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات آن کی آن بدل گئے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پتھر کا بن گیا ہو۔ چند ثانیوں تک وہ ٹکٹکی باندھے فروغ کو دیکھتا رہا۔ اس موقع پر فروغ کے کیا تاثرات تھے سرفراز نہ دیکھ سکا۔ اس لئے کہ اس کی جانب فروغ کی پشت تھی۔ پھر اچانک ہی شیرازی کسی روبوٹ کی مانند مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی نیلے رنگ کی کار تک پہنچا۔ بڑی عجلت میں کار میں بیٹھا اسٹیئرنگ سنبھالنے کے بعد اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر فروغ کی جانب دیکھا' اس کے چہرے پر خوف و ہراس کی پرچھائیاں تھیں اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آنِ واحد میں گاڑی فراٹے بھرتی چلی گئی۔

سرفراز شیشوں کے اس پار سے یہ سارا منظر خاصی حیرانی کے ساتھ دیکھتا ہوا فروغ تک پہنچ چکا تھا۔

"تم اس شخص کو جانتے ہو؟" اس نے فروغ کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے پوچھا۔

"کون سا شخص؟"

"یہی جو ابھی نیلی کار میں بیٹھ کر گیا ہے۔"

"نہیں۔"

"کیا تم وثوق سے کہہ رہے ہو کہ تم اس شخص سے ناواقف ہو؟"

"ہاں! بالکل وثوق سے۔"

"لیکن مجھے یقین ہے وہ تمہیں جانتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے مگر میں اسے نہیں جانتا۔"

سرفراز خاموش ہو رہا اور دونوں گھر آ گئے لیکن رات کو کھانے کے بعد وہ فروغ کے کمرے میں جا پہنچا جہاں اس وقت ماہتاب اور خوش بخت میں سے کسی کے آنے کا امکان نہ تھا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد سرفراز اصل مقصد پر آتے ہوئے بولا۔

"فروغ! مجھے بار بار اس شخص کا خیال آ رہا ہے۔ وہ یقیناً تم سے واقف ہے نہ صرف واقف بلکہ خائف بھی۔ ایک بات بتاؤں تمہیں یہ وہی شخص ہے جو ماہتاب کا بدترین بدخواہ ہے یہ اس کی پھوپھی کا شوہر شیرازی ہے اور بدقسمتی سے تمہارا ہم وطن۔ ذرا سا زور دو ذہن پر شاید تم جانتے ہو اُسے۔"

"نہیں' میں اُسے نہیں جانتا۔" فروغ نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ اس لمحہ فروغ کے چہرے کے تاثرات سرفراز سے یہ چغلی کھا گئے کہ وہ کوئی بات اس سے چھپا رہا تھا۔

"فروغ پلیز!"

"اوہ سرفراز! خدا کے واسطے کچھ مت پوچھو .... کچھ مت پوچھو تم نہیں جانتے تم مجھ سے کیا پوچھ بیٹھے ہو۔" فروغ نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"فروغ! میرے دوست اگر میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو میں ہرگز کوئی سوال نہیں کروں گا۔"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فروغ کی آواز ابھری۔ "سرفراز! کیا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے جس سے تم اس شخص کے بارے میں استفسار کر سکو؟"

"بظاہر تو کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا لیکن اگر تم نہیں بتانا چاہتے نہ سہی میں اُس تک پہنچنے کا کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لوں گا۔"

"جانم! تمہارا حق تو مجھ پر بہت زیادہ بنتا ہے تمہیں یاد ہے ہماری دوستی کا آغاز کس طرح ہوا تھا۔ اگر اس شام تم نے مجھے سمندر کی بپھرتی ہوئی لہروں سے نہ بچایا ہوتا تو سمندری جانور مجھے نگل چکے ہوتے اس پُرخطر لمحہ کے بعد سے میں اور میری زندگی تمہاری مرہون منت رہی ہے۔ یوں مارنے اور جلانے والا تو خدا ہے لیکن سچ پوچھو تو اس نے میرے لئے تمہیں آسمانی رحمت بنا کر بھیجا تھا.........." وہ ذرا دیر کو رکا پھر بولا۔ "اب جو کچھ میں تم سے کہوں گا اس کے بعد میری زندگی خدا کے بعد صرف تمہارے رحم و کرم پر ہو گی۔"

قدرے توقف سے اس نے پھر کہا۔ "مجھے اب بھی یہی یقین ہے کہ میں اس شخص سے ناواقف ہوں تاہم جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گا اس کی روشنی میں اگر تم یہ سمجھو کہ میں اس سے واقف ہوں اور بعد میں اگر تمہیں کوئی غیر معمولی بات معلوم ہو تو خدا کے واسطے اس بات کو صرف اپنے تک رکھنا کسی کو کچھ نہ بتانا.........."

"مجھ پر اعتماد رکھو فروغ اور اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ میرا وعدہ ہے کہ میں تم سے کبھی کچھ نہیں پوچھوں گا۔"

فروغ نے ایک گہری سانس لی اور کہنا شروع کیا۔

"تمہیں یاد ہو گا سرفراز ایک بار تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اپنا وطن چھوڑ کر یہاں کیوں آ بسا ہوں اور اس کے جواب میں، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ چند سیاسی وجوہات کی بنا پر میں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا.......... آج میں تمہیں اپنے ایک اہم راز میں شریک کر رہا ہوں۔ میرے دوست! اس بات سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے کہ دنیا بھر میں خفیہ تنظیموں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ ان میں سے بیشتر تنظیمیں زیر زمین کام کرتی

ہیں۔ میں بھی ایسی ہی ایک تنظیم سے وابستہ تھا اور اب بھی ہوں لیکن اس تنظیم کا دائرہ کار اور مطمع نظر جغرافیائی بنیادوں سے بالاتر ہے۔ یہ تنظیم عالمی برادری کی فلاح کے لئے کام کرتی ہے اس کا اوّلین مقصد جبر و تشدد اور آمریت کے مقابلے میں ایک عام آدمی کے حقوق کا تحفظ ہے۔ تنظیم کے قواعد اور ضوابط کی روشنی میں ہر شخص کو اپنی زندگی بھرپور انداز میں گزارنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کے حقوق غصب کرتا ہے تو وہ نہ صرف ایک اخلاقی جرم کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ تنظیم کے اعلیٰ عہدیداروں کے نزدیک قابل گردن زدنی قرار پاتا ہے اور یہ فریضہ تنظیم کے ارکان انجام دیتے ہیں۔ تنظیم جمہوریت کی علمبردار ہے اور اس کا نعرہ "فلاح انسانیت" ہے اور جہاں بھی اُسے کوئی شخص دوسرے انسان یا انسانوں کے حقوق پامال کرتا نظر آتا ہے خواہ وہ سربراہ مملکت ہو یا ایک عام آدمی تنظیم اسے پامال کر ڈالتی ہے۔ تنظیم کے قواعد و ضوابط اس قسم کی دوسری تنظیموں سے قدرے مختلف ہیں۔ تنظیم کا صدر دفتر ایک مغربی ملک میں ہے۔ تنظیم کا اعلیٰ ترین عہدے دار صدر ہے جس کے ماتحت نائب صدور دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر نائب صدر کے زیرِ نگرانی تین سیکرٹری کام کرتے ہیں۔ صدر نائب صدور اور سیکرٹریوں کے تحت تنظیم کے عمومی ارکان کام کرتے ہیں۔ نائب صدر اور سیکرٹری اپنے حلقے کے ارکان سے آشنا ہوتے ہیں لیکن تنظیم کے عمومی کارکن ایک دوسرے سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر نائب صدر یا سیکرٹری ایک کارکن کو دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے کا حکم دے سکتا ہے صرف اسی صورت میں دو کارکن ایک دوسرے سے واقف ہو سکتے ہیں مگر ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ صدر کے احکامات کے تحت نائب صدر اور سیکرٹری تنظیم کے کارکنوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے تعینات کرتے ہیں۔

جب کوئی شخص اس تنظیم کی رکنیت اختیار کرنا چاہتا ہے تو ایک مخصوص طریقے سے اس کی رکنیت پر مہر تصدیق ثبت کی جاتی ہے اور اسی موقع پر اسے بتادیا جاتا ہے کہ اسے کہاں متعین کیا گیا ہے۔ تعیناتی کے وقت ایک عمومی کارکن اپنے علاقائی سیکرٹری کے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

سامنے حاضر ہوتا ہے اور حلف اٹھاتا ہے۔ میں گزشتہ سات برس سے یہاں متعین ہوں۔ اب جب تک مجھے صدر یا نائب صدر حکم نہ دے مجھے یہیں رہنا ہو گا۔ ہر عمومی کارکن کو تنظیم کی جانب سے خفیہ طریقے پر سالانہ مالی امداد ملتی ہے لیکن یہ امداد یا وظیفہ برائے نام ہوتا ہے اصل میں اس تنظیم میں ساری اہمیت جذبۂ فلاحِ انسانیت کی ہے۔ ہر رکن ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارنے کے لئے کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے جیساکہ میں کرتا ہوں۔ مجھے یہاں اس وقت تک رہنا ہے جب تک کوئی نیا حکم نہ ملے ہو سکتا ہے آج ہی مجھے کوئی حکم ملے اور مجھے کہیں اور تعینات کر دیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اگلے دس سال تک یہیں رہوں اور اپنے نائب صدر کے حکم کا انتظار کروں۔ اس دوران تنظیم کے ضابطۂ اخلاق کے تحت مجھے ہر اس شخص کو پامال کر دینے کا حق ہے جو دوسروں کے حقوق پامال کرتا نظر آئے۔"

اتنا بتا کر وہ خاموش ہو گیا۔ سرفراز نے ایک لمبی سانس کھینچی اور بولا۔

"یعنی شیرازی بھی اسی تنظیم کا ایک رکن ہو سکتا ہے لیکن بقول تمہارے تنظیم کے کارکن ایک دوسرے سے ناآشنا ہوتے ہیں ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تمہیں دیکھ کر چونکا کیوں جبکہ تم اس سے ناواقفیت کا اظہار کر رہے ہو اس کے چہرے کے تاثرات گواہ تھے کہ وہ تم سے واقف ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے سرفراز کہ میں کئی سال قبل سیکرٹری کے عہدے پر بھی رہا ہوں .... جب کوئی شخص تنظیم کی رکنیت اختیار کرتا ہے تو اسے سیکرٹری کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جو اس کی رکنیت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے ممکن ہے شیرازی تنظیم کا رکن ہو اور اسے میرے سامنے اس زمانے میں لایا گیا ہو جب میں سیکرٹری تھا۔ بہرحال مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اسے پہلے کبھی دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے وقت نے اس کی ظاہری ہیئت بدل دی ہو۔"

"ہاں زمانے کے سرد و گرم لوگوں کو بدل دیا کرتے ہیں اور پھر جس امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ میں وہ آج نظر آیا اس وقت ایسا تھوڑا ہی ہو گا ممکن ہے اس زمانے میں وہ چشمہ بھی نہ

لگاتا ہو اور اس کے چہرے پر داڑھی بھی نہ ہو۔" سرفراز نے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔"

"اب یہ بتاؤ فروغ کہ اس بات کی تصدیق کس طرح کی جائے کہ وہ تنظیم "فلاحِ انسانیت" کا رکن ہے؟"

"اوہ سرفراز! یہ بات .... یہ بات مجھ سے مت پوچھو .... یہ تنظیم کا ایک اہم راز ہے .... یہ بتا کر میں کہیں کا نہ رہوں گا........." وہ رکا پھر شکست خوردہ بوجھل لہجہ میں بولا۔ "مگر میری زندگی تمہاری ہی مرہونِ منت تو ہے۔" اس نے ایک نظر سرفراز پر ڈالی اور کہا۔ "اس تنظیم کے ارکان کی شناخت یہ ہے کہ........." اتنا کہہ کر اس نے اپنی قمیض کی بائیں آستین الٹنا شروع کی اور بغل کے نزدیک ایک دائرہ نما سیاہ نشان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "رکنیت دیتے وقت ہر رکن کو اس مقام پر ایک فولادی مہر سے اس طرح داغا جاتا ہے کہ ایک دائرہ بن جائے یہ گویا اس بات کی علامت ہے کہ اب اس شخص کو تمام زندگی انسانیت کی فلاح کی خاطر کام کرنا ہے۔ وہ تمام عمر اسی دائرے میں .... چلتا رہے گا کبھی اس حلقے سے نہ نکلے گا اور کبھی تنظیم کے اصولوں سے انحراف نہ کرے گا۔ تنظیم کے کسی کارکن کے بارے میں صدر، نائب صدر یا سیکرٹری کو علم ہو جائے کہ اس نے اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے تو جلد یا بدیر وہ موت کی وادی میں دھکیل دیا جاتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ فروغ تم نے میرا کام آسان کر دیا ہے میں تمام عمر تمہارا احسان نہیں بھول سکتا۔" سرفراز کی آواز احساس تشکر سے بوجھل تھی۔

"سرفراز! میں تمہیں اپنی زندگی کا اہم ترین راز بتا چکا ہوں جبکہ تنظیم کی جانب سے ہر کارکن کو سختی سے یہ تنبیہہ کی جاتی ہے کہ وہ تنظیم کو قطعاً مخفی رکھنے کی کوشش کرے۔ میں نے اس قاعدے سے روگردانی کی ہے اور میں تنظیم کا مجرم قرار پاتا ہوں تمہاری آنکھیں اور تمہارے چہرے کے تاثرات مجھے بتا رہے ہیں کہ تمہارا اگلا قدم کس جانب اٹھے گا۔ خدا کے واسطے .... کسی کو .... کچھ نہ بتانا اگر تمہیں اس شخص کے بارے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں یہ علم ہو جائے کہ وہ واقعی تنظیم "فلاح انسانیت" کا رکن ہے تو اُسے اپنے تک رکھنا ورنہ .... ورنہ تنظیم کے قواعد کی رو سے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہو گی کہ چونکہ اس نے کسی کے حقوق غصب کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے میں اپنے سیکرٹری کو اطلاع کر دوں یا پھر............" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"تم بالکل اطمینان رکھو فروغ تم نے مجھ پر اعتماد کیا ہے میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ یہ راز میری موت تک میرے سینے میں دفن رہے گا.......... اچھا اب میں چلتا ہوں.......... شب بخیر۔"

"شب بخیر!"

سرفراز کے ذہن میں اب ایک ہی خیال تھا کہ اب جو کچھ کرنا ہے جلد از جلد کرنا ہے۔ اسے یقین تھا شیرازی یقیناً کوئی نہ کوئی غیر معمولی قدم اٹھائے گا ایسی صورت میں وقت ضائع کرنا دانشمندی نہ تھی گویا سرفراز کو جو کچھ کرنا تھا فوری طور پر کرنا تھا۔

فروغ کے کمرے سے اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آیا تو ماہتاب سو چکی تھی اس نے ماہتاب کے چہرے پر بکھر جانے والی لٹوں کو سنوارتے ہوئے آپ ہی آپ سوچا۔

"میری جان! تیری خاطر مجھے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا تیرا خیال نہ ہوتا تو شاید میں اسی وقت اس لعین کے سر پر جا سوار ہوتا مگر نہیں تیری خاطر مجھے حفاظتی اقدامات کا خیال رکھنا ہو گا۔"

ماہتاب کے نزدیک بیٹھا وہ بہت دیر تک اپنی سوچوں میں غلطاں رہا۔ اس نے طے کر لیا وہ کل ہی لطیف آباد روانہ ہو جائے گا اور اسے اقرار جرم پر مجبور کر دے گا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ شیرازی آسانی سے قابو میں آنے والا شخص نہیں، اپنے بچاؤ کے لئے اگر شیرازی کو اس کا خون بھی کرنا پڑا تو وہ دریغ نہیں کرے گا کیونکہ جو شخص دولت کی خاطر ایک کمزور اور بے ضرر عورت کی زندگی سے کھیل سکتا ہے اس سے یہ توقع بعید از قیاس نہیں تھی چنانچہ وہ آہستگی سے اٹھا بہت خاموشی سے اس نے اپنا بریف کیس کھولا۔ لیٹر پیڈ نکالا اور زیرو پاور کے بلب کی برائے نام روشنی میں اس نے جلدی جلدی فروغ کے نام چند سطریں لکھیں۔

"جانم فروغ!

کل بازار میں جس شخص کی جانب میں نے تمہاری توجہ دلائی تھی وہ تنظیم "فلاح انسانیت" کا ایک ناکام رکن ہے اس نے تنظیم کے قواعد کی خلاف ورزی کی ہے اور محض دولت کی خاطر تنظیم کی روح کو مجروح کرنے کا سبب بنا ہے۔ یہ شخص لطیف آباد میں قصر چاندیو کے نزدیک کوٹھی نمبر پانچ میں مقیم ہے جس محبت اور خلوص کا اظہار تم مجھ سے کرتے رہے ہو اس کے پیش نظر اور تنظیم کی روح کو برقرار رکھنے کی خاطر بغیر کسی پس و پیش کے اس شخص کی بابت اپنے نائب صدر یا سیکرٹری کو مطلع کر دو واضح رہے کہ وہ یہاں شیرازی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں تو زندگی سے محروم ہو ہی چکا ہوں مگر اسے سزا دلوانا تمہارا فرض ہے۔"

سرفراز

اس رقعہ کو تہہ کر کے اس نے ایک لفافے میں بند کیا اور لفافے کے اوپر لکھا۔

"بارہ بجے رات تک میرا انتظار کرنا اگر رات بارہ بجے تک میں یا میرا کوئی پیغام تم تک نہ پہنچے تو یہ لفافہ چاک کر لینا۔" اس لفافے کو اس نے ایک بڑے لفافے میں رکھا اور اسے بند کرنے کے بعد اوپر فروغ کا نام لکھا اور اسے بریف کیس میں کاغذوں کے نیچے چھپا کر وہ مسہری پر لیٹ گیا۔ ماہتاب دنیا و مافیہا سے بے خبر سوئی ہوئی بے حد معصوم نظر آ رہی تھی۔ سرفراز نے سونے کی کوشش کی مگر نیند تو جیسے کوسوں دور تھی۔ رات بھر وہ کروٹیں بدلتا رہا۔

اگلی صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی وہ اٹھ بیٹھا۔ خوش بخت حسبِ عادت جاگ چکی تھی اور وضو کرنے میں مصروف تھی۔ سرفراز کو خلاف توقع اتنے سویرے بیدار دیکھ کر وہ خاصی حیران ہوئی۔ نماز کے بعد خوش بخت نے چائے بنائی اور سرفراز سے اس کی صبح خیزی کا سبب پوچھا تو وہ اپنے کمرے میں گیا اور بریف کیس میں سے لفافہ نکال لیا اور لفافہ

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

اُسے تھماتے ہوئے رازداری سے بولا۔

"فروغ کو دے دیجئے گا۔"

"کیا بات ہے سرفراز؟" خوش بخت نے فکرمندی سے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ بس ماہتاب کا خیال رکھئے گا اور میرے لئے دعا کیجئے گا۔"

"سرفراز! خدا کے واسطے اب کوئی خطرہ مول مت لو۔ کہیں مت جاؤ۔ ہم خوش تو ہیں۔ ماہتاب تم سے شادی کے بعد جتنی مسرور نظر آتی ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ اسے کسی چیز کی طلب نہیں وہ صرف تحفظ چاہتی تھی سو وہ تمہاری صورت میں مل چکا ہے۔"

"میں جانتا ہوں .... میں جانتا ہوں خوش بخت بہن لیکن میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک قصر چانڈیو کے دروازے ماہتاب کے لئے نہیں کھلیں گے جب تک اس قبر کے کتبے سے ماہتاب کا نام نہ ہٹے گا میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"اب آخر تم کہاں جا رہے ہو؟" خوش بخت نے پوچھا۔

"ابھی کچھ مت پوچھئے مجھ سے۔ میں آپ کو کچھ بتانا بھی نہیں چاہتا اور وعدہ کیجئے کہ آپ یہ خط صرف فروغ ہی کو دیں گی اور کسی بھی صورت میں اس سے کسی قسم کا استفسار اس بابت نہیں کریں گی۔"

"مجھ پر یقین رکھو۔"

"مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میرے لئے آپ ماں بھی ہیں اور بہن بھی۔"

خوش بخت کی پلکیں نم ہو گئیں۔ وہ لاکھ منتوں کے باوجود سرفراز کو نہ روک سکی اور سرفراز ماہتاب کے بیدار ہو جانے کے بعد اس سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ اگر وہ رات کو گھر نہ آئے تو فکر نہ کی جائے کیونکہ وہ تصویروں کی ایک نمائش میں شرکت کے لئے حیدر آباد جا رہا ہے۔

☆======☆======☆

دوپہر کے لگ بھگ سرفراز لطیف آباد پہنچ چکا تھا۔ قصر چانڈیو کے نزدیک واقع کوٹھی

نمبر پانچ کی کال بیل بجانے پر ایک عورت جو شکل و صورت اور حلیہ سے ملازمہ نظر آتی تھی۔ صدر دروازے پر نمودار ہوئی اور اس کے استفسار پر سرفراز نے کہا۔

"شیرازی صاحب گھر پر ہوں تو ان سے کہو کوئی ملنے آیا ہے۔"

وہ اندر گئی اور ذرا دیر بعد ہی دوبارہ دروازے پر آئی اور بولی۔ "سائیں پوچھتے ہیں آپ کدھر سے آئے ہو اور کیا کام ہے؟"

"کام تو میں انہی کو بتاؤں گا اتنا بتا دو کہ میں کراچی سے آیا ہوں۔"

وہ پھر چلی گئی اور جب واپس لوٹی تو اس نے سرفراز کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور اپنی معیت میں اندر لے گئی۔ برآمدے سے گزرتے ہوئے سرفراز نے ریشمی لباس میں ملبوس پختہ عمر کی ایک عورت کو ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔ ملازمہ اسے اسی کمرے میں لے گئی جس سے وہ عورت جو بلاشبہ بے نظیر شیرازی ہی تھی ابھی ابھی نکلی تھی۔

سرفراز اندر داخل ہوا تو خود کو پستہ قامت اور مضبوط بدن کے مالک شیرازی کے روبرو پایا۔ کمرہ بے ترتیب تھا۔ کچھ سامان بکھرا پڑا تھا کچھ پیک کیا جا چکا تھا یوں لگتا تھا جیسے کسی سفر کی تیاری ہو۔

"گویا میرا خدشہ غلط نہیں تھا۔" سرفراز نے آپ ہی آپ سوچا۔

"جی فرمایئے! آپ کو مجھ سے کس نوعیت کا کام ہے؟" شیرازی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"لگتا ہے آپ کسی سفر پر جا رہے ہیں؟"

"بہتر ہو گا تم کام کی بات کرو۔"

"یہ بھی کوئی غیر ضروری بات نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے اپنا چہرہ دوسری جانب کر لیا تھا۔

"مطلب یہ کہ .... میں یہ تو نہیں جانتا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ آپ یہاں سے کیوں جا رہے ہیں؟"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

شیرازی اس ہشت پا کی طرح بلبلا کر پلٹا جس کی پشت گرم سلاخ سے داغ دی جائے۔ وہ میز تک پہنچا' چابیوں کا ایک گچھا اٹھایا اور دروازہ مقفل کر دیا۔ اس کی اس حرکت پر ذرا دیر کو تو سرفراز بدن بدن خوف میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"مسٹر شیرازی! آپ مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتے۔"

"ہونہہ........." وہ طنزاً مسکرایا پھر بولا۔ "تم یہ جانتے ہو کہ میں آمادۂ سفر کیوں ہوں؟"

"میں تو اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔"

"مثلاً؟"

"ذرا اپنی قمیض کی بائیں آستین پلٹیے آپ خود جان جائیں گے۔"

شیرازی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ اتنا ہی خوفزدہ نظر آتا تھا جتنا فروغ کو دیکھ کر ہوا تھا۔ کچھ دیر کو کمرہ خاموشیوں میں ڈوب گیا پھر وہ مردہ قدموں سے میز تک پہنچا اس نے دراز کھولی اور اپنا ہاتھ دراز میں ڈالتے سرفراز کی جانب عجیب نگاہوں سے دیکھا۔ اگلے ہی لمحہ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ سرفراز سر تا پا لرز کر رہ گیا لیکن اس نے پہلے کی طرح اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھہریئے مسٹر شیرازی! .... ذرا سوچ لیں آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے شوٹ کر دینے سے معاملہ ختم ہو جائے گا تو یہ آپ کی بھول ہے۔ آپ نے دروازہ مقفل کر دیا میں بالکل ہراساں نہیں ہوا۔ آپ کے ہاتھ میں ریوالور ہے مگر میرے ہاتھ خالی ہیں۔ میں نے اپنے دفاع کے لئے کوئی ہتھیار لانا ضروری کیوں نہیں سمجھا ذرا اس کا سبب جاننے کی زحمت کیجئے۔"

"بکواس بند کرو۔ بہت دیر سے میں تمہاری بک بک برداشت کر رہا ہوں .... جانتے ہو اس وقت میں کیا سوچ رہا ہوں؟" اس کا لہجہ درشت تھا۔

"ہاں شاید جانتا ہوں۔" سرفراز نے بڑے آرام سے جواب دیا۔

"شاید نہیں یقیناً کہو .... میں ذرا یہ فیصلہ کر لوں کہ تمہارا بھیجہ اڑا کر اس کمرے کی بے ترتیبی میں اضافہ کر دوں یا.........؟"

"آپ جو بھی کریں آپ کی مرضی لیکن بہتر ہو گا آپ ایک نظر اس پرچے پر ڈال لیں۔" یہ کہتے ہوئے سرفراز نے اپنی جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر شیرازی کی جانب بڑھا دیا۔ یہ پرچہ سرفراز نے گھر سے نکلنے سے قبل احتیاطاً خوش بخت سے لکھوا کر ساتھ رکھ لیا تھا۔ شیرازی نے کاغذ کا پرزہ انگلیوں میں تھاما اور باآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔

"تمہارا سر بمہر خط مجھے مل گیا ہے۔ مقررہ وقت تک اگر تم یا تمہاری جانب سے کوئی جواب نہ آیا تو میں تمہاری ہدایت کے مطابق لفافہ کھول لوں گا۔"

یہ دو سطریں پڑھنے کے بعد شیرازی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "مسٹر سرفراز! نہ تو میں نے ریوالور واپس رکھا ہے اور نہ ہی تمہارا بھیجہ اڑانے کا ارادہ ترک کیا ہے تاہم میں انصاف پسند آدمی ہوں اور اپنے بدترین دشمن سے بھی منصفانہ رویہ روا رکھنے کا قائل ہوں۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ تم میری توقعات سے بڑھ کر چالاک نکلے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم مجھ سے بدتمیزی کی جرأت پر آمادہ ہو جاؤ۔ ایک بات کان کھول کر سن لو اپنی عزت اور تحفظ کی خاطر میں تم جیسے ایک نہیں بیسیوں کو قبرستان تک پہنچا سکتا ہوں۔ اگر اپنی زندگی کی خیر چاہتے ہو تو بہتر ہو گا کہ فضول بکواس کرنے کے بجائے صرف کام کی بات کرو لیکن ٹھہرو پہلے میرے ایک دو سوالوں کا جواب دو .... پہلی بات تو یہ کہ جن اطلاعات کے ساتھ تم نے یہاں آنے کی جرأت کی ہے وہ تمہیں کس نے فراہم کیں؟"

"اگر میں اس سوال کا جواب نہ دینا چاہوں تو؟"

"تو کوئی بات نہیں میں اصرار نہیں کروں گا .... دوسری بات یہ کہ یہ پرچہ جو تم نے ابھی مجھے دکھایا اس پر کسی کے دستخط یا نام موجود نہیں میں اس سے کیا سمجھوں؟ کون ہے یہ؟"

"ایک شخص جس پر میں اپنے آپ سے زیادہ بھروسہ کر سکتا ہوں اور جو آپ کو

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

فرشتۂ اجل سے زیادہ سہا سکتا ہے۔"

سرفراز کے اس جواب پر اس کا چہرہ لحظہ بھر کو کرب آمیز کیفیت میں ڈوب گیا تاہم اس نے جلد ہی خود پر قابو پاتے ہوئے اگلا سوال کیا۔ "اس سلسلے میں وقت کی آخری حد کیا ہے؟ میرا مطلب ہے وہ خط کتنے بجے کھولا جائے گا؟"

"آج رات بارہ بجے کے بعد۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بارہ بجے سے پہلے ہی کھول لیا جائے۔"

"میں اس شخص پر اپنے آپ سے زیادہ بھروسہ کرتا ہوں مجھے کامل یقین ہے وہ ایسا نہیں کرے گا۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔"

"مسٹر شیرازی ایک بات یاد رکھئے آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ پر اعتماد کریں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ بھی دوسروں پر اعتماد کریں۔"

"او کے .... مسٹر سرفراز لیکن آپ کی اطلاع کے لئے میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کریں گے تو لاحاصل ہو گا۔ ہم دونوں میاں بیوی برطانوی شہریت کے حامل ہیں اس لئے سفر کے معاملے میں ہمیں زیادہ مسائل درپیش نہیں ہوں گے۔ ٹکٹ ہم نے کئی ماہ قبل خرید کر رکھ لئے تھے۔ کل شام میں اپنے ٹریولنگ ایجنٹ کو سیٹیں کنفرم کروانے کی ہدایت کر آیا تھا۔ آج صبح اس نے مجھے اطلاع دی ہے کہ کل صبح کی فلائٹ پر ہماری سیٹیں کنفرم ہو چکی ہیں پیسے میں بڑی طاقت ہے مسٹر سرفراز! کل شام میں کراچی میں تھا۔ آج لطیف آباد میں بیٹھا ہوں اور کل اس وقت کئی ہزار فٹ کی بلندی پر محوِ پرواز ہوں گا۔ مجھے یقین ہے اپنی روانگی کے وقت تک میں بآسانی تمہیں یرغمال رکھ کر مناسب شرائط کے ساتھ معاملات نمٹا سکتا ہوں لیکن اس سے قبل کہ میں اپنی شرائط بیان کروں بہتر ہو گا کہ تم مدعا بیان کرو۔"

"میرا خیال ہے مجھے مدعا بیان کرنے کی ضرورت نہیں' مجھے یقین ہے آپ میری آمد کے مقصد سے واقف ہوں گے۔" سرفراز نے بڑی رسانیت سے جواب دیا۔

"ہاں .... میں جانتا ہوں ایک خاتون میں تمہاری دلچسپی تمہیں یہاں لائی ہے۔"

"اور آپ کو یہ جان کر یقیناً مسرت ہو گی کہ وہ خاتون اب میری بیوی ہے۔"

"کیا.........؟" شیرازی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے ریوالور شکست خوردہ انداز میں میز پر رکھ دیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"مسٹر شیرازی! گزشتہ چند ماہ سے میں جس طرح قریہ قریہ پھر رہا ہوں اور جو معلومات میں نے حاصل کی ہیں ان سے آپ یقیناً واقف ہوں گے جو کھیل آپ نے اور مرحوم نواب لغاری نے کھیلا اس میں آپ کی شمولیت ان بیس لاکھ روپوں کی خاطر تھی جو آپ کی اہلیہ ماہتاب کی موت کے بعد ہی حاصل کر سکتی تھیں۔ بہرحال مجھے یا ماہتاب کو روپے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں جو کچھ نواب لغاری نے حاصل کیا جو آپ حاصل کر چکے ہیں ہمیں اس سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ایک گھناؤنے جرم کی قیمت آپ وصول کر چکے ہیں.........."

"مسٹر سرفراز! کام کی بات کرو۔ میں جذباتی قسم کے جملے سننا پسند نہیں کرتا۔ سیدھی سیدھی بات کرو' کیا چاہتے ہو تم؟"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ماہتاب کی شخصیت اور اس کی حیثیت کو پامال کرنے کی جو سازش کی گئی تھی اس پر سے پردہ اٹھا دیا جائے خواہ اس کے لئے آپ کو کوئی بھی صورت اختیار کرنی پڑے ورنہ آپ جانتے ہیں دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو آپ بچ نہ سکیں گے۔"

"کوئی اور بات؟"

"فی الحال صرف اتنا ہی کافی ہے۔"

اس نے کچھ دیر سوچا پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے .... میں تمہیں ایسے ثبوت فراہم کر دوں گا جن کی صداقت سے کوئی انکار نہ کر سکے گا لیکن اس کے لئے میری بھی چند شرائط ہوں گی .... پہلی بات تو یہ کہ تمہارا کوئی بھی خواہ ہم میاں بیوی کی پاکستان سے روانگی میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ دوسری بات یہ کہ تم کل صبح ہماری روانگی

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

تک یہاں بطور یرغمال رہو گے تیسری اور سب سے اہم بات یہ کہ تم اس شخص کے نام مجھے ایک رقعہ لکھ کر دو گے جس کے نام تم وہ سر بمہر لفافہ چھوڑ کر آئے ہو.......... میں آج سات بجے یہاں سے روانہ ہو رہا ہوں۔ رات تک ہم کراچی پہنچ جائیں گے تم مجھے اس شخص کے نام رقعہ دے دو گے تو میں کسی ذریعے سے وہ خط منگوا لوں گا۔ صبح چار بجے ہماری فلائٹ ہے۔ کل صبح چھ بجے تک تم یہاں رہو گے لیکن جانے سے پہلے میں تمہیں مطلوبہ ثبوت دے جاؤں گا۔ بولو منظور ہے؟"

سرفراز فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہا.......... شیرازی نے ترپ چال چلی تھی اس کی اس چال پر سرفراز کا ذہن الجھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا نواب لغاری کی موت نے اس کی مہینوں کی ریاضت پر پانی پھیر دیا تھا۔ خدا نخواستہ شیرازی اپنی تمام شرطیں منوانے کے بعد ہری جھنڈی دکھا گیا یا روانگی سے قبل اپنے ریوالور سے اس کا کام تمام کر کے پُھر سے اڑ گیا تو؟

شیرازی نے اس کی ذہنی کشمکش تاڑتے ہوئے کہا۔ "مسٹر فراز! میں کاروبار میں دیانت داری کا قائل ہوں تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔"

قدرے توقف سے سرفراز نے تذبذب کے عالم میں کہا۔ "میرے دیئے ہوئے پتہ سے آپ رات بارہ بجے سے قبل وہ لفافہ منگوا لیں گے؟"

"یقیناً۔"

"اور آپ کی فلائٹ صبح چار بجے ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا پھر بھی آپ میرا صبح چھ بجے تک یرغمالی رہنا ضروری سمجھتے ہیں؟"

"بالکل۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک بات کا خیال رکھیے گا اگر آپ نے اپنے وعدے سے انحراف کی کوشش کی تو نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔"

"اب جبکہ میں یہاں سے جا رہا ہوں میں تمام معاملات دوستانہ ماحول میں طے کرنا

چاہتا ہوں.......... بہت دیر ہو گئی آپ کو کھڑے ہوئے' آپ تشریف رکھئے۔"

سرفراز کرسی پر بیٹھ گیا۔ شیرازی مقفل دروازے تک پہنچا اور دروازہ کھولنے کے بعد اس نے نیم وا دروازے سے سر باہر نکالتے ہوئے اپنی بیوی کو پکارا اور دروازہ ادھ کھلا چھوڑ کر سرفراز کی طرف پلٹ آیا۔ چند لمحوں کے توقف سے بے نظیر اندر داخل ہوئی اس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

"جانم! تمہارے ہاتھوں سے بنی لذیذ کافی کی یاد ستا رہی ہے۔"

"لاتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

شیرازی نے میز کی دراز کھولی ایک ضخیم لیٹر پیڈ اور دو قلم نکالے۔ ایک قلم اس نے میز پر رکھا اور دوسرا انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا۔ "مسٹر سرفراز! میں انگریزی ادب کا طالب علم رہا ہوں۔ میں نے مشاہیر کے شہ پاروں کا مطالعہ کر رکھا ہے۔ آج مجھے اپنے ادبی ذوق کے اظہار اور استعمال کا موقع ملا ہے تو میں اس کا بھرپور فائدہ اٹھاؤں گا۔ میں تمہیں ایسی دستاویز تیار کر کے دوں گا جو بے نظیر ہو گی۔ اگرچہ قانونی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہ ہو گی لیکن اس کی سچائی ثابت کرنے کے لئے میں آپ کو ایسے ثبوت دوں گا جو لوگوں کو متحیر کر دیں گے۔ ویسے سردار علی چانڈیو صاحب میری تحریر اور میرے دستخطوں سے بخوبی واقف ہیں مجھے امید ہے وہ میری تحریر کردہ دستاویز کی سچائی سے انکار نہ کریں گے.......... ذرا میں کافی پی لوں پھر سوچوں گا کہ آغاز کہاں سے کیا جائے۔"

ذرا دیر بعد ہی بے نظیر کافی لے کر آ گئی اور بغیر کچھ کہے سنے ٹرے خاموشی سے میز پر رکھنے کے بعد واپس جانے کو مڑی ہی تھی کہ شیرازی نے کہا۔

"جانم! کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ تم پیکنگ مکمل کر لو۔"

"آپ کے سامان کی پیکنگ تو ہو چکی ہے میں سامان یہاں سے اٹھوائے لیتی ہوں باقی سامان میں دوسرے کمرے میں پیک کر رہی ہوں۔"

"او کے ڈارلنگ۔"

بے نظیر نے ملازمہ کو باآواز بلند پکارا اور اپنی نگرانی میں کمرے میں بکھرا ہوا اور پیک

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

شدہ سامان اٹھوانے لگی۔ شیرازی نے ٹرے سے دونوں مگ اٹھائے اور ایک سرفراز کی جانب بڑھا دیا۔

"شکریہ میں کافی نہیں پیتا۔"

"شاید تمہیں شبہ ہے کہ میں تمہیں زہر نہ دے دوں .... نہیں .... ایسا نہیں ہے۔ تم ہندوستانی لوگ! .... ہمیشہ الٹی حرکتیں کرتے ہو۔ تم اس وقت محتاط روی اختیار کرتے ہو جب تمہیں لاپروائی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور اس وقت لاپروائی برتتے ہو جب محتاط روی اختیار کرنی چاہئے .... بہرحال میں اصرار نہیں کروں گا تم نہیں پیتے نہ سہی۔"

اس نے دوسرا مگ واپس رکھ دیا۔

کافی پینے کے بعد اس نے قلم سنبھالا اور لکھنے بیٹھ گیا۔ بے نظیر اس وقت تک جا چکی تھی۔

ایک .... دو .... تین .... یک بعد دیگرے وہ خدا جانے کتنے صفحے سیاہ کرتا چلا گیا۔

سہ پہر کے وقت بے نظیر نے دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "سلامت صاحب آئے ہیں۔"

"ہاں .... ہاں ان کو اندر بھیج دو۔"

ذرا دیر بعد چھریرے بدن کا ایک شخص اندر داخل ہوا۔

"آیئے .... آیئے سلامت اللہ صاحب .... ان سے ملئے یہ ہیں میرے دوست مسٹر سرفراز اور آپ ہیں پراپرٹی ڈیلر سلامت اللہ صاحب۔"

سرفراز نے اٹھ کر مصافحہ کیا رسمی جملوں کا تبادلہ ہوا۔ شیرازی نے سگریٹ کیس اٹھا کر سلامت اللہ اور سرفراز کی جانب باری باری بڑھایا۔ سرفراز نے معذرت چاہی اور ان دونوں نے سگریٹ سلگالی۔

"سلامت صاحب! میں فرنیچر' فریج' ٹیلیویژن اور دوسرا بہت سا سامان ساتھ نہیں

لے جا رہا ہوں۔ یہ تمام چیزیں میری جانب سے ایک حقیر سا تحفہ سمجھ کر قبول کیجئے۔"

"نہیں .... نہیں سائیں .... یہ تو بہت مہنگا سامان ہے۔"

"میرا قاعدہ ہے سلامت صاحب' آپ جیسے دوستوں کو میں اس قسم کے چھوٹے موٹے تحائف دینے کا عادی ہوں۔ آپ قبول فرمائیں تو مجھے مسرت ہو گی۔"

"بڑی .... بڑی مہربانی جناب کی۔"

"ایسا ہے سلامت صاحب کہ آج شام تک میں بہت مصروف ہوں۔"

"جی .... جی ...."

"سات بجے آپ چابی لینے آ رہے ہیں نا؟"

"جو حکم سائیں۔"

"ایک زحمت آپ کو دینی ہے۔"

"فرمایئے!"

"آج رات میرے یہ دوست آپ کے مہمان رہیں گے۔"

"ہمارے سر آنکھوں پر سائیں۔"

"سات بجے جب آپ آئیں گے تو میں آپ کو اس سلسلے میں سمجھا دوں گا۔"

"اجازت سائیں؟"

"آپ کی مرضی۔"

سلامت اللہ کے جانے کے بعد شیرازی نے جماہی لیتے ہوئے لیٹر پیڈ سے خاصی تعداد میں لکھے ہوئے کاغذات علیحدہ کئے اور انہیں ایک بڑے لفافے میں رکھنے کے بعد لفافے کا منہ بند کرتے ہوئے بولا۔

"لوگوں کا خیال ہے اور خود مجھے بھی ان کے اس خیال سے اتفاق ہے کہ میں نپولین سے مشابہ ہوں۔ اس مرد بے مثال کی مانند مجھے اپنی نیند اور بیداری پر مکمل اختیار ہے میں جب چاہوں گہری نیند سو جاتا ہوں اور جب چاہوں جاگ سکتا ہوں۔ اس وقت بھی میں کم از کم گھنٹہ بھر سونا چاہتا ہوں مگر تم میرے سونے کا فائدہ حاصل نہ کر سکو گے اس

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

لئے کہ جس دوران میں سو رہا ہوں میری بیوی بے نظیر جو واقعی بے نظیر ہے تمہارا خیال رکھے گی۔"

اتنا کہہ کر اس نے باآواز بلند اپنی بیوی کو پکارا اور اس کے آ جانے پر بولا۔ "جانِ من! میں ایک نیند لے کر تازہ دم ہو جانا چاہتا ہوں۔ امید ہے تم مسٹر سرفراز کو بور نہیں ہونے دو گی۔" اس کے ساتھ ہی اس نے وہ لفافہ اپنے سرہانے رکھ لیا۔

وہ سدھائے ہوئے جانور کی طرح دیوان کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ شیرازی مسہری پر لیٹ گیا اور چند ہی لمحوں بعد اس کے خراٹوں کی آواز کمرے کی خاموشی میں ارتعاش پیدا کرنے لگی۔ بے نظیر نے تقریباً آدھ گھنٹے تک خاموش رہنے کے بعد صرف ایک جملہ ادا کیا۔

"شیرازی کی جگہ اگر میں ہوتی تو تمہیں فوراً سے پیشتر شوٹ کر دیتی۔"

اس کا لہجہ ترش تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات گواہ تھے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو دشمن کو نہ بھولتے ہیں نہ معاف کرتے ہیں۔

سرفراز نے خاموشی سے اس کا بغور جائزہ لیا پھر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد شیرازی آنکھیں ملتا جماہی لیتا ہوا یوں اٹھ بیٹھا جیسے سویا ہی نہ تھا۔ تاہم اس کی آنکھوں کے سرخ ڈورے گواہ تھے کہ وہ سوتا رہا ہے۔

"جانِ من! اب تم تیار ہو جاؤ۔" شیرازی نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

بے نظیر کے جانے کے بعد شیرازی نے ایک سیاہ چرمی بیگ الماری سے نکالا اور زپ کھول کر بیگ میں سے ایک خاکی لفافہ نکالا اور سرفراز کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اس میں چند اہم دستاویزات ہیں جو تمہارے کام آئیں گی تم چاہو تو انہیں دیکھ سکتے ہو۔"

سرفراز نے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی شیرازی نے اپنے تکیے کے نیچے سے لفافہ نکالا اور سرفراز کو دیتے ہوئے بولا۔

"یہ تم میرے یہاں سے جانے کے بعد کھولو گے اس سے پہلے نہیں۔"

سرفراز نے اسے مشتبہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ مسکرایا اور بولا۔ "مجھ پر شبہ مت کرو میری نیت میں فتور ہے، تا تو میں تمہیں یہ دوسرا لفافہ ہرگز نہ دیتا جس میں ایسے ثبوت ہیں جن کی صداقت سے انکار ممکن نہیں۔ انہیں تم چاہو تو ابھی دیکھ سکتے ہو۔"

سرفراز نے لفافہ میں جھانکا اور اس میں موجود چیزوں کا جائزہ لیا۔ اس لفافے سے محکمہ ٹیلیگراف کا مخصوص لفافہ، آسمانی رنگ کا ایک دوسرا لفافہ اور پی آئی اے کا ایک استعمال شدہ ٹکٹ برآمد ہوا۔ محکمہ ٹیلیگراف کے لفافے پر ٹیلیگراف آفس کی مہر اور اس کے اندر ایک ٹیلیگرام موجود تھا۔ مہر اور ٹیلیگرام پر واضح طور پر پچیس تاریخ درج تھی۔ یہ ٹیلیگرام نواب عالمتاب لغاری نے کراچی سے شیرازی کے نام ارسال کیا تھا اور اس میں واضح طور پر درج تھا کہ بیگم ماہتاب لغاری چھبیس تاریخ کی صبح پی آئی اے کی فلائٹ سے حیدر آباد پہنچ رہی ہیں۔ آپ انہیں ائرپورٹ پر ریسیو کر لیں۔ آسمانی رنگ کے لفافہ میں سردار مرتضیٰ علی چانڈیو کا وہ خط تھا جو انہوں نے نواب لغاری کے نام ماہتاب کو قصر چانڈیو بھیجنے کی بابت لکھا تھا یہ خط ماہتاب کے سوٹ کیس سے برآمد ہوا تھا۔ استعمال شدہ ٹکٹ کی کاؤنٹر سلپ پر بیگم ماہتاب لغاری کا نام، فلائٹ نمبر، تاریخ اور روانگی کا وقت درج تھا۔ یہ کاؤنٹر سلپ واضح طور پر اس امر کا یقینی ثبوت تھی کہ ماہتاب چھبیس جولائی کی صبح کراچی سے روانہ ہوئی تھی اور اسی روز اسے حیدر آباد پہنچنا تھا۔

یہ ٹیلیگرام اور ٹکٹ کی کاؤنٹر سلپ ماہتاب کی روانگی کی تاریخ اور ماہتاب کے خلاف ایک گھناؤنے منصوبے کا پردہ چاک کرنے کو کافی تھی۔

کتنی عجیب بات تھی ماہتاب کی لوح مزار پر پچیس جولائی بطور تاریخ وفات کندہ تھی جبکہ چھبیس جولائی کی صبح اس نے جہاز سے سفر کیا تھا اور اس کے چھبیس تاریخ کو حیدر آباد پہنچنے کی اطلاع نواب لغاری نے بذریعہ ٹیلیگرام دی تھی۔

شام ہو رہی تھی شیرازی نے بے نظیر کو بلا کر ایک بار پھر کافی کی فرمائش کی۔ اس بار بے نظیر کافی کا صرف ایک مگ لائی۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساڑھے چھ بجے شیرازی نے پھر بے نظیر کو پکارا اور بولا۔ "جانم! سامان گاڑی میں رکھوا دو۔ ٹھیک سات بجے ہم یہاں سے چل دیں گے اور ہاں گاڑی کے کاغذات اوپر ہی رکھنا گاڑی کا سودا میں اپنے ٹریولنگ ایجنٹ سے کر آیا ہوں۔"

"سامان گاڑی میں رکھا جا چکا ہے۔"

"گڈ!.......... ہاں غلام رسول اور اس کی بیوی کا کیا ہوا؟"

"آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے دونوں کو ایک ایک ماہ کی اضافی تنخواہ دینے کے بعد رخصت کر دیا ہے۔ انہیں گئے گھنٹہ بھر ہو چکا ہے۔"

"کراچی میں ہمیں ایک ضروری کام کے سلسلے میں ایک آدمی کی ضرورت پڑے گی۔ غلام رسول ہوتا تو اسے ساتھ لے چلتے خیر کوئی بات نہیں' میرا ٹریولنگ ایجنٹ کچھ نہ کچھ انتظام کر دے گا۔"

بے نظیر کے جانے کے بعد شیرازی نے لیٹر پیڈ اور قلم سرفراز کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ذرا دو سطریں اس شخص کے نام تو لکھ دو جو مجھے موت سے زیادہ سہا سکتا ہے۔"

سرفراز نے سر اٹھا کر شیرازی کی طرف دیکھا اس کے لبوں پر دبی دبی طنز آمیز مسکراہٹ تھی۔ لیٹر پیڈ اور قلم لے کر سرفراز نے لکھنا شروع کیا۔

"پیارے!

میں بخیریت ہوں اور جلد ہی واپس آؤں گا۔ تم وہ لفافہ حامل رقعہ ہذا کے حوالے کر دو اور میری جانب سے بالکل اطمینان رکھو۔"

سرفراز

رقعہ لکھ کر سرفراز نے شیرازی کے حوالے کر دیا۔

"اب ذرا اس لفافے پر پتہ بھی لکھ دو۔ ورنہ حامل رقعہ ہذا اس تک پہنچے گا کیسے؟"

سرفراز نے لفافہ پر پتہ لکھ دیا۔ شیرازی نے رقعہ لفافے میں رکھا اور لفافہ بند کر دیا۔

سات بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ بے نظیر میک اپ سے آراستہ چہرہ لئے اندر داخل ہوئی۔ اس نے سلامت اللہ کے آنے کی اطلاع دی اور واپس چلی گئی۔

"او کے مسٹر سرفراز!" شیرازی نے سرفراز کی جانب ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ کرتے وقت اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے میں کسی شخص کے بارے میں آپ سے رابطہ قائم کروں۔ مجھے امید ہے آپ مجھے اس کی بابت اطلاعات فراہم کریں گے .... آپ کا ایڈریس لینے کی تو مجھے ضرورت نہیں مجھے یقین ہے آپ جلد ہی قصر چانڈیو میں ہوں گے.........." وہ لحظہ بھر کو رکا پھر اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو یہاں روکنے پر مجبور ہوں .... خیر چند گھنٹے کی بات ہے' سلامت اللہ ٹھیک چھ بجے دروازہ کھول دے گا۔"

وہ آگے بڑھا اس نے اپنا سیاہ چرمی بیگ اٹھایا' مسکرا کر سرفراز کو دیکھا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا لیکن اچانک ہی وہ مڑا اور سرفراز کے نزدیک آ کر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔ "میں جب خوش بخت سے ملا تھا تو وہ خاصی مضمحل نظر آتی تھی۔ اس سے کہنا اپنا خیال رکھے اس لئے کہ ایک ذہین و فطین آدمی اس کے دربار میں اپنا دل ہار گیا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ عجلت میں کمرے سے نکل گیا۔ دروازے سے باہر نکل کر اس نے دروازہ بند کیا اور اسے مقفل کر دیا۔ پل بھر کو سرفراز کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ کون جانے اب یہاں سے کب رہائی ہو؟

خاصی دیر وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر اس نے وہ خالی لفافہ چاک کیا جس میں بقول شیرازی کے بہت کچھ تھا پھر اس نے اٹھ کر لائٹ جلائی اور پڑھنا شروع کر دیا۔ شیرازی نے لکھا تھا۔

"سن انیس سو اڑسٹھ کے اوائل کا ذکر ہے جب میں اپنے سیکرٹری کی ہدایت کے مطابق فرانس پہنچا تو میری ملاقات نواب عالمتاب لغاری اور اس کی بیوی ماہتاب سے ہوئی جو ان دنوں ہنی مون منا رہے تھے۔ نواب لغاری سے یہ میری پہلی ملاقات نہ تھی۔ ہم

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

دونوں ایک زمانے میں گہرے دوست رہے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرے والدین سیاسی وجوہات کی بنا پر وطن سے نکالے جانے کے بعد برطانیہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ نواب لغاری بھی اپنے والد کے ہمراہ برطانیہ میں مقیم تھا۔ اس کی والدہ فوت ہو چکی تھیں۔ سن انیس سو ساٹھ میں لغاری اپنے والد کے انتقال کے بعد اچانک ہی پاکستان چلا گیا تھا۔ تقریباً آٹھ برس بعد ہم دوبارہ فرانس میں ملے۔ حسن اتفاق میری بیوی بے نظیر نواب لغاری کی بیوی کی سگی پھوپھی نکلی۔ پھوپھی بھتیجی ایک دوسرے کے لئے تقریباً اجنبی بلکہ کسی حد تک رقیب بھی تھیں اس کی وجوہات قطعاً خاندانی تھیں۔ ان دونوں کے برعکس میں اور نواب لغاری ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔ یہ دوستی بڑی پرانی تھی۔ آٹھ برس بعد ہونے والی ملاقات نے جلد ہی ہم پر یہ واضح کر دیا کہ ہماری یہ ملاقات کس قدر ضروری تھی۔ دولت کے معاملے میں ہم دونوں قطعاً ہم خیال تھے۔ میرے نزدیک دولت انسان کی بنیادی ضرورت اور فطری کمزوری ہے۔ لغاری میرے اس خیال سے متفق تھا۔ ہم دونوں ہی دولت کے شیدائی اور متلاشی تھے۔ رفاحی تنظیم کی رکنیت میں نے انتہائی نامساعد حالات میں اختیار کی تھی اور اس رکنیت نے مجھے کچھ نہ دیا تھا۔ چنانچہ نواب لغاری کی دعوت پر میں اس تنظیم کے اصول و ضوابط کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے سیکرٹری کو اطلاع دیئے بغیر پاکستان آ گیا۔

میں وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتا جب موتی محل کے پورچ میں گاڑی رکنے پر میں نے بلند و بالا قامت اور پُراعتماد چال والی اس عورت کو پہلی بار دیکھا جس کا نام خوش بخت تھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ اس کی چال اس اعتماد کا مظہر تھی جو اسے اپنی ذات پر تھا۔ اس کا لباس بیش قیمت تھا اور چہرے پر غضب کی سنجیدگی۔ اگر اسے برصغیر پاک و ہند میں نسوانی حسن کے معیار پر پرکھا جاتا تو وہ بلاتکلف بدصورت قرار دی جا سکتی تھی مگر میں پہلی ہی نظر میں اس کی ذات کے حسن کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ شرمانے لجانے اور ناز و انداز دکھانے والی عورتیں مجھے کبھی پسند نہیں آتیں میں تو عملی قسم کی عورتوں کا مداح ہوں۔ وہ عورتیں جو ذہین بھی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں بے نظیر سے شادی کر بیٹھا

جس کی ذات کا واحد چارم اس کی جائیداد تھی۔ میری بدقسمتی کہ میں ایک عرصہ تک اس سے بھی مستفید نہ ہو سکا۔ خوش بخت سے چند ہی ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ذہین و فطین اور پُراعتماد شخصیت کی حامل ہے۔ آج مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ خوش بخت وہ پہلی اور آخری عورت تھی جس کے حضور میں نے تمام صداقتوں سمیت اپنا دل ہارا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی میں اپنی اہم ترین ضرورت سے بھی بے نیاز نہ ہوا۔ میں زندگی کو صداقتوں کے آئینہ میں دیکھنے کا عادی ہوں میں دولت کی اہمیت سے اس زمانے ہی میں بخوبی بہرہ ور ہو گیا تھا جب میں نے اپنے والدین کو انتہائی مسرت کی زندگی بسر کرتے دیکھا تھا۔

پاکستان پہنچنے پر مجھے پتہ چلا کہ میرا دوست لغاری بھاری قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ باپ نے جو کچھ چھوڑا تھا وہ پانی کی طرح بہا چکا تھا۔ اب اس کے پاس موتی محل اور سوائے ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ البتہ اس کی بیوی ماہتاب بیگم جو ایک رئیس زادی تھی جہیز میں بہت کچھ لائی تھی مگر یہ سب کچھ انتہائی مشروط حالت میں تھا۔ نواب لغاری اس کی زندگی میں کچھ حاصل نہ کر سکتا تھا البتہ اس کے مرنے کے بعد لغاری پچاس لاکھ روپے کی اس خطیر رقم کی بابت پورا پورا حق رکھتا تھا جو موسم بہار میں ماہتاب کے نام منتقل ہو چکی تھی۔ جہاں تک بقیہ جائیداد کا تعلق تھا وہ ماہتاب کی موت کی صورت میں اس کی اولاد یا بہن کے نام ہو جانا تھی۔ ان پچاس لاکھ روپوں اور جائیداد سے قطع نظر بیس لاکھ روپے کی رقم ایسی بھی تھی جو ماہتاب کی موت کے بعد میری بیوی بے نظیر کو ملنی تھی۔

پاکستان پہنچنے کے بعد لغاری نے پہلی بات تو یہی بتائی کہ وہ قرض کے باعث پریشان ہے۔ اس کی پریشانی کا ایک سبب اور بھی تھا۔ یہ دوسرا سبب نفسیاتی ہسپتال سے بھاگی ہوئی چاند بی بی نامی ایک لڑکی تھی جس سے وہ اس درجہ خائف تھا کہ اس نے بارہا مجھ سے اس خدشے کا اظہار کیا کہ اگر اس لڑکی نے اس کا ایک راز کھول دیا تو وہ کہیں کا نہ رہے گا۔ میں نے وہ راز معلوم کرنے کی بہت کوشش کی مگر لغاری نے کچھ نہ بتایا چنانچہ میں خاموش

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو رہا لیکن چونکہ ہم دونوں کی ضرورتیں ایک تھیں اور میں دل و جان سے اس کا بہی خواہ تھا اس لئے میں کسی صورت یہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک فاترالعقل لڑکی کی لب کشائی میرے عزیز دوست کو کسی مشکل سے دوچار کر دے چنانچہ میں نے اپنے طور پر چاند بی بی کی تلاش شروع کر دی جس کے بارے میں نواب لغاری نے مجھے بتایا تھا کہ وہ حیرت انگیز حد تک ماہتاب بیگم سے مشابہ ہے۔ یہاں مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ بعد میں جو کچھ ہوا اس کے بارے میں میرے ذہن میں اسی وقت سے کھچڑی پکنے لگی تھی جب میں نے یہ سنا تھا کہ چاند بی بی ذہنی مریضہ ہونے کے ساتھ ماہتاب بیگم کی ہم شکل بھی ہے۔ ایک روز مجھے موتی محل کے قرب و جوار میں چاند بی بی کے دیکھے جانے کی اطلاع ملی تو میں چوکنا ہو گیا اور گھات لگا کر بیٹھ گیا بالآخر وہ مجھے نظر آ گئی میں نے اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی مگر وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی لیکن میں ہمت نہیں ہارا مجھے یقین تھا وہ پھر آئے گی۔ وہ خود تو نہیں آئی البتہ اس کی پیغام بر ماسی جنت مجھ سے ٹکرا گئی۔ میں اسے بڑی عمدگی سے اعتماد میں لینے میں کامیاب ہو گیا اور وہ مجھے چاند بی بی کے پاس لے گئی۔ وہ بیمار تھی اور بستر پر پڑی تھی۔ اسے دیکھ کر میں چونک کر رہ گیا وہ حیرت انگیز حد تک ماہتاب کی ہمشکل تھی۔ آنکھیں کھولنے پر جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ سہم سی گئی۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ میں کل تمہیں ماہتاب بیگم کا ایک ضروری پیغام دینا چاہتا تھا مگر تم خدا جانے کیا سمجھیں کہ مجھے دیکھتے ہی بھاگ لیں میری اس بات پر اس نے بتایا کہ کل بری طرح دوڑنے کی وجہ سے ہی اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ماسی جنت کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ وہ دل کی مریضہ تھی۔ میں نے اسے ڈاکٹر کو دکھایا اور ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوائیں اور ٹانک خود ہی خرید کر انہیں پہنچائیں اور ان دونوں کو ماہتاب کے نام سے یہ پیغام دیا کہ وہ دونوں جلد از جلد ٹھٹھہ چلی جائیں جہاں ماہتاب ان سے ملاقات کرنے بعد میں آئے گی۔ میں نے انہیں ڈرا دیا کہ اگر وہ چند دن اور یہاں ٹھہر گئیں تو عین ممکن ہے نواب لغاری ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔ یہاں میں یہ بتاتا چلوں کہ میں نے یہ تمام باتیں بلا مقصد نہیں کہی تھیں جب سے میں نے یہ سنا تھا کہ چاند بی بی ماہتاب کی

ہمشکل ہے میرے ذہن میں ایک منصوبہ تھا چاند بی بی کو دیکھتے ہی یہ منصوبہ اپنی تمام تر تفصیلات سمیت میرے ذہن میں آ موجود ہوا تھا۔

قوت مدافعت بڑھانے والی دواؤں نے چاند بی بی کی حالت میں کافی تبدیلی پیدا کی اور وہ سفر کرنے کے لائق ہو گئی۔ اس موقعے پر میں نے اپنی خدمات پیش کیں اور ان دونوں کے ہمراہ ٹھٹھہ روانہ ہو گیا۔ بے نظیر بھی ہمارے ہمراہ تھی۔

حالانکہ دونوں کو میں نے یہی تاثر دینے کی کوشش کی کہ میں ماہتاب کے ایما پر ان کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ بہرحال اس طرح میں ماسی جنت کا پتہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا پھر میں بے نظیر کے پاس پہنچا جو پروگرام کے مطابق میری منتظر تھی۔ ہم دونوں نے حیدر آباد پہنچ کر ایک مکان کرائے پر حاصل کیا پھر میں بے نظیر کے ہمراہ سردار چانڈیو کے پاس لطیف آباد پہنچا اور کسی نہ کسی طور سردار مرتضیٰ چانڈیو سے ماہتاب کے نام ایک خط حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جس میں انہوں نے ماہتاب کو لطیف آباد آنے اور راستے میں حیدر آباد میں اپنی پھوپھی بے نظیر کے مکان پر ٹھہرتے ہوئے آنے کی ہدایت کی تھی۔

ان اقدامات کے بعد میں کراچی پہنچا اور وہاں ضروری انتظامات کئے میری ہدایت پر نواب لغاری نے موتی محل میں موجود ملازموں کی فوج کی چھٹی کر دی۔ خوش بخت بیمار تھی اور ماہتاب اس کے سرہانے سے ہٹنے کو کسی طرح تیار نہ ہوتی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح ماہتاب کو وہاں سے ہٹا دیا گیا اور خوش بخت کو ہم نے راتوں رات ایک پرائیویٹ کلینک میں منتقل کر دیا۔ اب میں نے لغاری کو ضروری ہدایات دیں۔ میں نے اسے سمجھایا کہ قرض خواہوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ میری ہدایات پر عمل کرے۔ میں نے اسے سردار صاحب کا وہ خط دیا جو انہوں نے ماہتاب کے نام لکھا تھا اور اسے سمجھایا کہ حیدر آباد جا کر میں اسے بذریعہ خط یا فون پر اطلاع کروں گا کہ وہ ماہتاب کو حیدر آباد کب بھیجے اس کے ساتھ ہی میں نے اسے بتا دیا کہ ماہتاب کو خواب آور دواؤں کے زیر اثر رکھنا اس وقت تک ضروری ہے جب تک میری جانب سے پیغام نہ پہنچے۔ میں نے اسے یہ بھی سمجھایا کہ ماہتاب کو حیدر آباد روانہ کرنے سے قبل وہ بذریعہ ٹیلیگرام ہمیں

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کی روانگی کے تاریخ اور آمد کے وقت سے ضرور مطلع کر دے تاکہ میں اور بے نظیر اسے ریسیو کر سکیں۔ یہاں میں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ میں نے منصوبے سے لغاری کو قطعاً لاعلم رکھا تھا۔ چنانچہ میری ہدایات پر وہ خاصا جھنجلایا ہوا نظر آتا تھا۔ میں نے اسے یہ یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کی بہتری کے لئے ہے۔ یہ اور بات ہے کہ میرے مفادات بھی اس منصوبے سے وابستہ تھے۔ میرا منصوبہ صرف اتنا سا تھا کہ میں دو ہمشکل شخصیات کا باہمی تبادلہ کر دینا چاہتا تھا۔ یعنی ماہتاب، چاند بی بی بن جاتی اور چاند بی بی، ماہتاب بن جاتی۔ خدانخواستہ میں کسی کی جان لینے یا ان دونوں سے کسی کو مار دینے کے حق میں ہرگز نہ تھا۔ چاند بی بی کے ماہتاب بن جانے کی صورت میں ہم سب کچھ اپنی مرضی کے مطابق کر سکتے تھے۔ چاند بی بی کے ماہتاب بن جانے کے بعد بھی نواب لغاری اگر چاہتا تو ماہتاب کو بھی میرا مطلب اصلی ماہتاب سے ہے اپنے پاس رکھ سکتا تھا بہرحال میں لغاری کو منصوبے کی تکمیل پر ایک حیرت انگیز مگر خوشگوار مستقبل کے پیامبر سانحہ سے دوچار کرنا چاہتا تھا۔

اس تمام قصے میں اگلی چند تاریخیں اور واقعات بے حد اہم ہیں۔ بائیس تاریخ کو میں کراچی سے حیدر آباد پہنچا۔ یہاں میں نے ایک کار کرائے پر حاصل کی۔ چوبیس تاریخ کو حسب پروگرام بے نظیر، ماسی جنت کے گھر پہنچی اور اسے بتایا کہ ماہتاب بیگم ٹھٹھہ پہنچ چکی ہیں اور انہوں نے اسے بلایا ہے۔ ماسی جنت کے ساتھ چاند بی بی کا لگ لینا بھی یقینی تھا چنانچہ بے نظیر نے دونوں کو سمجھا دیا کہ بیگم صاحبہ چاند بی بی کو بعد میں بلوائیں گی۔ ماسی جنت، بے نظیر کے ہمراہ ہولی۔ راستے میں بے نظیر بازار کے قریب کچھ خریدنے کے بہانے اتر گئی اور بازار میں داخل ہونے کے بعد دوسرے راستے سے نکل کر اس نے فوری طور پر حیدر آباد کا رخ کیا۔ اس وقت تک میں ماسی جنت کے گھر پہنچ کر چاند بی بی کو یہ پیغام دے چکا تھا کہ ماہتاب بیگم نے اسے بلایا ہے۔ وہ ماہتاب کا نام سنتے ہی میرے ہمراہ چلنے کو تیار ہو گئی۔

راستے بھر میں اس سے بڑی شفقت سے باتیں کرتا رہا۔ وہ خاصی مسرور نظر آتی

تھی۔ میں دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب اگلے چند دنوں میں وہ ماہتاب کی جگہ لے چکی ہو گی اور پھر سب کچھ ہمارے اختیار میں ہو گا۔ ہو سکتا ہے لغاری کچھ خفا ہو لیکن میں اسے سمجھا لوں گا۔ میں اسے سمجھا دوں گا کہ ماہتاب، چاند بی بی بن کر بھی اسی کی رہے گی۔ راستے میں، میں نے اسے تھرماس سے ٹھنڈا مشروب پلایا۔ میرے ہر عمل کی طرح یہ عمل بھی بلامقصد نہ تھا اور کچھ دیر بعد ہی اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ حیدر آباد پہنچنے کے بعد بھی اس پر غنودگی طاری رہی۔ میں نے حیدر آباد پہنچتے ہی لغاری کو فون کیا کہ وہ ماہتاب کو حیدر آباد روانہ کر دے۔ میں جانتا تھا ماہتاب اتنی آسانی سے راضی نہ ہو گی چنانچہ میں نے نواب لغاری سے کہا کہ وہ ماہتاب کو یہ باور کرانے کی کوشش کرے کہ خوش بخت ہمارے ہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ اپنے ملازم کو ہم نے یہی بتایا کہ گھر آنے والی مہمان خاتون ماہتاب بیگم ہیں۔ چاند بی بی کو رات کے وقت ہوش آیا تو اس نے پہلا سوال ماہتاب کی بابت کیا۔ میں نے اسے اطمینان دلانا چاہا کہ ماہتاب بی بی اس سے ضرور ملاقات کریں گی لیکن اس کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا اور وہ تھر تھر کانپنے لگی یوں لگتا تھا جیسے اس نے خطرہ بھانپ لیا ہو وہ عورت جس کی چاہت میں وہ دیوانہ وار میرے ہمراہ چلی آئی تھی جس کی دید کی خواہش اسے کشاں کشاں کھینچ لائی تھی اسے نہ پا کر آن کی آن اس کی حالت بگڑ گئی اور اس نے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے۔

یہ صورت حال میرے لئے غیر متوقع اور پریشان کن تھی۔ میں نے قریبی ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا اور اسے لے کر گھر پہنچا تو اس نے چاند بی بی کے معائنے کے بعد بتایا کہ اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے بہتر ہو گا اسے کراچی کے امراض قلب کے ہسپتال لے جایا جائے۔ میں یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ چاند بی بی کی جان کو نقصان ہو چنانچہ رات بھر میں اور بے نظیر اس کے سرہانے بیٹھے رہے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی لیکن صبح کے وقت اس کی حالت اور بگڑ گئی۔ میرا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ ساری تدبیریں الٹی ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ گیارہ بجے کے لگ بھگ اس کی سانس اکھڑ گئی میں پھر ڈاکٹر کو لایا تو اس نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ بہت مشکل ہے لیکن

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری درخواست پر اس نے ہسپتال والوں کے نام ایک پرچی مجھے لکھ دی۔ میں اور بے نظیر اسے لے کر ہسپتال پہنچے۔ جہاں اسے فوری طور پر طبی امداد دی گئی لیکن ہسپتال میں داخلہ کے وقت جب مریضہ کا نام پوچھا گیا تو اس کا نام بیگم ماہتاب لغاری زوجہ نواب عالمتاب لغاری لکھواتے وقت میرے ذہن میں اس خیال نے سر اٹھایا کہ اگر میری عدم موجودگی میں کراچی سے ماہتاب کی روانگی کی بابت ٹیلیگرام آگیا تو یہ جھوٹ کیوں کر چھپے گا چنانچہ میں بے نظیر کو چاند بی بی کے پاس ہسپتال میں چھوڑ کر گھر پہنچا۔ میری دور اندیشی کام آئی اور سوا چار بجے کے لگ بھگ جبکہ میں دروازے پر کان لگائے بیٹھا تھا دستک سنائی دی۔ ملازم دستک سن کر لپکا لیکن میں نے اسے روک دیا اور خود دروازے پر پہنچا۔ دروازے پر محکمہ ٹیلیگراف کا آدمی ٹیلیگرام لئے موجود تھا۔ میں نے وصولی کے دستخط کئے اور لفافہ سے ٹیلیگرام نکال کر پڑھا تو پتہ چلا ماہتاب اگلے دن پی آئی اے کی فلائٹ سے حیدر آباد پہنچ رہی تھی۔ عملی زندگی میں' میں انتہائی محتاط آدمی ہوں چنانچہ ٹیلیگرام میں نے بصد احتیاط رکھا اور الٹے قدموں ہسپتال واپس پہنچا لیکن جب میں وہاں پہنچا تو پتہ چلا چاند بی بی کا دم نکلے ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا تھا اور ڈاکٹر اس کی موت کی نہ صرف زبانی تصدیق کر چکے تھے بلکہ تحریری طور پر بھی سرٹیفکیٹ دے چکے تھے۔ یہ سرٹیفکیٹ بیگم ماہتاب لغاری کی موت کا سرکاری ثبوت تھا۔

وہی بیگم ماہتاب لغاری جو اگلی صبح بذریعہ طیارہ حیدر آباد پہنچنے والی تھیں۔

یوں وہ عظیم الشان منصوبہ جو میرے ذہن نے تشکیل دیا تھا جس کے تحت میں دو ہمشکل خواتین کی شخصیتوں کا باہمی تبادلہ کر دینا چاہتا تھا لرز کر رہ گیا۔ اب میری حتی الامکان کوشش اور میری تمام تر دانشمندی بھی مرنے والی کو چاند بی بی ثابت کرنے سے قاصر تھی مجھے دل و جان سے اس کی ناوقت موت کا صدمہ تھا لیکن اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ اس منصوبے کو بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے متوفیہ کو چاند بی بی ثابت کرنے کی کوشش بھی کی تو مجھ پر اغوا جبر و تشدد اور اسی نوعیت کے دوسرے الزامات لگنے یقینی تھے۔ چنانچہ میں نے مردانہ

وار حالات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چاند بی بی کی نعش میں نے اس جواز کے تحت سردخانے میں رکھوا دی کہ نعش لطیف آباد لے جائی جائے گی اور اس ضمن میں ضروری انتظامات کل تک کئے جا سکیں گے۔

رات کو میں نے لطیف آباد جانے کے لئے ایک ایمبولینس بک کروائی۔ ملازم کو میں نے قصر چانڈیو کا پتہ سمجھانے کے بعد اسے لطیف آباد روانہ کر دیا کہ وہ ماہتاب کے انتقال کی خبر سردار صاحب کو پہنچا سکے حالانکہ یہ اطلاع فون پر بھی دی جا سکتی تھی مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ جب ماہتاب ائرپورٹ سے گھر پہنچے تو گھر میں کوئی غیر متعلق شخص موجود ہو۔

اگلی صبح میں دس بجے کے لگ بھگ ماہتاب کو لینے ائرپورٹ چلا گیا۔ بے نظیر گھر پر ہی رہی۔ ماہتاب کافی کمزور نظر آتی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ طویل بیماری سے اٹھ کر آئی ہو۔ اپنے ہمراہ دو تین سوٹ کیس اور ایک سفری بیگ لائی تھی جنہیں میں نے اور بے نظیر نے بعد میں کھول کر دیکھا تو قیمتی ملبوسات' زیورات اور آرائشی مصنوعات سے بھرا پایا۔

مجھے دیکھتے ہی ماہتاب نے پہلا سوال خوش بخت کے بارے میں کیا میں نے اسے اطمینان دلایا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور آرام کر رہی ہے لیکن ماہتاب کے چہرے کے تاثرات گواہ تھے کہ میری بات سے وہ مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ گھر پہنچنے کے بعد اس نے بے نظیر سے بھی بے تابانہ خوش بخت ہی کے بارے میں پوچھا۔ بے نظیر نے میرا اشارہ پاتے ہی اس کا ہاتھ بڑی محبت اور اپنائیت سے تھام کر کہا۔ ماہتاب! میری جان میں تمہیں جھوٹی تسلی نہیں دوں گی۔ خوش بخت کی حالت اچھی نہیں ہے ہم نے اسے لیاقت میڈیکل ہسپتال میں داخل کرا دیا ہے۔ ماہتاب نے اتنا سنتے ہی اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا اور روہانسی ہو کر بولی۔

مجھے ان کے پاس لے چلیں۔ بے نظیر نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ہم وہاں نہیں جا سکتے ڈاکٹروں نے ملاقاتیوں پر پابندی لگا رکھی ہے۔ بے نظیر کی اس بات پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی بے نظیر اسے دلاسہ دینے میں مصروف تھی کہ میں باورچی خانے کی جانب لپکا اور دودھ کا گلاس لے کر جلدی سے کمرے میں پہنچا ہر ذی عقل آدمی یہ بات بآسانی

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت ماہتاب کے لئے دودھ کا یہ گلاس کس قدر ضروری تھا۔ بے نظیر اسے سمجھا بجھا کر اور ہمدردی کی باتیں کر کے اسے، دودھ پلانے میں کامیاب ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ماہتاب پر غنودگی طاری ہو گئی۔

میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے خواب آور انجکشن لگا دیا جو اسے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دینے کو کافی تھا۔ ماہتاب کے بے خبر ہو جانے کے بعد بے نظیر نے اپنا ایک پرانا سفید سوتی جوڑا نکالا اور ماہتاب کا قیمتی لباس اتار کر اسے سر تا پا سفید لباس پہنا دیا اس کے بعد ہم نے ماہتاب کا کمرہ اور گھر کا بیرونی دروازہ مقفل کیا اور بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچے۔ ایمبولینس جو میں نے بک کرا رکھی تھی پہنچ چکی تھی۔ ہم نے وہ تمام سامان جو ماہتاب اپنے ہمراہ لائی تھی کار کی ڈکی سے نکال کر نعش کے ساتھ رکھ دیا۔ پروگرام کے مطابق بے نظیر کو نعش کے ہمراہ لطیف آباد جانا تھا۔ بے نظیر نے پیچھے بیٹھنے کے بجائے ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھنے کو ترجیح دی۔ اس موقع پر بے نظیر نے جس حوصلے کا مظاہرہ کیا اس کی داد نہ دینا ناانصافی ہو گی۔ بے نظیر کے چاند بی بی کی نعش کے ہمراہ قصر چانڈیو روانہ ہو جانے کے بعد میں کرائے پر حاصل کی ہوئی کار میں گھر پہنچا۔ ماہتاب دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑی تھی۔ میں نے اس کے منہ پر سفید دوپٹہ ڈالا اور بازوؤں میں اٹھا کر اسے کار کی پچھلی نشست پر لٹا دیا۔ گھر کا دروازہ مقفل کرنے کے بعد میں عجلت میں اسٹیئرنگ سنبھالا اور کراچی کا رخ کیا۔

شام گہری پڑنے تک میں کراچی کے دماغی امراض کے اس ہسپتال میں پہنچ چکا تھا جہاں سے چاند بی بی فرار ہوئی تھی۔ اس وقت تک ماہتاب کے ہوش میں آنے کے آثار ہویدا ہو چکے تھے۔ وہ نیم بے ہوشی میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ انجکشن کے زیر اثر اس کی زبان میں قدرے لکنت تھی۔ ہسپتال کے نگران نے ماہتاب کو بحیثیت چاند بی بی شناخت کرنے میں کوئی تامل نہ کیا۔ ماہتاب کی زرد روئی، کمزور جسم اور سر تا پا سفید لباس نے اسے چاند بی بی ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور اس وقت خواب آور انجکشن کے زیر اثر اس کی زبان جس طرح لڑکھڑا رہی تھی اس نے سونے پر سہاگے کا کام

کیا تھا۔ ہسپتال کے نگران نے بتایا کہ اس مریضہ کے ہسپتال سے فرار ہو جانے کے بعد وہ خاصی پریشانی میں مبتلا رہا تھا کیونکہ اس مریضہ کا وارث ایک رئیس نواب لغاری تھا اور اس کے فرار ہو جانے پر اس نے نہ صرف واویلا مچایا تھا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ وہ ہسپتال پر لاپروائی اور غفلت کے باعث اس مریضہ کی گمشدگی سے متعلق دعویٰ دائر کرے گا۔ چنانچہ ماہتاب کو چاند بی بی سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

یہ کام انجام دینے کے بعد میں برق رفتاری سے کار ڈرائیو کرتا ہوا لطیف آباد پہنچا اور اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد چاند بی بی پورے اعزاز کے ساتھ سردار بیگم کے پہلو میں دفنا دی گئی۔

سوئم کے فوراً بعد ہی اس کی قبر کے سرہانے بیگم ماہتاب لغاری کے نام کا کتبہ نصب کر دیا گیا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا قصر چانڈیو کے مکیں اس سے واقف ہیں۔ ماہتاب کے قصر چانڈیو سے نکالے جانے کے بعد دونوں بہنوں پر کیا بیتی یہ وہی دونوں یا مسٹر سرفراز بہتر جانتے ہیں۔ تاہم مجھے اپنی اس بنیادی غلطی کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں جو میرے منصوبے میں جھول پیدا کرنے کا باعث بنی۔ جب خوش بخت نے دماغی ہسپتال سے رابطہ قائم کیا تو یہ بات میرے علم میں آئی تھی اس لئے کہ میں بہرحال چوکنا تھا اور میری نگاہیں ہر طرف کام کر رہی تھیں لیکن میں نے خوش بخت کی راہ میں حارج ہونے کی کوشش نہیں کی کیونکہ خوش بخت تو میری زندگی کی واحد کمزوری بن کر میرے دل کے نہاں خانوں میں چھپ گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں خوش بخت کے حضور اپنا دل نہ ہار گیا ہوتا تو کوئی مائی کا لال مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ ویسے جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ خوش بخت، ماہتاب کو دماغی ہسپتال سے نکال لانے میں کامیاب ہو گئی ہے تو مجھے یقین تھا کہ یہ کچھ زیادہ خطرے کی بات بھی نہیں اس لئے کہ میں ماہتاب کو ہسپتال کے نگران کے حوالے کرتے وقت اسے یہ بتا آیا تھا کہ اس لڑکی کے دماغ میں کچھ عرصہ سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ وہ چاند بی بی نہیں ماہتاب لغاری ہے۔ میری اس بات پر اس نے کہا تھا آپ فکر نہ

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

کریں ہمارے ماہر نفسیات اس کے ذہن سے یہ بات نکال دیں گے۔ خوش بخت کے اس ہسپتال سے رابطہ قائم کرنے تک میں کسی معتبر ذریعے سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا کہ ہسپتال والے ماہر نفسیات اور دواؤں کی مدد سے ماہتاب کی ذہنی حالت کو بدلنے میں خاصے کامیاب ہو چکے تھے اور اب وہ بلاشبہ چاند بی بی نظر آنے لگی تھی۔ ایسی صورت میں اگر خوش بخت یا کوئی اور یہ دعویٰ کرتا کہ دماغی ہسپتال سے آنے والی لڑکی ماہتاب ہے تو اسے کوئی سچ نہ مانتا اور وہی ہوا بھی۔ اس سلسلے میں' میں سردار مرتضیٰ علی چانڈیو کو پہلے ہی خبردار کر چکا تھا۔

اس موقع پر میں بے نظیر جیسی وفاشعار بیوی کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا جس نے اپنی اکلوتی بھتیجی کے مقابلے میں ہر نازک موقع پر میرے ہاتھ مضبوط کر کے مشرقی عورت ہونے کا ثبوت دیا۔ اے مشرق کی عورت تُو بلاشبہ عظیم ہے!

میں جانتا ہوں میرے اس تحریری بیان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں لیکن میرے پاس چند ثبوت ایسے ہیں جو یہ ثابت کر دیں گے کہ سردار بیگم کے پہلو میں موجود قبر ماہتاب کی نہیں چاند بی بی کی ہے۔ یہ اہم دستاویزات میں مسٹر سرفراز کے حوالے کر رہا ہوں جن کے آگے میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ شیرازی۔"

شیرازی نے اس دستاویز کی قانونی اہمیت سے انکار کیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ سرفراز کو شیرازی کے اس تحریری بیان سے ایسی بہت سی باتیں معلوم ہو گئی تھیں جن کا دریافت کرنا یقیناً دشوار ہوتا۔

رات سرفراز نے جاگ کر گزاری ذرا سی آہٹ پر وہ چوکنا ہو جاتا۔ جب تک وہ اس قفس سے نکل نہ جاتا وہ خود کو خطرے میں محسوس کر رہا تھا۔

صبح چھ بجے سلامت اللہ نے دروازہ کھولا اور اس سے نظریں ملائے بغیر بولا۔ "معاف کیجئے گا صاحب یہ شیرازی صاحب کا حکم تھا میں نے ان سے وعدہ کر لیا تھا اور مرد کی زبان ایک ہوتی ہے آپ کو تکلیف ہوئی ہے مجھے افسوس ہے۔"

جواباً سرفراز نے اسے مسکرا کر دیکھا اور بولا۔ "کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے۔"

حقیقت یہ تھی کہ اس وقت سرفراز کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے نئی زندگی پائی ہو۔ کاغذات اٹھا کر اس نے سلامت اللہ سے مصافحہ کیا اور گھر سے باہر نکل آیا۔ وہ خود کو ہواؤں کے دوش پر اڑتا محسوس کر رہا تھا اس کے دل کی دھڑکنوں کا عجب عالم تھا۔

☆======☆======☆

دوپہر تک وہ کراچی پہنچ چکا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی کامیابی کی خبر خوش بخت اور ماہتاب کو سناتا۔ خوش بخت نے اخبار اس کی جانب بڑھا دیا۔ اس نے قدرے حیرانی سے اخبار تھامتے ہوئے ان دونوں کی جانب دیکھا ماہتاب کچھ پریشان نظر آتی تھی۔ اس نے اخبار پر نظریں دوڑانی شروع کیں اور جلی سرخیوں میں شائع ہونے والی ایک خبر اسے دم بخود کر گئی۔ اس خبر کے مطابق گزشتہ رات ائرپورٹ کی حدود میں کسی نامعلوم شخص نے ریوالور سے پے در پے وار کر کے بہروز شیرازی نامی ایک شخص کو اس وقت قتل کر دیا تھا جب وہ یورپ جانے کی غرض سے اپنی بیوی بے نظیر شیرازی کے ہمراہ ڈپارچر لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔ واردات کے فوراً ہی بعد نامعلوم حملہ آور ایک کار میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا جس کی نمبر پلیٹ جعلی تھی۔

خبر پڑھنے کے بعد سرفراز نے بے تابانہ فروغ کی بابت استفسار کیا۔ اس کے استفسار پر خوش بخت نے بتایا گزشتہ رات کوئی شخص اس سے ملنے آیا تھا جس سے وہ بڑی دیر تک باتیں کرتا رہا تھا۔ اس شخص کے جانے کے بعد فروغ نے اندر آ کر ان دونوں بہنوں کو بتایا تھا کہ سرفراز بخیریت ہے اور صبح تک گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد وہ باہر چلا گیا اور رات سے اب تک وہ گھر نہ لوٹا تھا۔

سرفراز میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ وہ ان دونوں کو بتا سکتا کہ وہ نامعلوم حملہ آور جس نے شیرازی کو ہلاک کر دیا تھا کون تھا؟

اس دن کے بعد فروغ کبھی واپس نہیں آیا اور سرفراز اس کی بابت خوش بخت اور ماہتاب کو کبھی کوئی معقول جواب نہیں دے سکا۔ اس لئے کہ فروغ نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ کبھی کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆======☆======☆

اگلے ہی دن سرفراز حیدر آباد روانہ ہو گیا جہاں مسلسل کئی روز کی بھاگ دوڑ کے بعد اس نے کارپوریشن سے ماہتاب کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ اس سرٹیفکیٹ پر تاریخ وفات پچیس جولائی درج تھی جبکہ اس کے پاس ایسے واضح ثبوت موجود تھے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ پچیس جولائی کو ماہتاب کراچی میں تھی۔

اب سرفراز کے پاس ماہتاب کے وکیل جتوئی صاحب سے رابطہ قائم کرنے اور ان کی مدد چاہنے کا انتہائی معقول اور مدلل جواز موجود تھا۔ تمام اہم دستاویزات کے ساتھ وہ جتوئی صاحب کے دفتر پہنچا اور تمام حالات سے انہیں آگاہ کرنے کے بعد جب اس نے ٹیلیگرام' اس ٹکٹ کی کاؤنٹر سلپ جس پر ماہتاب نے کراچی تا حیدر آباد سفر کیا تھا اور حیدر آباد میونسپل کارپوریشن سے حاصل کردہ ڈیتھ سرٹیفکیٹ انہیں دکھایا تو وہ ششدر رہ گئے اور اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولے۔

"ویل ڈن مسٹر سرفراز! آپ نے واقعی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اب آپ علی الاعلان اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ مرنے والی خاتون ماہتاب بیگم نہیں چاند بی بی تھی۔ میری جانب سے اس سلسلے میں آپ کو ہر ممکن تعاون حاصل ہو گا۔"

"وکیل صاحب! میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ عدالت سے رجوع کرنے سے پیشتر ایک بار سردار مرتضیٰ علی چانڈیو سے مل لیا جائے ہو سکتا ہے یہ ثبوت دیکھ کر وہ احتجاج نہ کریں اور ماہتاب کا زندہ ہونا تسلیم کر لیں۔" سرفراز نے کہا۔

اس کے اس خیال کی جتوئی صاحب نے پُرزور تائید کی سرفراز نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

"وکیل صاحب! کیا آپ ماہتاب کے قانونی مشیر کی حیثیت سے قصر چانڈیو چلنے کی زحمت فرمائیں گے؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن کل مجھے ایک مقدمے کے سلسلے میں عدالت جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ کے عدالت سے فارغ ہونے کے بعد چلیں گے ہم دونوں۔"

"دونوں کیوں ماہتاب بھی تو۔"

"پہلی بات تو یہ وکیل صاحب کہ ماہتاب کراچی میں ہے اور اگر وہ یہاں ہوتی بھی تب بھی شاید میں اسے فی الحال قصر چانڈیو نہ لے جاتا۔ ہو سکتا ہے سردار صاحب اب بھی اسے ماہتاب تسلیم کرنے سے انکار کر دیں ایسی صورت میں' میں ماہتاب کو کسی ذہنی کوفت سے دوچار نہیں کرنا چاہتا۔ وہ بمشکل تمام نارمل ہو سکی ہے۔ اب وہ اسی وقت وہاں جائے گی جب قصر چانڈیو کے دروازے اس کے لئے کھلے ہوں گے۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

اس کے ساتھ ہی سرفراز نے اجازت چاہی۔ طے پایا کہ کل سہ پہر وہ دونوں لطیف آباد روانہ ہوں گے۔

☆======☆======☆

اگلے روز وہ دونوں سہ پہر کے وقت لطیف آباد روانہ ہو گئے۔

قصر چانڈیو پہنچنے پر جب جتوئی صاحب نے سردار صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی تو انہوں نے انہیں اپنے کمرے میں بلوا بھیجا۔ ہمیشہ کی طرح وہ کھڑکیوں اور دروازوں کے پردے گرائے بیٹھے تھے۔ جتوئی صاحب کے کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے تھکی تھکی آواز میں واضح کر دیا کہ ان دنوں وہ کچھ زیادہ ہی علیل ہیں۔ جتوئی صاحب ان کے پرانے شناسا تھے۔ وہ جانتے تھے بڑے میاں اس وہم میں بارہ مہینے مبتلا رہتے ہیں کہ وہ شدید بیمار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی نام نہاد علالت کا خیال کئے بغیر سرفراز کا تعارف بڑے ہی ڈرامائی انداز میں کرا کے ان کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا انہوں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"سردار صاحب! یہ آپ کی بھتیجی ماہتاب بیگم کے خاوند سرفراز احمد ہیں۔"

"کیا.......... کیا.......... کیا کہا آپ نے؟"

"ماہتاب بیگم کے شوہر سرفراز احمد صاحب۔"

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اوہ..........." سردار صاحب نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا اور خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا آپ لوگوں نے مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے یا پاگل کر دینے کے درپے ہیں یعنی پہلے خوش بخت' ماہتاب کی ایک ہمشکل کو خدا جانے کہاں سے پکڑ لائی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ ماہتاب ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کیا تو اب آپ ایک ناقابل یقین بات کر رہے ہیں .... جتوئی صاحب! کم از کم آپ جیسے باشعور آدمی سے میں اس قسم کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔"

"سردار صاحب! برائے مہربانی آپ پوری بات سن لیں پھر فیصلہ کریں۔" جتوئی صاحب نے بہت نرمی سے کہا اور سرفراز کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔ "سرفراز صاحب! آپ سردار صاحب کو تمام قصہ سنا دیں۔"

سرفراز نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اور قدرے ہچکچاتے ہوئے داستان سنانی شروع کی۔ سردار صاحب کبھی مٹھیاں بھینچ لیتے' کبھی جبڑے بھینچ لیتے کبھی ویل چیئر گھمانا شروع کر دیتے وہ شدید اعصابی ہیجان میں مبتلا نظر آتے تھے۔ ان کی پیشانی پر ان گنت شکنیں اس امر کا اظہار تھیں کہ انہیں اس قصے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سرفراز نے انہیں شیرازی کے نام نواب لغاری کا ارسال کردہ ٹیلیگرام' ماہتاب کے ٹکٹ کی کاؤنٹر سلپ اور شیرازی کا وہ طویل تحریری بیان بھی دکھایا مگر یوں لگتا تھا ان کے نزدیک ان تمام چیزوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس کا اظہار انہوں نے واشگاف الفاظ میں کرتے ہوئے کہا۔

"جتوئی صاحب! میں نے ماہتاب کو اپنی آنکھوں سے قبر میں اتارتے ہوئے دیکھا بے شمار لوگوں نے جنازے میں شرکت کی اور سب اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ بلاشبہ ماہتاب ہی تھی۔ بھلا بتایئے میں کس طرح مان لوں کہ وہ زندہ ہے۔ سرفراز صاحب کہتے ہیں نواب لغاری اور شیرازی نے ماہتاب کی دولت حاصل کرنے کی خاطر یہ ڈرامہ رچایا۔ کیا موجودہ صورت حال میں میرا ذہن یہ سوچنے پر مجبور نہیں ہو سکتا کہ سرفراز صاحب ماہتاب کی دولت حاصل کرنے کی خاطر یہ ڈرامہ رچا رہے ہیں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔" سرفراز نے احتجاج کیا اور جتوئی صاحب کی جانب دیکھ کر بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں چلنا چاہئے۔" پھر وہ سردار صاحب کی جانب مڑتے ہوئے بولا۔ "یہ خیال رہے سردار صاحب کہ میں یہ ثابت کر کے رہوں گا کہ ماہتاب مری نہیں زندہ ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ماہتاب کو بحیثیت مدعی ہی سہی پولیس اور عدالت کے چکر میں الجھنا پڑے لیکن آپ کے رویے نے ثابت کر دیا ہے کہ ماہتاب کی خاطر مجھے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا۔ یاد رکھئے سردار صاحب آپ خود بھری عدالت میں اپنی زبان سے یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ مرنے والی ماہتاب نہیں تھی۔ ماہتاب زندہ ہے۔"

سردار صاحب نے سرفراز کو گھورا۔ جتوئی صاحب نے ایک بار پھر انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر اس بار وہ چلا کر بولے۔ "جتوئی صاحب! مجھے پریشان مت کریں بہتر ہو گا آپ چلے جائیں۔"

جتوئی صاحب اس کھلی ہتک پر اٹھے اور سرفراز کے ہمراہ باہر نکل گئے۔ دونوں کے چہروں پر ناگوار تاثرات تھے۔ قصر چانڈیو سے نکلنے کے بعد سرفراز کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے جتوئی صاحب نے کہا۔

"عدالت میں جائے بغیر بات نہیں بنے گی۔"

سرفراز نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "جتوئی صاحب! میری خواہش ہے ماہتاب کی جانب سے آپ ہی پیروی کریں۔"

"آپ فکر نہ کریں مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا میں کروں گا۔" جتوئی صاحب نے اسے یقین دلایا۔

☆======☆======☆

جلد ہی سرفراز ماہتاب کے ہمراہ جتوئی صاحب سے ملا۔ ماہتاب سے ملاقات کے بعد جتوئی صاحب کو کامل یقین ہو گیا کہ وہ ماہتاب ہی ہے۔

مقدمہ شروع ہوا۔

جتوئی صاحب خاصی دلچسپی لے رہے تھے انہیں اندازہ تھا اپنی نوعیت کا یہ منفرد او

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

انوکھا مقدمہ ان کے لئے مالی منفعت سے زیادہ شہرت کا سبب بنے گا۔

اخبارات نے مقدمے کی کارروائی میں بے پناہ دلچسپی کا اظہار کیا۔ ہر پیشی پر عدالت اخباری نمائندوں سے بھری ہوتی۔ اصل مجرم قدرت کے ہاتھوں پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے اب مدعی بیگم ماہتاب سرفراز کا یہ دعویٰ عدالت کی وساطت سے ثابت یا رد ہونا تھا کہ وہ ماہتاب ہے یا نہیں؟

سردار صاحب کو بھی عدالت میں طلب کیا گیا لیکن وہ ہنوز اپنے مؤقف پر سختی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ ماسی جنت بھی بیان دینے کے لئے عدالت میں حاضر ہوئی لیکن ماہتاب کو دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی۔ حقیقت یہ تھی کہ ماہتاب اور چاند بی بی میں حیرت انگیز مشابہت تھی۔ سرفراز نے اس راز کو اپنے سینے تک ہی محدود کر رکھا تھا کہ ماہتاب اور چاند بی بی بہنیں تھیں۔ وہ اس راز کو افشا بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ یہ ایک حرماں نصیب لڑکی کے عدم سے وجود میں آنے کا راز تھا۔

ابھی عدالت کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تھی کہ ایک روز سردار صاحب کو بے نظیر کی جانب سے ایک خط ملا۔ اس نے لکھا تھا۔

”بھائی صاحب!

اپنی گناہ گار بہن کا آخری سلام قبول کیجئے۔ اس خط کے بعد آپ کو میری جانب سے کوئی خط یا میرے بارے میں کوئی خبر نہیں ملے گی۔ آپ لوگوں سے بغاوت کر کے میں نے اپنی زندگی خود برباد کی۔ بدقسمتی سے میرے خاوند نے مجھے ہمیشہ عورت کے بجائے ڈگڈگی سمجھ کر استعمال کیا۔ وہ انتہائی شاطر اور عیار شخص تھا۔ اسے اپنی ذہانت پر بڑا ناز تھا وہ کہا کرتا تھا اس تک کسی کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ قدرت کے ہاتھ بہت بڑے ہیں۔ جس انجام سے وہ دوچار ہوا اس پر مجھے قطعاً تاسف نہیں بلکہ سچ پوچھئے تو اب میں اپنے آپ کو زیادہ مطمئن اور خوش محسوس کرتی ہوں۔ اس نے تو مجھے بالکل ہی بے اختیار بنا کر رکھ دیا تھا۔ بھائی

صاحب! اس وقت میں آپ کو ایک ایسی بات بتانے والی ہوں جو ذرا دیر کو آپ کو یقیناً پریشان کر دے گی لیکن اگر آپ اس وقتی پریشانی اور اعصابی تناؤ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے تو ماہتاب ایک نئی زندگی پا لے گی۔ آپ یقیناً چونک گئے ہوں گے جی ہاں یہ حقیقت ہے کہ ماہتاب مری نہیں بلکہ زندہ ہے۔ مرنے والی اس کی ایک ہمشکل تھی۔ میں تمام تفصیلات لکھنے سے قاصر ہوں مگر مجھے یقین ہے ایک نہ ایک دن آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ وہ ہمارے خاندان کی واحد نشانی ہے۔

ہو سکتا ہے ماہتاب کے خاوند سرفراز نے آپ سے رابطہ قائم کیا ہو اور اگر نہیں کیا تو مجھے یقین ہے وہ ضرور آپ کے پاس آئے گا۔ مجھے وہ شخص ماہتاب کے ساتھ مخلص نظر آتا ہے۔ کاش شیرازی بھی میرے ساتھ اتنا ہی مخلص ہوتا۔ بہرحال اگر سرفراز یا ماہتاب آپ کے پاس آئیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ خود ان لوگوں کو تلاش کروانے کی کوشش کریں اور انہیں قصر چانڈیو واپس بلوا لیں۔ ماہتاب اس لحاظ سے بھی خوش قسمت ہے کہ اسے خوش بخت جیسی چاہنے والی بہن ملی۔ اس خط کے ساتھ منسلک ڈرافٹ کے ذریعے میں نے وہ رقم جس کی خاطر شیرازی نے یہ سب کچھ کیا تھا ماہتاب کے نام کر دی ہے۔ اس سے کہئے گا تیری پھوپھی بہت شرمندہ ہے۔ سرفراز سے بھی میں نے ایک بار سخت لہجے میں بات کی تھی اس سے کہہ دیجئے گا میں جو کچھ کرتی تھی شیرازی کے حکم سے۔ اس کی نگاہیں تو مجھ سے میری جان بھی طلب کرتیں تو انکار میرے اختیار میں نہ تھا۔ ہمیشہ کے لئے خدا حافظ۔

آپ کی گناہ گار بہن بے نظیر

یہ خط انگلستان سے آیا تھا مُہر آکسفورڈ کینٹ کی تھی لیکن بے نظیر نے اپنا کوئی پتہ لکھا تھا۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس خط کی وصولیابی کے بعد سردار مرتضیٰ علی چانڈیو بھری عدالت میں از خود یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ عدالت میں موجود مدعی خاتون ماہتاب ہے اور مرنے والی اس کی ہمشکل چاند بی بی تھی۔ انہوں نے اس اعتراف کے ساتھ ہی عدالت میں بے نظیر کا خط اور منسلک ڈرافٹ بھی پیش کر دیا۔

اب ماہتاب کے ماہتاب ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ رہا تھا۔

بالآخر عدالت نے یہ فیصلہ دے دیا کہ مدعی حق پر ہے۔

☆======☆======☆

ایک چمکیلی صبح قصر چانڈیو کا صدر دروازہ مہتاب کو خوش آمدید کہنے کو وا تھا۔ سردار چانڈیو اپنی بیماری بھول بھال کر صدر دروازے پر موجود تھے۔ ان کے چہرے پر خلافِ معمول بشاشت اور زندگی تھی۔ قصر چانڈیو کے وفادار ملازمین اور قرب و جوار میں رہنے والے گلاب گیندے اور موتیے سے گندھے ہار لئے ماہتاب' سرفراز اور خوش بخت کے استقبال کو موجود تھے۔ جتوئی صاحب اور ماسی جنت بھی ان تینوں کے ہمراہ تھے۔ وہ سب ہاروں سے لد پھند گئے۔ ماہتاب کا چہرہ گلاب کے پھولوں کی مسند پر دھرا نظر آتا تھا۔ وہ بے پناہ مسرور تھی۔

طویل ڈھلوانی راستے کے دونوں جانب لوگ دیدہ و دل فرش راہ کئے کھڑے تھے۔ ماہتاب مسکرا رہی تھی اچانک اسے ماسی نوراں نظر آئی۔ ماسی نوراں جو اس کی انا تھی۔ ماہتاب جوں ہی اس کے نزدیک پہنچی وہ رونے لگی۔

"اماں! میں زندہ ہوں تم رو کیوں رہی ہو؟" ماہتاب نے اسے دلاسہ دیا۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں ماہتاب!" سرفراز نے سرگوشی کی پھر وہ ماسی جنت کی جانب دیکھ کر ماسی نوراں سے بولا۔ "ماسی! ماہتاب بی بی اپنے ساتھ ایک اور ماسی نوران بھی لے آئی ہیں جو ماہتاب سے اتنا ہی پیار کرتی ہیں جتنا تم کرتی ہو۔"

"میرے جتنا پیار کوئی نہیں کر سکتا بی بی کو۔" ماسی نوراں نے وثوق سے کہا۔

"دیکھا ماسی جنت! ماسی نوراں کیا کہتی ہے؟" سرفراز خوشگوار لہجے میں بولا۔

"نوراں ٹھیک کہتی ہے جو پالنے والا ہوتا ہے نا سائیں اس کو ماں جتنی محبت ہوتی ہے۔" پھر وہ ماسی نوراں سے بولی۔ "بہن! تم کو بی بی مبارک ہو۔ میرے کو بس اتنی اجازت دو کہ میں اس کو دیکھ سکوں۔ اس کو دیکھ کر میرے سینے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔" ماسی جنت کی آواز بھرا گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ماہتاب آگے بڑھی اس نے اپنا ایک بازو ماسی جنت کی کمر کے گرد حمائل کیا اور دوسرا ماسی نوراں کی کمر کے گرد اور مسرت و شادمانی سے معمور لہجے میں بولی۔ "میں تم دونوں کی بیٹی ہوں۔"

"نہیں تم ماسی جنت کی چاند بی بی ہو۔" سرفراز نے چھیڑا۔

"چاند بی بی نہیں ہے سائیں یہ ماہتاب بی بی ہے' میں اس کو پہچان سکتی ہوں۔" ماسی نوران نے وثوق سے کہا۔

"اچھا فرض کرو۔ میں ماہتاب بی بی جیسی ایک اور لڑکی لا کر یہاں کھڑی کر دوں تو تم ماہتاب بی بی کو کیسے پہچانو گی؟"

"سائیں! میرے کو اس سے خوشبو آتی ہے اور اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو بی بی کے بال ہٹا کر دیکھو اس کی گدی پر سرخ پدم ہو گا۔"

سرفراز ماہتاب کی طرف بڑھا اس کے بال ہٹائے تو دیکھا اس کی گدی پر سرخ پدم موجود تھا۔

"اب تو مجھے بھی تمہارے ماہتاب ہونے میں کوئی شک نہیں رہا۔" سرفراز نے سرگوشی کی۔

اس گرم جوش اور والہانہ استقبال کے بعد جب وہ سب قبرستان پہنچے تو سرفراز نے اپنے ہاتھوں سے چاند بی بی کی قبر کے سرہانے نصب کتبہ گورکن کے کدال سے کھود کر فضا میں اچھال دیا اور ماسی جنت سے بولا۔ "ماسی تمہاری بیٹی کے لئے میں خود کتبہ تیار کروں گا۔"

فاتحہ خوانی کے بعد جب وہ قبرستان سے لوٹ رہے تھے تو گورکن کی کوٹھری کے

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

نزدیک انہیں ایک خستہ حال عورت نظر آئی۔ اس کا چہرہ دھول میں اٹا ہوا تھا۔ سرفراز کے لئے اسے پہچاننا دشوار نہ تھا وہ زینت تھی۔ اس کی حالت اس درجہ ابتر تھی کہ ماسی جنت بھی اسے نہ پہچان سکی۔ ماہتاب کو دیکھتے ہی وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکی اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور پھر دیوانہ وار دوڑتی ہوئی چاند بی بی کی قبر کی جانب چلی گئی۔ سرفراز کے سینے سے ایک دبی دبی سی آہ نکلی قدرت کے کھیل بھی نرالے ہیں کون کہہ سکتا تھا یہ وہ عورت تھی جو ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دیتی تھی۔

قبرستان سے قصر چانڈیو واپسی کے بعد سرفراز ماہتاب کے ہمراہ سردار چانڈیو کے پاس پہنچا اور بولا۔

"اب ہم اجازت چاہیں گے۔"

"کیا مطلب؟" سردار صاحب حیرانی سے بولے۔

"مطلب یہ ہے چچا سائیں کہ دولت نے ہمیں بڑے دکھ دیئے ہیں اب ہم ایک پُرمسرت زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ سرفراز کا خیال ہے کہ وہ کراچی جا کر کسی جگہ ملازمت کریں گے یا پھر اپنا اسٹوڈیو کھولیں گے۔" ماہتاب نے کہا۔

"اب آپ کی بھتیجی بھی بہت اچھی آرٹسٹ ہیں سردار صاحب!" سرفراز نے بتایا۔

سردار صاحب نے انہیں بہت روکنا چاہا مگر انہوں نے شائستگی اور سعادت مندی سے معذرت کر لی۔

اور ایک بار پھر وہ تینوں کراچی جا رہے تھے۔

اس رات سرفراز نے جذبات سے بوجھل لہجے میں ماہتاب سے کہا۔

"ماہتاب! میری جان میں نے عزم کیا تھا کہ قصر چانڈیو کے دروازے تمہارے لئے کھلوا کر رہوں گا۔ سو میں نے کر دکھایا۔ لوگ خواہ مخواہ غربت کو قابل نفرت سمجھتے ہیں اور اپنی تمام تر ناکامیوں کا ذمہ دار غربت کو ٹھہراتے ہیں لیکن زندگی کے اس بڑے اور درطۂ حیرت میں ڈال دینے والے تجربے نے مجھے اس بات پر ایمان لانے پر مجبور کر دیا ہے کہ غربت اور امارت کا بڑے کارناموں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اصل اہمیت جستجو، لگن اور

جذبے کی ہے۔"

☆======☆======☆

سرفراز نے نئے سرے سے جدوجہد شروع کر دی تھی

جلد ہی اسے ایک آرٹ اسکول میں بہ حیثیت آرٹ ٹیچر ملازمت مل گئی۔ اسکول سے واپسی پر وہ آرڈر پر تصاویر بناتا اور ماہتاب اس کی مدد کرتی۔ خوش بخت گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے میں ماہتاب کی شریک تھی۔

سکون کا سانس لیتے ہی سرفراز اور ماہتاب کو خوش بخت کے مستقبل کی فکر رہنے لگی تھی۔ خوش بخت ایک عورت تھی اور اس کے لئے سماجی تحفظ بہرحال ضروری تھا۔ ایک شام جب وہ تینوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے سرفراز نے باتوں باتوں میں خوش بخت سے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہنے کی جسارت کروں۔"

"میں جانتی ہوں سرفراز تم کیا کہنا چاہتے ہو لیکن بات یہ ہے سرفراز کہ ماہتاب مجھے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے۔ میں اسے پل بھر کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس سے جدائی میرے لئے موت ہو گی۔ اب تو میں اس بات کا انتظار کر رہی ہوں کہ کب اس گھر میں قلقاریاں گونجیں۔ میں انہیں چلنا سکھاؤں گی۔ انہیں بولنا سکھاؤں گی۔ ان کے سامنے اگر تم نے اس قسم کی بات کرنے کی کوشش کی نا تو وہ خود کہیں گے ہم اپنی خالہ کو کہیں نہیں جانے دیں گے۔"

"نہیں آپا.......... آپ کو اپنے بارے میں سوچنا پڑے گا۔" ماہتاب بولی۔

"میری جان! کیا تم مجھے بوجھ سمجھنے لگی ہو؟ اگر ایسا ہے تو میں خود کہیں چلی جاؤں گی۔"

"اوہ آپا! میری پیاری آپا.......... آپ تو مجھے امی کی طرح پیاری ہیں۔" ماہتاب نے اپنے بازو اس کی گردن میں حمائل کر دیئے۔

"بس تو آئندہ ایسی کوئی بات مت کرنا۔"

چنانچہ اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی نے اس موضوع پر بات نہیں کی۔

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆======☆======☆

برس بھر گزر گیا۔

اس دوران سرفراز نے کراچی میں اپنی تصویروں کی ایک نمائش منعقد کر ڈالی تھی اور دوسری راولپنڈی میں منعقد ہو رہی تھی۔

راولپنڈی کی نمائش کے بعد جب وہ واپس کراچی پہنچا تو فلیٹ کے دروازے پر ایک موٹا سا تالا دیکھ کر جہاں کا تہاں رہ گیا۔ ہمسایوں نے اس کے استفسار پر بتایا کہ ماہتاب اور خوش بخت چار روز قبل لطیف آباد چلی گئی تھیں اور اس کے لئے وہ یہ پیغام چھوڑ گئی تھیں کہ سردار چانڈیو انتقال کر گئے ہیں وہ قصر چانڈیو جا رہی ہیں اور وہیں اس کا انتظار کریں گی۔

سرفراز الٹے قدموں قصر چانڈیو پہنچا تو فضائیں اگربتیوں اور لوبان کی سوگوار خوشبوؤں سے معمور تھیں۔ قصر چانڈیو میں قرآنی خوانی ہو رہی تھی۔ سرفراز ملازم کی معیت میں ماہتاب کے پاس پہنچا تو وہ بستر پر لیٹی نظر آئی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ خاصی کمزور نظر آتی تھی۔

"کیسی ہو ماہتاب؟" اس نے ماہتاب پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"نہیں مجھے تم ٹھیک نہیں لگتیں۔ میرا خیال ہے ہمیں واپس چلنے کی تیاری کرنی چاہئے۔ میں نمائش کے دوران بھی تمام وقت تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا ہم آج شام ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"کہاں جانے کا پروگرام ہے؟" یہ کہتے ہوئے خوش بخت کمرے میں داخل ہوئی تو سرفراز خجل خجل سا ماہتاب کے نزدیک سے ہٹ گیا۔ ماہتاب نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

"کہاں جانے کی باتیں ہو رہی ہیں؟" خوش بخت نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ماہتاب کو کسی .... وقت .... بھی۔" سرفراز کہتے کہتے رک گیا۔

"ماہتاب بالکل ٹھیک ہے تم ماہتاب کی فکر مت کرو۔"

اتنا کہہ کر خوش بخت نے ماسی نوراں کو آواز دی۔

ذرا دیر بعد ہی ماسی نوراں اپنے بازوؤں میں ایک گٹھری سی دبوچے اندر داخل ہوئی۔ خوش بخت نے اسے اپنے بازوؤں میں لیا اور نرم و ملائم کپڑا ہٹا کر ایک گل گوتھنا سا بچہ سرفراز کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"یہ خوشخبری ایک ماہ قبل ہی تشریف لے آئی ہیں۔"

"اوہ!"

سرفراز کی آنکھیں دمک اٹھیں۔

اتنا تو وہ راولپنڈی کی نمائش کی کامیاب پر بھی مسرور نہ ہوا تھا۔

"تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟" خوش بخت نے بچہ اس کے رو برو کرتے ہوئے کہا۔

"میرا بیٹا.......... یا بیٹی۔"

"اوہو .... ہو .... ذرا تمیز سے سرفراز صاحب .... اس وقت آپ سندھ کے ایک معزز خاندان کے نووارد جانشین کی بات کر رہے ہیں۔ ٹھہرئیے .... میں آپ دونوں کو متعارف کرا دوں۔ آپ ہیں قصر چانڈیو کے جانشین اور جناب عالی آپ ہیں سرفراز صاحب جو ظل سبحانی کے والد بزرگوار ہوتے ہیں۔"

سرفراز جھکا اور اس نے اپنے لب نوزائیدہ کے گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح نرم و ملائم اور گلابی گالوں پر رکھ دیئے۔

خوش بخت مسکرا رہی تھی۔

ماہتاب ہولے سے اٹھ کر تکیوں کے سہارے بیٹھ گئی اور اس منظر کو دیکھ کر

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT

WWW.PAKSOCIETY.COM

شرمارہی تھی۔

اس جیتی جاگتی تخلیق کو پیار کرتے ہوئے سرفراز نے ایک نظر ماہتاب پر ڈالی اور چونک کر رہ گیا۔ سرتاپا سفید لباس میں ملبوس ماہتاب' چاندنی بنی نظر آرہی تھی۔

☆====== ختم شد ======☆

SCANNED BY WAQAR AZEEM PAKISTANIPOINT